شارحِ بخاری

از

مولانا لیٰسٓ اختر مصباحی

دائرۃ البرکات، قصبہ گھوسی، ضلع مئو، (یوپی، انڈیا)

من یرد الله به خیر یفقهه فی الدین (بخاری)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں فقاہت و بصیرت عطا فرماتا ہے۔

مختصر حالات و خدمات

شارح بخاری

حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ العالی

مؤلف

مولانا لیس اختر مصباحی برکاتی رضوی
بانی رکن المجمع الاسلامی مبارکپور، و بانی دار القلم دہلی

ناشر

دائرۃ البرکات، کریم الدین پور، قصبہ گھوسی، ضلع مئو (یوپی، انڈیا)

نام کتاب : شارح بخاری

مؤلف : لیس اختر مصباحی

محرک : ١۔ ناشر رضویت محمد سعید نوری،
بانی رضا اکیڈمی، ممبئی
٢۔ مولانا عبد الحق رضوی

طبع اول : ١٤٢٠ھ مطابق ١٩٩٩ء

تعداد طبع اول : ١١٠٠ گیارہ سو

صفحات : ٢٨٨

مطبع و ناشر : دائرۃ البرکات، کریم الدین پور، گھوسی، مئو

کمپوزنگ : محمد اکرام الحق، مصباحی کمپیوٹر سینٹر
نزد اشرفیہ جونیئر ہائی اسکول، بڑی ارجنٹی،
مبارکپور اعظم گڑھ

ملنے کے پتے

۱۔ دائرۃ البرکات : جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ۔ ۲۷۶۴۰۴

۲۔ المجمع الاسلامی : مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی۔ ۲۷۶۴۰۴

۳۔ المجمع المصباحی : مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی۔ ۲۷۶۴۰۴

٤۔ حق اکیڈمی : مبارکپور، اعظم گڑھ، یوپی۔ ۲۷۶۴۰۴

۵۔ قادری کتاب گھر : اسلامیہ مارکیٹ، نومحلہ، بریلی شریف

٦۔ قادری بک ڈپو : نومحلہ مسجد، بریلی شریف

۷۔ رضوی کتاب گھر : ٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔ ٦

۸۔ فاروقیہ بک ڈپو : 442/C، ٹیا محل جامع مسجد، دہلی۔ ٦

۹۔ مکتبہ جام نور : ٹیا محل، جامع مسجد، دہلی۔ ٦

۰۱۔ مکتبہ نعیمیہ : ٹیا محل جامع مسجد، دہلی۔ ٦

۱۱۔ نیو سلور بک ایجنسی : محمد علی بلڈنگ، بھنڈی بازار، ممبئی

فہرست

عنوان	صفحہ
انتساب	۶
تہدیہ	۷
تقدیم	۸
شرح احوال	۱۳
تعلیم و تربیت	۱۷
اساتذہ کرام	۲۰
تدریسی خدمات	۲۱
فقہ و افتا	۲۳
تحریر و تصنیف	۲۶
تقریر و تبلیغ	۲۸
رد و مناظرہ	۳۰

عنوان	صفحہ
بیعت و خلافت	۳۵
حج و زیارت	۳۸
اکابر سے تعلقات	۴۳
اسلامی غیرت و حمیت اور عوامی قیادت	۷۰
افریقہ، حجاز و پاکستان کا ایک سفر	۸۱
فیضان مارہرہ مطہرہ	۹۳
عصری نشست	۱۰۱
ازواج و اولاد	۱۰۲
نمونہ فتاوی	۱۰۵
نمونہ مضامین و مقالات	۱۶۳
تصنیفات	۱۴۳

انتساب

دین ودانش، علم وحکمت، فکر و آگہی، اور تعلیم وتربیت کی قابل افتخار

درس گاہ

الجامعة الاشرفیہ، مبارکپور

کے نام

جو دور حاضر میں بین الاقوامی سطح پر مسلک اہل سنت کی تبلیغ و اشاعت کا ایک متحرک ادارہ، باطل افکار و نظریات کی یلغار سے اسے محفوظ رکھنے کا ایک مستحکم قلعہ اور اہل سنت و جماعت کا باوقار دینی و علمی وفکری نمائندہ وترجمان ہے۔

یٰسٓ اختر مصباحی

۱۲/ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۷/ جون ۱۹۹۹ء

تہدیہ

بصد عقیدت واحترام

۱۔ صدر الشریعہ حضرت مولانا حکیم محمد امجد علی رضوی اعظمی قدس سرہ (المتوفی ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء)

۲۔ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا خاں قادری برکاتی نوری بریلوی قدس سرہ (المتوفی: ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء)

۳۔ تاج العلماء حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی قدس سرہ (المتوفی: ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۶ء)

اساتذہ ومربیان شارح بخاری اور اپنے

۴۔ حافظ ملت حضرت مولانا الشاہ حافظ عبد العزیز مراد آبادی قدس سرہ (المتوفی: ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء)

۵۔ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد قادری قدس سرہ (المتوفی: ۱۳۸۲ھ / ۱۹۶۲ء)

جملہ اساتذہ واسلاف واکابر کی خدمات عالیہ میں

اگر سیاہ دلم، داغ لالہ زار تو ام
وگر کشادہ جبینم، گل بہار تو ام

یٰسٓ اختر مصباحی

۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۷ جون ۱۹۹۹ء

تقدیم

عام حالت یہ ہے کہ "قدر نعمت بعد زوال"---جب کسی شخصیت کی رحلت ہو جاتی ہے تو خیال ہوتا ہے کہ ان کا مقام بہت اہم اور خدمات بڑی وسیع تھیں، ان کے حالات و سوانح مرتب کرنا چاہیے۔ مگر زندگی میں کسی کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ ان کی خدمات، ان کے خطبات، حل اشکالات، اصلاح عبارات، علمی افادات، روابط و تعلقات، قیمتی نصائح و ملفوظات وغیرہ کا ریکارڈ رکھا جائے۔ اس کا شکوہ اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی اپنے سفر حج کے تذکرے میں کیا ہے۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ سبھی اکابر کے ساتھ ان کی زندگی میں ہمارا ایسا ہی سلوک رہا۔ اور اب بھی ہم اسی روش کے پابند ہیں۔

بعد وصال سوانح و حالات لکھنے میں یہاں تک دشواری ہوتی ہے کہ تاریخ پیدائش، والدین اور خاندان، احباب و متعلقین، ابتدائی اساتذہ وغیرہم کا بھی پوری طرح علم نہیں ہو پاتا۔ اور بھی بہت سے گوشے تاریک نظر آتے ہیں جن پر زندگی میں روشنی ڈالنا آسان تھا۔

میں نے اپنی اس خلش کا تذکرہ اپنے احباب و متعلقین سے بارہا کیا۔ پہلی بات کی طرف تو اب بھی باضابطہ کوئی توجہ نہیں مگر دوسری بات سے متعلق یہ پیش رفت سامنے آئی کہ چند سال قبل عرس حافظ ملت کے موقع پر "شارح بخاری" کی حیات و خدمات پر

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے طلبہ نے لائق تحسین مقالات لکھے اور علماے کرام نے اپنے تاثرات بیان فرمائے۔

اب مولانا عبدالحق رضوی، الحاج محمد سعید نوری اور دیگر احباب کو خیال آیا کہ نزہۃ القاری شرح بخاری کی تکمیل پر باضابطہ جشن کا انعقاد ہو اور شرح بخاری و شارح بخاری سے متعلق علماودانشوران اور دیگر اہل تعلق کو دعوت تحریر و سخن دی جائے تاکہ جو حالات آج محفوظ ہو سکتے ہیں کم از کم وہ ضائع نہ ہونے پائیں۔ بحمدہ تعالی اس منصوبے کے تحت کام کا آغاز ہو گیا ہے۔

مبارک پور میں اس موضوع کی پہلی نشست میں راقم سطور نے یہ راے پیش کی کہ ایک مختصر تعارف جشن سے پہلے مکمل ہو جانا چاہیے تاکہ جشن میں مدعو ہونے والے ناواقف حضرات بھی متعارف ہو کر شریک ہوں اور کچھ تاثرات بھی پیش کر سکیں۔ اس تعارف کو عربی، انگریزی، ہندی، گجراتی میں بھی منتقل کر دیا جائے تو اس کی افادیت اور زیادہ ہو سکتی ہے۔ شرکاے نشست نے یہ راے قبول کی۔ اور اس کے لیے برادر گرامی مولانا یسین اختر مصباحی کی خدمات حاصل کرنے میں کامیابی مل گئی۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

دیگر زبانوں میں اسے منتقل کرنے کے لیے کوئی پیش رفت ابھی تک نہ ہو سکی جس کا ایک سبب یہ ہے کہ مسودہ تیار ہوتے ہی کمپیوٹر کے حوالہ ہو گیا۔ پھر پروف ریڈنگ اور نظر ثانی وغیرہ کے مرحلہ سے اس کو رخصت ہی نہیں مل رہی ہے کہ کسی اور ہاتھ میں جا سکے۔ مگر جانا چاہیے اور بہت جلد۔ تاکہ یہ تعارف، عام سے عام تر ہو سکے۔

اس تعارف کا تعارف میں کیا کراؤں۔ شارح بخاری علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ کی عظمت واہمیت اپنے ہی نہیں غیروں کو بھی تسلیم ہے اور میں تو ان کے خوان علم کا ایک خوشہ چیں ٹھہرا۔ لیکن چند باتیں عرض کروں گا جو میں نے ان کی ذات میں خاص طور سے محسوس کی۔

۱۔ دینی وملی غیرت واحساس ان میں معاصرین سے زیادہ دیکھتا ہوں جب بھی اسلام وسنیت، یا اکابر دین وملت پر کوئی حملہ آور ہوتا ہے تو وہ بے تاب ہو جاتے ہیں اور اس کے دفاع کے لیے اپنی ممکنہ تدبیر سے باز نہیں آتے۔

۲۔ علم میں وہ رسوخ حاصل ہے کہ جب کسی خاص موضوع پر لکھنے یا بولنے پر آتے ہیں تو بہت جلد اس کے تمام گوشوں کا احاطہ واستحضار کر کے بھرپور روشنی ڈالتے ہیں۔

۳۔ فقہی جزئیات کا استحضار، حالات زمانہ پر نظر، سائلین کے فکر ومزاج سے آگاہی، بعض سائلوں کی چالاکی وعیاری سے باخبری اور دیگر لوازم سے آراستگی ایسی ہے کہ زمانہ دراز سے فتاوی کا برجستہ املا کراتے ہیں۔ دیکھنے اور پڑھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ بہت مناسب اور برمحل جواب دیا گیا ہے۔ جو کسی ماہر مفتی کا نتیجہ قلم ہے یا کافی غور وخوض اور محنت وتیاری کا ثمرہ۔

۴۔ جماعت اور اداروں کے احوال پر بھی نظر رکھتے ہیں اور اپنے طویل تجربات کی روشنی میں بڑی قیمتی رہ نمائی اور لاجواب عقدہ کشائی سے نوازتے ہیں۔

۵۔ اصلاح وتربیت کا بھی خاص ملکہ رکھتے ہیں اور اہل تعلق کو مناسب ہدایت وتنبیہ سے برابر بناتے سنوارتے رہتے ہیں۔

۶۔ عرصہ دراز تک تدریس، افتا، تبلیغ وتقریر کا جو وسیع تجربہ ہے اس میں انفرادیت کے ساتھ تحریر وتصنیف خصوصا سرعت تحریر اور حسن تفہیم میں یکتائے زمانہ ہیں۔ مولی تعالی ان کا سایہ دراز فرمائے۔

زیر نظر کتاب میں شارح بخاری کی زندگی کے مختلف گوشوں کو اجمالی طور پر سمیٹنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔ عنوانات کی فہرست پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی اس کا اندازہ ہو سکتا ہے اس اختصار، جامعیت اور اثر آفرینی کے ساتھ ان موضوعات سے عہدہ برآ ہونا سب کے بس کی بات نہیں۔ پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ مولانا نے

محض تقاضا نہیں اتارا ہے بلکہ عقیدت سے سرشار ہو کر بڑی امنگ کے ساتھ لکھا ہے۔ اکابر کے ساتھ اسی جذبہ عقیدت کی ضرورت ہے جو اس زمانے میں کم یاب ہوتا جارہا ہے۔

نمونہ فتاوی اور نمونہ مضامین کا اضافہ بھی بہت خوب ہے۔ اس کا نقد فائدہ یہ ہے کہ قاری ان تحریروں کے ذریعہ شارح بخاری کی شخصیت سے براہ راست متعارف ہو سکتا ہے۔ ان کے علمی و فکری مقام، دینی جذبات، اور قلمی اسلوب سے آشنا ہو کر علی وجہ البصیرۃ خود بھی ان کے بارے میں کوئی رائے قائم کر سکتا ہے۔ تصانیف پر تبصرہ بھی بہت جامع اور دل چسپ ہے۔

اب کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے زیادہ دیر تک حائل رہنا مناسب نہیں، ورق الٹیے اور خود دیکھیے:

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

محمد احمد مصباحی
۱۰ ربیع الآخر ۱۴۲۰ھ ۲۴ جولائی ۱۹۹۹ء، شنبہ
المجمع الاسلامی، ملت نگر، مبارک پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح احوال

عظیم و جلیل شخصیتوں کی دینی و علمی و عملی زندگی اور ان کی قابل قدر خدمات کو خراج تحسین پیش کرنا، انہیں یاد رکھنا، انہیں مشعل راہ بنانا، زندہ و بیدار مغز قوموں کی نشانی ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ

نام نیکو رفتگاں ضائع مکن

اگر بڑوں کے کارنامے ان کی حیات میں ان کے سامنے ہی سراہے جائیں تو اپنی پذیرائی دیکھ کر ان کا دل ٹھنڈا ہو اور ان کے حوصلوں میں مزید توانائی پیدا ہو جائے۔

ہمارے یہاں عام رواج ہے کہ انتقال کے بعد عرس شروع ہو جاتا ہے۔ تعریفوں کے پل باندھے جانے لگتے ہیں۔ مگر زندگی میں وہ اتنے بڑے بزرگ نہیں سمجھے جاتے جتنے ان کے مراتب و مدارج بعد میں بیان کیے جاتے ہیں۔ یہ حسن سلوک تو ان حضرات کے لئے ہے جن کے ساتھ تقدس و بزرگی کا تصور وابستہ ہو۔ جنہیں پیر اور مرشد و شیخ طریقت سمجھا جاتا ہو۔ لیکن اصحاب علم کا طبقہ زندگی اور موت کے بعد جس عوامی سلوک سے دوچار ہوتا ہے وہ سب پر ظاہر و باہر ہے۔ خواص بھی اسی عوامی رو میں بہہ جاتے ہیں۔ انہیں بھی اصحاب علم سے قریبی واسطہ نہیں رہتا۔ اور خون جگر جلانے کی ان کے یہاں بھی کوئی قیمت نہیں۔

جماعتی نظام ہو، وسائل ہوں، قدر دانی ہو۔ حوصلہ افزائی ہو تو ہمارے علما کی خدمات بھی ملکی و عالمی سطح پر اجاگر ہو سکتی ہیں۔ اپنی صلاحیت، لیاقت، استعداد، بصیرت اور تدبر کے لحاظ سے کسی جماعت اور اس کے اعلیٰ اور چوٹی کے افراد سے ہمارے علمائے

پہلے کسی طرح کم تھے نہ آج ہیں۔ لیکن وہ اور ان کے کارنامے دنیا کے سامنے اس طرح نہیں ابھر سکے جیسے ابھرنے چاہئے۔

اب کچھ ماحول بدل رہا ہے۔ لوگ بیدار ہو رہے ہیں، کام کرنے کا ذہن پیدا ہو رہا ہے۔ لکھنے پڑھنے کا ذوق بڑھ رہا ہے۔ مدارس کی تعداد میں شب و روز اضافہ ہو رہا ہے، سیمینار ہو رہے ہیں، تعلیم و تعمیر میں سبقت لے جانے کی جد و جہد شروع ہو چکی ہے، قدر دانی و حوصلہ افزائی کی بنیاد بھی پڑ چکی ہے، جس کی ایک مثال رضا اکیڈمی ممبئی کا امام احمد رضا ایوارڈ ہے۔

کچھ دنوں پہلے عزیز گرامی مولانا حافظ عبد الحق رضوی استاذ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کا دعوت نامہ دہلی کے پتے پر میرے نام پہنچا کہ شارح بخاری نائب مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی مد ظلہ العالی صدر شعبہ افتا، الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کی حیات و خدمات پر ایک وقیع علمی مجموعہ چند ماہ بعد شائع کرنے کی تیاری ہے، آپ اس کے لئے ایک معیاری مقالہ لکھ دیں۔

عرس رضوی بریلی شریف (۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء) میں برادرم مکرم مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی اور مولانا عبد الحق رضوی سے ملاقات ہوئی تو مصباحی صاحب کے مشورہ اور مولانا عبد الحق کی گزارش پر چند روز کے لئے میں اشرفیہ مبارک پور آگیا۔ یہاں ہفتہ عشرہ قیام کے دوران "شارح بخاری" کے نام سے زیر نظر تحریر عالم وجود میں آگئی۔ اور اس وقفہ میں میرے دل و دماغ پر یہ احساس اور تأثر و تصور چھایا رہا کہ

اسی گھر میں جلایا ہے چراغ آرزو برسوں

اشرفیہ میں شارح بخاری کی تشریف آوری (۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) کے بعد سے ریاض سعودی عرب کے لئے میری روانگی (۱۹۸۲ء) تک آپ سے استفادہ و رفاقت کے جو لمحات و اوقات گزرے ان کی برکت سے آپ کے مزاج و فکر، حالات و کیفیات سے میں بڑی حد تک واقف ہوں۔ پھر کسی بات کی مزید تحقیق کے لئے بڑی

آسانی یہ رہی کہ شارح بخاری کا ساتھ اس مختصر مدت قیام میں ہفتہ عشرہ تک شب و روز رہا۔ اس لئے اس تحریر کو مستقبل میں بطور مرجع و ماخذ استعمال کرنے کے لئے یقیناً اعتبار و استناد حاصل ہو گا۔ مواد کی نشاندہی و فراہمی میں مولانا عبد الحق رضوی و مولانا محمد نسیم مصباحی نے کافی تعاون کیا۔

فقیہ و مفتی کی حیثیت سے شارح بخاری کی ذات ہند و پاک میں محتاج تعارف نہیں۔ اور یہ ایک عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس سال امام اہل سنت سیدنا الشاہ احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ کا وصال ہوا۔ اسی سال امام اہل سنت کے روحانی و معنوی فرزند، خوشہ چیں پوتا شاگرد شارح بخاری کی ولادت ہوئی۔ یعنی ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء۔

صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی رضوی اعظمی کی شہرۂ آفاق کتاب "بہار شریعت" کے چھ حصوں کی امام اہل سنت امام احمد رضا قادری بریلوی نے تحریری تصدیق کی ہے۔ اپنی اسی ایک تصدیق میں آپ رقمطراز ہیں۔ الاعظمی بالمذھب و المشرب والسکنی. مولانا امجد علی مذہبا، مشربا اور وطنا اعظمی ہیں۔ یعنی مذہبا امام اعظم ابو حنیفہ کے مقلد ہیں۔ مشربا غوث اعظم سیدنا عبد القادر جیلانی سے جاری ہونے والے سلسلہ قادریہ سے وابستہ ہیں۔ اور وطنی لحاظ سے اعظم گڑھ کے باشندہ ہیں۔ اب کمال یگانگت یہ ہے کہ صدر الشریعہ کی ان تین نسبتوں سے شارح بخاری بھی سرفراز ہیں۔ نسبت کا ایک اضافہ یہ ہے کہ مفتی اعظم مولانا الشاہ مصطفیٰ رضا نوری کے تلمیذ مستفید بھی ہیں۔ اور ایمانی یقین و اذعان ہے کہ کل بروز قیامت شفیع اعظم ﷺ کی شفاعت عظمیٰ سے بھی یہ مرشد و مرید (صدر الشریعہ و شارح بخاری) ایک ساتھ فیض یاب اور سرخ رو ہوں گے۔ ان شاء اللہ تبارک و تعالیٰ۔

تنگی وقت کے باعث میں اطمینان کے ساتھ شارح بخاری کی فقہی خدمات، علمی کمالات اور اکابر علمائے اہل سنت سے تعلقات کے مختلف ضروری گوشوں پر صحیح

ڈھنگ سے خامہ فرسائی نہ کر سکا تاہم اب اس تحریر اور آپ کی نزہۃ القاری ودیگر کتب کے علاوہ "شارح بخاری نمبر" منظر عام پر آجانے کے بعد اتنا مواد اور اتنے پہلو اصحاب قلم کے سامنے آجائیں گے کہ وہ جب چاہیں گے تحقیق وتفصیل کے ساتھ خوش اسلوبی سے باقی ماندہ خدمت انجام دیں گے۔ اس کا مجھے اطمینان ہے۔

مراکز اہل سنت وعلما ومشائخ کرام واکابر واسلاف سے شارح بخاری کو جو گہری عقیدت ہے۔ اس کا ایک ثمرہ یہ ہے کہ اپنی حیات ہی میں وہ شارح بخاری نمبر ملاحظہ فرمالیں گے طلبائے اشرفیہ کی طرف سے منعقدہ شارح بخاری سیمینار (اشرفیہ مبارکپور ۱۹۹۴ء) میں تو آپ شرکت فرما ہی چکے ہیں۔ اب ان شاء اللہ اس سے بڑے پیمانہ پر منعقد ہونے والے شارح بخاری سیمینار میں بھی آپ کی شرکت ہوگی اور اعزاز واکرام سے نوازے جائیں گے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ علمائے کرام کو اخلاص وایثار کے ساتھ دین وسنیت کی خدمت انجام دینے کی توفیق عطا فرماتا رہے اور عوام اہل سنت کو علما کی قدردانی کی سعادت بخشتا رہے۔

آمین، بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم.

یٰسٓ اختر مصباحی

نزیل حال الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور۔ ۱۲رماہ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ ۲۷رجون ۱۹۹۹ء

باسمہٖ تعالیٰ

مولانا الحاج ڈاکٹر شکیل اعظمی، گھوسی ضلع مئو
رکن مجلس شوریٰ الجامعة الاشرفیه

نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند

تُو ہے مکرم تُو ہے معظم نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند وقت کا تُو ہے مفتیِ اعظم نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند
شرح بخاری آئینہ ہے تیری علمی عظمت کا تو نے کئے حل عقدۂ مبہم نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند
تیری ہر تقریر مدلل تیری ہر تحریر مکمل تیری ہر تفسیر ہے محکم نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند
ہر فن پہ ہے تجھ کو قدرت تُو ہے سراپا علم و حکمت تیری فقاہت امر مسلّم نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند
تیرے علمی شہکاروں سے بیش بہا فن پاروں سے فیض ملے گا سب کو پیہم نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند
ٹھوکریں ہر ہر گام پہ کھا کے تیری ہر تحقیق کے آگے اہل علم کریں گے سر خم نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند
ہمت کر کے اہل باطل آئے ہیں جب بھی تیرے مقابل کھو بیٹھے وہ اپنے دم خم نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند
تیرے سایۂ لطف و کرم کو جاہ و حشم کو علم و حکم کو رب کرے افزوں ہر پل ہر دم نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند
تُو ہے نقیب اہل سنت تُو ہے نشانِ راہ شریعت تیری حقیقت سمجھیں کیا ہم نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند
آلِ رسولِ پاک کی برکت پائیں گے ہم ارباب عقیدت مٹ جائے گا دل سے ہر غم نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند
جشنِ شرح بخاری کا یہ نورانی ماحول تو دیکھو مل گیا صدقۂ نور مجسم نائبِ مفتیِ اعظمِ ہند

اعلحضرت۔ صدر شریعت مفتی اعظم، حافظ ملت　　تو ان سب کے وصف کا سنگم نائب مفتی اعظم ہند

تیری علمی شان جلالت فقہی بصیرت۔ درسی مہارت　　لہراتی ہے ہر سو پرچم نائب مفتی اعظم ہند

تیری شفقت۔ تیری محبت۔ چھوٹوں پہ یوں لطف و عنایت　　جیسے گلوں پر قطرۂ شبنم نائب مفتی اعظم ہند

وقت کے سارے علما فقہا اہلِ حکمت۔ اہل تقویٰ　　کرتے ہیں تجھ کو خود پہ مقدم نائب مفتی اعظم ہند

تیری ہر تصنیف کا دفتر تیری ہر تحقیق کا جوہر　　کرگیا قیمت لعل و گہر کم نائب مفتی اعظم ہند

دیکھ کے تیری زہدت قاری دل پر ہے اک کیف ساطاری　　ہے یہ روح کے زخم کا مرہم نائب مفتی اعظم ہند

شرح بخاری کے صدقے میں تجھ پہ خدا کے فضل و کرم سے　　ہوگی نگاہِ رحمت عالم نائب مفتی اعظم ہند

ہم ہیں دعاگو رب العزت بخشے عمر میں تیری برکت　　فیض رہے ترا جاری ہر دم نائب مفتی اعظم ہند

ہے یہ شکیل اک زندہ حقیقت مانتے ہیں سب اہل بصیرت
تجھ میں ہے شانِ مفتی اعظم نائب مفتی اعظم ہند

باسمہٖ تعالیٰ

مولانا الحاج ڈاکٹر شکیل اعظمی، گھوسی ضلع مئو
رکن مجلس شوریٰ الجامعة الاشرفیه

نقطہ نقطہ کر رہا ہے مشکباری واہ واہ

روح پرور کتنی ہے، شرحِ بخاری واہ واہ — دیکھ کر اک کیف سا ہوتا ہے طاری واہ واہ
کھل اٹھے ہیں پھول علم وفن کے ہر ہر صفحے پر — نقطہ نقطہ کر رہا ہے مشکباری واہ واہ
نزہت قاری کی ہر تحقیق، ہر تشریح پر — دل کی گہرائی سے کہہ اٹھتے ہیں قاری واہ واہ
مسلکِ حنفی کے مستحکم دلائل دیکھ کر — بڑھ گئی ہے نجدیوں کی بے قراری واہ واہ
نزہتِ قاری کے استدلال کی شمشیر نے — اہلِ باطل پر لگائی ضربِ کاری واہ واہ
کیوں نہ آنکھوں سے لگائیں عاشقانِ مصطفیٰ — نزہت القاری ہے ان کو جاں سے پیاری واہ واہ

اس گلِ خوبی کا فیضانِ کرم ہے اے شکیل
چل رہی ہے علم کی بادِ بہاری واہ واہ

باسمہٖ تعالیٰ

مولانا الحاج ڈاکٹر شکیل اعظمی، گھوسی ضلع مئو
رکن مجلس شوریٰ الجامعۃ الاشرفیہ

مدحیہ قطعات

①

جشنِ تکمیل شرحِ بخاری ہے یہ حق میں شارح کے انعامِ باری ہے یہ
ہم بھی شامل ہیں اس محفلِ پاک میں مرحبا خوش نصیبی ہماری ہے یہ

②

نزہت القاری نشاط و کیف کا سامان ہے جان و دل اس کے حسیں اسلوب پر قربان ہے
ہے حدیثِ پاک کی یہ شرحِ دل آرا شکیل اس کی قدر و منزلت ایمان کی پہچان ہے

③

زندہ باد اے کاروانِ سنّیت کے پاسباں زندہ باد اے علمِ دینِ مصطفیٰ کے نکتہ داں
زندہ باد اے مسلکِ احمد رضا کے ترجماں زندہ باد اے مفتیِٔ اعظم کے فن کے راز داں

④

نزہت القاری ہے تیرے فکر و فن کا آئینہ حسنِ تفہیمات و اسلوبِ سخن کا آئینہ
اس میں تشریحاتِ فرمانِ رسالت کے ہیں پھول ہے یہ الفاظ و معانی کے چمن کا آئینہ

⑤

تیری ہر تصنیف علم و فن کا اک شہکار ہے تیرے کاغذ کی سیاہی مطلعِ انوار ہے
ان مسائل کو کیا ہے تو نے آسانی سے حل جن مسائل کی وضاحت واقعی دشوار ہے

⑥

اب پڑھا لینا بخاری کا بہت آسان ہے درسگاہوں پر ترا کتنا بڑا احسان ہے
لکھی ہے شرحِ بخاری تو نے اس انداز سے دیکھ کر علماء کا طبقہ بھی جسے حیران ہے

تعلیم وتربیت

متحدہ ہندوستان کے لئے فقیہ اسلام شیخ الاسلام والمسلمین امام اہل سنت مولانا الشاہ احمد رضا حنفی، قادری، برکاتی، بریلوی قدس سرہ کے مقرر کردہ قاضی شرع صدر الشریعہ، بدر الطریقہ، ابو العلا مولانا محمد امجد علی اعظمی قدس سرہ کا وطن مالوف قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ اپنی سعادت وارجمندی کے باب میں اس اعتبار سے مزید قابل افتخار ہے کہ خانوادۂ صدر الشریعہ کی ہی ایک شاخ میں شارح بخاری، نائب مفتی اعظم ہند حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی مد ظلہ العالی کا ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء میں تولد ہوا۔ جو آج ہندوپاک کے علما وفقہاء اسلام کے درمیان ممتاز اور نمایاں ترین حیثیت و اہمیت کے حامل ہیں۔

صدر الشریعہ اور شارح بخاری دونوں کا شجرہ نسب آگے چل کر اپنی اصل کے ساتھ اس طرح باہم منسلک اور پیوست ہو جاتا ہے۔

صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی ابن حکیم جمال الدین بن مولوی خدا بخش بن مولانا خیر الدین---شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی بن عبد الصمد بن ثناء اللہ بن لعل محمد بن مولانا خیر الدین---- مولانا خیر الدین کی اولاد واحفاد بالخصوص صدر الشریعہ وشارح بخاری کے ذریعہ دین ومذہب اور علم وفضل کے متعدد شعبوں بالخصوص تدریس وافتاء کے میدان میں رب تبارک وتعالیٰ نے ہندوپاک کو خیر کثیر سے نوازا۔

محلہ باغیچہ قصبہ گھوسی کے مقامی مکتب میں شارح بخاری نے ناظرہ وقرآن

شریف کی تعلیم حاصل کی۔ اور صدر الشریعہ کے منجھلے بھائی حکیم احمد علی سے گلستاں، بوستاں پڑھا۔ شوق و دلچسپی کے ساتھ یہ ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اور آگے کی باضابطہ عربی تعلیم سے اپنے آپ کو مزین کرنے کی تمنا اور لگن نے آپ کے عزم وارادہ کو مہمیز لگا کر کسی ایسی درس گاہ کی تلاش میں آپ کو سرگرداں رکھا جہاں پہونچ کر زیادہ سے زیادہ اونچی تعلیم حاصل کی جاسکے۔

۱۳۵۲ھ میں ضلع اعظم گڑھ اور اطراف وجوانب میں نسیم سحر کی طرح جیسے ہی یہ خوش خبری پھیلی کہ صدر الشریعہ اپنے عزیز ترین شاگرد مولانا حافظ عبد العزیز مراد آبادی (جلالۃ العلم حافظ ملت بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور) کو اس نیت سے مبارکپور بھیج چکے ہیں کہ وہاں پہونچ کر وہ اہل سنت کے مدرسہ کو فروغ دیں اور پوربی علاقہ میں بد عقیدگی وبد مذہبیت کے بڑھتے ہوئے اثرات کا ازالہ اور فتنوں کا سدباب کریں۔

یہ خوش خبری سنتے ہی صدر الشریعہ کی سرپرستی وہم رکابی میں شارح بخاری دس شوال ۱۳۵۳ھ مطابق ۱۹۳۴ء مبارکپور پہونچ گئے۔ جہاں مدرسہ لطیفیہ مصباح العلوم، محلہ پرانی بستی میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ شروع ہوا۔

استاذ گرامی مولانا الشاہ عبد العزیز مراد آبادی کی شبانہ روز کاوش ومحنت اتنی جلد بارآور ہوئی کہ تشنگان علوم نبوت اس دور کے لحاظ سے ایک بڑی تعداد میں ۱۳۵۲ھ میں ہی مبارکپور پہونچ گئے جن کے لئے اس مدرسہ کی وسعت اور عمارت ہر طرح ناکافی ثابت ہوئی۔ ایک سال بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ گولہ بازار مبارکپور میں اس سے زیادہ وسیع وکشادہ زمین حاصل کر کے ایک بڑے مدرسہ کا شوال ۱۳۵۳ھ میں سنگ بنیاد رکھا گیا۔ عوام اہل سنت کے تعاون سے اس کی پرشکوہ عمارت اہل سنت کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز بن گئی۔ اور اس کا نام رکھا گیا "دار العلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم" -- مبارک پور۔ یہیں شارح بخاری نے ابتدائی عربی سے لے کر صدرا و حمد اللہ وہدایہ و ترمذی شریف تک پڑھا۔ اور ابو الفیض مولانا الشاہ عبد العزیز مراد آبادی کے فیضان علم

سے آپ کا سینہ موجزن ہونے لگا۔

محرم الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں سات آٹھ ماہ کے لئے مدرسہ اسلامیہ عربیہ اندر کوٹ میرٹھ کے بھی آپ طالب علم رہے۔ یہاں آپ نے صدر العلما حضرت مولانا سید غلام جیلانی علی گڑھی ثم میرٹھی سے حاشیہ عبد الغفور و شمس بازغہ وغیرہ اور خیر الاذکیاء حضرت مولانا غلام یزدانی اعظمی سے "خیالی و قاضی مبارک" وغیرہ کا درس لیا۔

شوال المکرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۹۴۲ء میں آپ مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی، بریلی شریف پہونچے اور وہاں آپ نے ابو الفضل مولانا سردار احمد گورداس پوری (محدث اعظم پاکستان) سے صحاح ستہ حرفا حرفا پڑھ کر دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ اور ۱۵؍ شعبان ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء میں درس نظامی سے آپ کی فراغت ہوئی۔ صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی، صدر الافاضل مولانا الشاہ نعیم الدین مراد آبادی، مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا قادری، برکاتی، نوری و دیگر جلیل القدر علماو مشائخ اہل سنت نے آپ کے سر پر دستار فضیلت باندھی اور جبہ سے نوازا۔ اسی مبارک و مسعود موقعہ پر مفتی اعظم نے مدرسہ کی سند عام کے علاوہ اپنی سند خاص سے بھی آپ کو سرفراز فرمایا۔

اساتذہ میں جن حضرات کی تعلیم و تربیت کا آپ کی زندگی پر گہرا اثر ہے ان میں حافظ ملت ابو الفیض مولانا الشاہ عبد العزیز صاحب قبلہ مراد آباد بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور اور محدث اعظم پاکستان ابو الفضل مولانا سردار احمد قادری رضوی سر فہرست ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ حافظ ملت سے آپ نے سب سے زیادہ فیض پایا۔ اسی لئے حافظ ملت سے آپ کو غایت درجہ قلبی الفت و محبت اور عقیدت ہے اور آپ کے آباد کردہ شہرستان فضل و کمال "الجامعۃ الاشرفیہ" مبارکپور کے ناظم تعلیمات و صدر مفتی کی مسند اعزاز پر بیٹھ کر صرف طلبہ و اساتذہ اشرفیہ نہیں بلکہ مسلمانان عالم کی بھی

دینی وعلمی رہنمائی فرمارہے ہیں بقدر ظرف سائل وتشنہ لب سب کو آج بھی حافظ ملت کا فیض بانٹ رہے ہیں۔ اور دعا ہے کہ

تا حشر رہے ساقی آباد یہ مے خانہ

اساتذۂ کرام

مدارس اہل سنت میں تقریباً بارہ سال تک شارح بخاری نے باضابطہ تعلیم حاصل کی۔ منقولات و معقولات کی سبھی مروجہ کتابیں اپنے اساتذہ سے پڑھیں۔ اور تکمیل علوم وفنون کے بعد بھی اساتذہ واکابر سے استفادہ واستفاضہ کا سلسلہ برابر جاری رکھا۔ اساتذہ کرام کی فہرست میں یہ اسمائے گرامی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

۱۔ صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی اعظمی مصنف بہار شریعت، خلیفہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی، سابق صدر المدرسین دار العلوم معینیہ عثمانیہ، درگاہ معلیٰ۔ اجمیر مقدس۔

۲۔ مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا قادری، خلف اصغر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی۔

۳۔ حافظ ملت مولانا الشاہ عبد العزیز مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارکپور

۴۔ محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قادری رضوی گورداس پوری ثم لائل پوری۔

۵۔ صدر العلما مولانا سید غلام جیلانی علی گڑھی ثم میرٹھی سابق صدر المدرسین مدرسہ اسلامیہ عربیہ، میرٹھ۔

۶۔ خیر الاذکیاء مولانا غلام یزدانی اعظمی، سابق صدر المدرسین مدرسہ مظہر اسلام، مسجد بی بی جی، بریلی شریف۔

۷۔ شیخ المعقولات مولانا محمد سلیمان بھاگل پوری، سابق شیخ الحدیث جامعہ حمیدیہ

رضویہ، مدن پورہ، بنارس۔

۸۔ مولانا غلام محی الدین بلیاوی۔

۹۔ مولانا شمس الحق گجہڑوی مبارکپوری

مذکورہ علما واساتذہ کرام سے مختلف مقامات پر مختلف اوقات میں شارح بخاری نے درس لیا۔ استفادہ کیا، ان کے دامن فضل وکمال سے خوشہ چینی کی، اور اپنے آپ کو زیور علم سے آراستہ کیا۔ ان مربیوں او محسنوں میں سے کوئی بھی آج بظاہر ہمارے درمیان موجود نہیں۔ مگر ان کی جلائی ہوئی شمع روشن ہے۔ اور ان کا لگایا ہوا پودا شجر ثمر دار وسایہ دار ہے۔

فنور الله مرقدهم و جعل الجنة مثواهم و رحمهم رحمة واسعة

تدریسی خدمات

تبحر اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کرنے کے بعد تقریبا پینتیس سال تک شارح بخاری نے عرق ریزی وجاں سوزی اور کمال مہارت کے ساتھ درس وتدریس کی خدمت انجام دی۔ منقولات ومعقولات کی جملہ منتہی کتابوں کو بار بار پڑھایا۔ ذہین ترین طلبہ کے اعتراضات واشکالات دفع کرکے انہیں علمی وفنی طور پر ہر پہلو سے مطمئن رکھا۔ دقائق وغوامض کو پانی پانی کیا۔ تہ نشین اسرار ورموز کو واشگاف کیا۔ اور صرف کتاب نہیں بلکہ فن کتاب ومسائل ومباحث فن سمجھنے سمجھانے کا طلبہ کے اندر ذوق پیدا کیا۔

مدرسہ بحر العلوم مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ۔ مدرسہ شمس العلوم گھوسی ضلع اعظم گڑھ -- مدرسہ خیر الاسلام چکلہ، پلاموں بہار -- مدرسہ حنفیہ، مالے گاؤں، مہاراشٹر -- مدرسہ فضل رحمانیہ، پچپڑوا، گونڈہ -- مدرسہ عین العلوم، گیوال بیگہ،

گیا، بہار-- جامعہ عربیہ انوار القرآن، بلرام پور ضلع گونڈہ-- دار العلوم ندائے حق جلال پور ضلع فیض آباد--دار العلوم، مظہر اسلام، مسجد بی بی جی، بریلی شریف کی درس گاہوں کو آپ نے زینت بخشی۔اوران کی مسند تدریس پر جلوہ افروز ہو کر آپ نے حکمت ودانش کے آبدار گوہر لٹائے۔

جن خوش بخت طلبہ اور آج کے معروف علمانے آپ کے سامنے زانوئے ادب تہ کر کے آپ سے شعور وآگہی کی دولت حاصل کی ان میں سے چند حضرات کے نام یہ ہیں۔

خواجہ مظفر حسین رضوی پورنوی، مولانا مجیب اشرف اعظمی ثم ناگپوری، قاضی عبد الرحیم بستوی بریلی شریف، مولانا رحمت حسین کلیمی (بائسی، پورنیہ)، مولانا عزیز الحسن اعظمی، مولانا قمر الدین اشرفی اعظمی، مولانا حفیظ اللہ اعظمی، مولانا سلطان احمد اوروی، مولانا امام الدین مصطفوی، مفتی شفیق احمد شریفی (الہ آباد)، حاجی شفیق احمد عزیزی اعظمی، مولانا افضال احمد (گونڈہ)، مولانا محمد عمر بہرائچی، مولانا غلام ربانی فائق القادری، مولانا محمد کوثر خاں نعیمی (جہانگیر گنج)، مولانا رحمت اللہ بلرامپوری، مولانا عبد الودود فقیہ (رائے بریلی)، مولانا قاری شفیق احمد (پیچپڑوا) مولانا صوفی فضل الرحمٰن پیچپڑوا، مولانا طیش محمد شریفی، دھول پور، مولانا ولی اللہ صاحب شریفی ممبئی، مولانا شمیم الزماں ہوڑہ مولانا کمال احمد نانپارہ، مولانا عرش محمد (ضیاء العلوم اوری) وغیرہم۔

اور اساتذہ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور مفتی محمد نظام الدین رضوی، مولانا حافظ عبد الحق رضوی، مفتی معراج احمد، مولانا بدر عالم، مولانا محمد نسیم مصباحی آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔

ارکان المجمع الاسلامی مبارکپور مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری، مولانا عبد المبین نعمانی، مولانا بدر القادری اور راقم سطور لیسؔ اختر مصباحی نے

سیکڑوں بار سیکڑوں مباحث و مسائل میں آپ سے استفادہ کیا ہے۔ اور برسہا برس سے اب تک اکتساب فیض کا یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس اعتبار سے مذکورہ ارکان بھی آپ کے تلامذہ کی صف میں شمار کئے جاتے ہیں جو نہ صرف یہ کہ صحیح ہے بلکہ ہم سب کے لئے باعث فخر بھی ہے۔

فقہ وافتا

بریلی شریف کی ایک مبارک تقریب میں بموجودگی صدر الافاضل مولانا السید الشاہ نعیم الدین مراد آبادی و مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا قادری و مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی و ملک العلما مولانا ظفر الدین قادری بہاری بتاریخ ۲۹؍ جمادی الآخرہ ۱۳۶۲ھ مطابق مئی ۱۹۴۳ء صدر الشریعہ سے شارح بخاری نے بخاری شریف کا درس لیا۔ اور شعبان ۱۳۶۶ھ مطابق ۱۹۴۷ء سے شوال ۱۳۶۷ھ مطابق اگست ۱۹۴۸ء تک اپنے قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ میں صدر الشریعہ سے فقہی استفادہ و فتویٰ نویسی کی مشق کی۔ اس مسلسل چودہ ماہ میں شارح بخاری کبھی صدر الشریعہ کو ڈاک سنا کر ان کے جوابات لکھتے، کبھی مشکل مسائل کا حل پوچھتے، کبھی فتاوی امجدیہ (از صدر الشریعہ) پڑھ کر سناتے، کبھی اپنے لکھے ہوئے فتاوی کی اصلاح لیتے اور کبھی خود صدر الشریعہ آپ کو بعض مسائل دے کر ان کا جواب لکھنے کا حکم دیتے۔

دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف کے زمانہ تدریس از شوال ۱۳۷۵ھ مطابق جون ۱۹۵۶ء تا ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۹۶۷ء گیارہ سال دو ماہ تین دن کی طویل مدت میں شارح بخاری نے مفتی اعظم ہند سے ہزاروں بار ہزاروں مسائل میں استفادہ کیا۔ دس سال تک مفتی اعظم نے از راہ کرم و نوازش خود اپنے کاشانہ مبارکہ پر آپ کے قیام و طعام کا خصوصی انتظام رکھا جس کی وجہ سے آپ کو تقرب، موقعہ، سہولت ہر چیز حاصل تھی۔ دینی و علمی و فقہی جو بات سمجھنی ہوئی سمجھ لی۔ جو مسئلہ پوچھنا ہوا پوچھ لیا۔

جس فتویٰ کو جب سنانا ہوا، سنادیا۔ اور جو اصلاح لینی ہوئی لے لی۔ خود شارح بخاری فرماتے ہیں کہ

اصلاح کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ میرے لکھے ہوئے کو کاٹ دیا اور اپنا جملہ لکھ دیا۔ بلکہ فرماتے! آپ نے جو لکھا ہے اس میں یہ خرابی ہے۔ اس میں یوں ہونا چاہئے۔ یہ سلسلہ رات کے دو دو بجے تک چلتا۔ دیر تک سوال وجواب کا بھی سلسلہ رہتا۔ کبھی جب یہ سلسلہ دراز ہوتا تو بڑی شفقت و محبت سے فرماتے۔ "میں پڑھ چکا ہوں، مجھے پڑھایئے نہیں۔"

فقہ وافتا میں صدر الشریعہ و مفتی اعظم کو تلامذہ و خلفا امام احمد رضا قدس سرہ میں امتیازی شان حاصل ہے۔ بلکہ ان دونوں حضرات کو امام احمد رضا نے ہندوستان کا قاضی و مفتی مقرر کیا تھا۔ جس سے قضاوافتا میں ان کی جامعیت و تفوق کی واضح نشاندہی ہوتی ہے۔ ایسے دو عظیم ترین فقہا و مفتیان کرام کے فیض یافتہ و نظر کردہ و پروردہ اور پھر شارح بخاری معتمد مفتی کی فقہی و فنی حیثیت روز روشن کی طرح نمایاں ہے۔

یہ بھی ایک تاریخی حسن اتفاق ہے کہ فقیہ اسلام امام احمد رضا نے سب سے پہلا مسئلہ رضاعت کا تحریر فرمایا۔ مفتی اعظم کی خدمت میں بھی پہلا مسئلہ رضاعت ہی کا پیش ہوا جس کا آپ نے جواب دیا اور ان کے پوتا شاگرد نائب مفتی اعظم (شارح بخاری) نے بھی پہلا مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا۔

تقریباً پچیس ہزار فتاوی شارح بخاری نے بریلی شریف میں تحریر فرمائے۔ اور زبانی طور پر بھی عوام وخواص کو ہزاروں مسائل سے روشناس کیا۔ ان کے شبہات کا ازالہ کیا۔ اور یہ سلسلہ ان سبھی مدارس اہل سنت کے زمانہ تدریس میں جاری رہا۔ جہاں جہاں آپ مختلف اوقات میں پہنچتے رہے۔ لیکن ذوالحجہ ۱۳۹۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۶ء سے الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں تشریف لانے کے بعد صرف افتا کی خدمت آپ کے سپرد ہے۔ کئی معاون مفتی آپ کی سرپرستی ونگرانی میں آپ کے شعبۂ افتا میں ہیں اور صدر

شعبہ افتا کی حیثیت سے آپ فتاوی کی اصلاح و تصدیق فرما رہے ہیں۔ اور خود بھی فتاوی املا کرا رہے ہیں۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کی تعلیمی مرکزیت اور ملک و بیرون ملک میں اس کے بڑھتے اور پھیلتے ہوئے اثرات و تعلقات کی وجہ سے آنے والے سوالات اور پھر فقہ وافتا میں شارح بخاری کے نائب مفتی اعظم ہند ہونے کے سبب شعبہ افتا اور شارح بخاری کی ذات دور حاضر میں بے مثال مرجعیت کی حامل ہے۔ جدید مسائل کے حل کے لئے قائم ہونے والی مجلس شرعی کے سرپرست شارح بخاری ہی ہیں۔ اس وقت پورے ملک میں بریلی شریف کے بعد مبارکپور کے فتاوی کو سب سے زیادہ اعتماد و اعتبار اور وقار حاصل ہے۔

شارح بخاری کے فتاوی حسب ضرورت مفصلا یا مجملا آیات و احادیث و ارشادات و اقوال صحابہ و تابعین و مجتہدین سے مزین ہوتے ہیں۔ جابجا معتمد کتب فقہیہ کے حوالوں سے مسائل شرعیہ محقق و منقح ہوتے ہیں۔ سائل و مستفتی کے معیار اور اس کے تیور پر ہر فتوی اور ہر جواب میں گہری نظر ہوتی ہے۔ مصالح شرعیہ ہر لحہ سامنے ہوتے ہیں۔ کہیں محاکمہ ہوتا ہے۔ کہیں تطبیق ہوتی ہے۔ کہیں دفع دخل مقدر ہوتا ہے۔ کہیں تنبیہ و ہدایت ہوتی ہے۔ اور سطر سطر میں آداب رسم مفتی کی رعایت بھی ہوتی ہے۔

انہیں خصوصیات و امتیازات اور فقہ وافتا میں نصف صدی کی مشق و ممارست، و تجربہ و مہارت، و نظر دقیق و فکر عمیق، و نیابت مفتی اعظم ہند نے پندرہویں صدی ہجری کے ربع اول اور بیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں شارح بخاری کو "مرجع الفتاوی" کے منصب رفیع پر فائز کر دیا ہے۔

ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاق کے سلسلے میں مذہب حنفی کی تائید میں شارح بخاری کا ایک فتوی دیکھ کر مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری

تلمیذ صدر الشریعہ نے اظہار مسرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ دلائل قاہرہ کے ساتھ جس طرح آپ نے مذہب حنفی کو مدلل و مبرہن کیا ہے اور غیر مقلدین کی بخیہ گری کی ہے اسے پڑھ کر مجھے اپنے بوڑھے ہونے کا غم غلط ہو گیا۔

ضلع بستی کے ایک جلسہ عام میں سید العلما مولانا سید شاہ آل مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی نے فرمایا اعلیٰ حضرت نے صدر الشریعہ کے بارے میں فرمایا تھا کہ موجودین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی میں زیادہ پایئے گا۔ اور میں کہتا ہوں کہ موجودہ دور میں تفقہ جس کا نام ہے وہ چند اکابر کو چھوڑ کر مفتی شریف الحق امجدی میں زیادہ پاؤ گے۔

احسن العلما سید شاہ حسن حیدر میاں قادری برکاتی مارہروی فرمایا کرتے تھے۔ انسان کے لئے لازم ہے کہ جس طرح چھان بین کے بعد اپنے معالج کا انتخاب کرتا ہے اسی طرح غور و فکر اور تحقیق کے بعد کسی کو اپنا مفتی بنائے۔ مفتی اعظم ہند کے بعد بہت سوچ سمجھ کر ہم نے نائب مفتی اعظم مفتی محمد شریف الحق امجدی کو اپنا مفتی بنایا ہے۔ یہ برکاتی مفتی ہیں۔

تحریر و تصنیف

تدریس وافتا کی گراں بار ذمہ داریوں کے ساتھ شارح بخاری نے قرطاس و قلم کا بھی حق ادا کیا۔ ان کی تحریر و تصنیف نصف صدی پر محیط ہے۔ ابتداء ہی سے آپ نے وقیع مضامین و مقالات لکھے اور آپ کے سیال قلم نے جس وادی کا رخ کیا اسے سیراب کیا۔ جس میدان کی طرف آپ کا رہوار قلم چلا اسے اشہب فکر و نظر کی مدد سے پامال کرتا گیا۔ جس حق کو چاہا اس کا چہرہ نکھار کر روشن کر دیا۔ اور جس باطل پر کمند ڈالی اسے کھینچ کر اپنے پاؤں سے روند ڈالا۔ گویا کہ کلک امجدی میں کلک رضا کی حمایت حق و استیصال باطل کی جلوہ آرائی و کارفرمائی ہے۔ سطوت و صولت کا غلغلہ و ہمہمہ ہے۔ اور فیضان و

توفیق کا عکس جمیل ہے۔

مختلف دینی و علمی موضوعات پر آپ کی قیمتی اور جامع تحریریں دبدبہ سکندری رامپور، نوری کرن بریلی شریف، پاسبان الہ آباد، جام کوثر کلکتہ، استقامت کانپور، اشرفیہ مبارکپور، رفاقت پٹنہ، حجاز جدید دلی، وغیرہ میں چھپ کر عوام و خواص کے درمیان مقبول ہوتی رہیں۔ ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، میں التزام و تسلسل کے ساتھ آپ کے منتخب فتاوی چھپ رہے ہیں۔ مختلف مدارس اہل سنت کے زمانہ تدریس میں منتشر طور پر مختلف موضوعات پر کتب و مضامین لکھنے کا عمل جاری رہا۔ لیکن اشرفیہ مبارکپور آنے کے بعد میری اور مولانا افتخار احمد قادری کی درخواست اور اصرار پر آپ نے بخاری شریف کا ترجمہ و شرح لکھنے کا بیڑہ اٹھایا اور اب بفضلہٖ تعالیٰ یہ عظیم اور تاریخی کارنامہ پایہ تکمیل تک پہونچ چکا ہے۔

آپ کے مطبوعہ مضامین یکجا کر کے مقالات شارح بخاری کے نام سے کچھ ہی دنوں میں منظر عام پر لائے جانے کی تیاری ہے۔ تقریباً ایک ہزار صفحات پر یہ مضامین و مقالات مشتمل ہیں۔ مذہب، تاریخ، سوانح، وغیرہ سے متعلق اس مجموعہ مقالات میں ہمہ جہت تحقیق و تنقید کی رنگا رنگی ہے۔

شارح بخاری کی چھوٹی بڑی مطبوعہ کتابوں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ نزہۃ القاری شرح صحیح بخاری----

۲۔ اشرف السیر----

۳۔ اسلام اور چاند کا سفر-----

۴۔ السراج الکامل-----

۵۔ اشک رواں-----

۶۔ تحقیقات-----(دو حصے)

۷۔ اثبات ایصال ثواب-----

۸۔ سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ

۹۔ مقالات امجدی

۱۰۔ روداد مناظرہ-----(حواشی)

۱۱۔ اذان خطبہ (افادات)

۱۲۔ تنقید بر محل (افادات)

۱۳۔ فتنوں کی سرزمین نجد یا عراق؟

۱۴۔ مفتی اعظم اپنے فضل و کمال کے آئینے میں۔

۱۵۔ حواشی فتاوی امجدیہ (اول و دوم)

۱۶۔ فتاویٰ اشرفیہ (زیر ترتیب)

تقریر و تبلیغ

تقریر و خطابت کی سرعت تاثیر ہر عہد، ہر خطہ، ہر قوم اور ہر زبان کے مسلمات میں سے ہے اور کاروبار عالم کی اصلاحی قوت میں زبان کی قوت کا بہت بڑا حصہ رہا ہے۔ اسی لئے عہد قدیم سے عصر جدید تک کی بیشتر شخصیتیں رزم گاہ حق و باطل اور معرکہ خیر و شر میں زبان کے تیر و کمان اور شمشیر و سنان کو صیقل کر کے اس سے مسلح ہو کر حریف و مد مقابل کو حکمت و موعظت حسنہ کے ساتھ قبول حق کی دعوت اور انکار و عناد کی صورت میں انہیں مبارزت کی دعوت بھی دیتے رہے ہیں۔

شارح بخاری کی زبان زیادہ چلتی ہے یا قلم زیادہ رواں ہے یا فکر زیادہ مواج ہے اس کا تجزیہ و مشاہدہ کرنا ہو تو ان کی کوئی تحریر پڑھ لیجئے اور کوئی تقریر سن لیجئے پھر آپ کو ایسا محسوس ہو گا کہ زبان و قلم اور فکر و مطالعہ میں سے ہر ایک چیز اس طرح متلاطم ہے کہ جیسے کوئی مرد میداں گوے سبقت لے جانے کے لئے اپنی تمام تر توانائی صرف کر رہا ہے۔ لیکن یہاں ذکر ہے قوت و لذت تقریر کا جس کی جان زبان ہے اور اللہ تبارک و

تعالیٰ نے شارح بخاری کی زبان میں جو تاثیر رکھی ہے اور آپ کی زبان میں جو کاٹ اور گھن گرج ہے اس سے پورا ملک واقف ہے۔

بحیثیت مقرر مدت دراز سے آپ ملک کے بے شمار شہروں کا دورہ کر چکے ہیں۔ مفتی اعظم کی معیت ور فاقت میں بھی سیکڑوں بار آپ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جاکر تقریر و تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ لاکھوں افراد آپ کی تقریر سے متاثر اور بہت سے لوگ معاصی و منکرات سے تائب ہوئے ہیں۔

یہ تقریریں تبلیغ و اشاعت دین و احقاق حق و ابطال باطل کی نیت سے ہوتی ہیں۔ اس لئے ان میں اخلاص بھی ہے، سادگی بھی ہے، درد بھی ہے، بے خوفی بھی ہے، توانائی بھی ہے، معانی و مفاہیم کی کثرت بھی ہے، اپنوں کے دل کی ٹھنڈک بھی ہے، منکرین کے لئے تلوار اور نیزہ کی مار بھی ہے، بزرگوں کا ذکر بھی ہے، علم کی فراوانی بھی ہے، عشق کا سوز و ساز بھی ہے، اور حق کی آواز بھی ہے۔

جس جلسہ میں آپ کی شرکت یا خطابت یا صدارت ہوتی ہے اسے پیشگی کامیابی کی ضمانت مل جاتی ہے۔ علاقہ کے ہزارہا افراد آپ کی زیارت و ملاقات کے مشتاق و متمنی ہوتے ہیں، سامعین و حاضرین کا ہجوم امنڈ آتا ہے، اور جب آپ کی پر مغز تقاریر اور کلمات نصیحت سن کر لوگ واپس ہونے لگتے ہیں تو مفید تعلیمات و ہدایات کی سوغات اور مسلک اہل سنت و جماعت کی حقانیت کے یقین و اذعان سے ان کا دامن اور ان کا سینہ معمور ہوتا ہے۔

زمانہ طالب علمی ہی میں بزبان عربی ایک تقریر اشرفیہ مبارکپور کے جلسہ دستار بندی میں سن کر صدر الشریعہ نے از راہ شفقت و حوصلہ افزائی آپ کو دو روپے بطور انعام عنایت فرمائے تھے۔ اور قیام گاہ پر آکر آپ کی تعریف کی۔ حافظ ملت نے عرض کیا حضور! اس نے موضوع بھی خود ہی منتخب کیا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: یہ تمہارا نام روشن کرے گا۔ حافظ ملت، حضرت مولانا محمد سلیمان بھاگل پور، مولانا شمس الحق

کچھ دی، امین گرہست رئیس مبارکپور نے بھی ایک ایک روپیہ انعام دیا تھا۔ محدث اعظم ہند حضرت مولانا سید محمد اشرفی کچھوچھوی سرپرست اشرفیہ مبارکپور بھی رونق جلسہ تھے انہوں نے بھی دعاؤں اور حوصلہ افزا کلمات سے نوازا۔

ردو مناظرہ

ماضی کے اکابر علما اہل سنت میں شیر بیشہ سنت مولانا ہدایت رسول قادری برکاتی رام پوری ثم لکھنوی، مناظر اہل سنت مولانا حشمت علی لکھنوی ثم پیلی بھیتی، مجاہد ملت مولانا محمد حبیب الرحمٰن قادری، اجمل العلما مفتی شاہ محمد اجمل سنبھلی ردو مناظرہ کے مرد میدان تھے۔ انہیں اس موضوع سے خصوصی دلچسپی تھی۔ اور آج دور حاضر میں شارح بخاری وعلامہ ارشد القادری ان شیرانِ اسلام کی یادگار اور ان کے پرچم حق کے علم بردار ہیں۔

شارح بخاری نے بہت سے مناظروں میں شرکت کی ہے۔ اور اپنی ذہانت و حاضر دماغی اور زور علم و وسعت مطالعہ سے منکرین و معاندین اہل سنت کے پرخچے اڑائے ہیں۔ کہیں مناظر اہل سنت کا علمی تعاون کیا ہے۔ کہیں خود مناظرہ کیا ہے، کہیں مناظرہ کی صدارت کی ہے، اور کہیں فریق مخالف کا مناظر سامنے آنے اور محاذ سنبھالنے کی جرأت نہ کر سکا تو آپ نے جشن فتح میں اس کے گمراہ کن مسلک و عقیدہ کی دھجیاں بکھیر کر سنیت کا بول بالا اور اہل سنت کا سر فخر سے اونچا کیا ہے۔

۱۔ رائے پور ضلع لکھیم پور کھیری۔ ۲۔ باندو چترا ضلع پلاموں۔
۳۔ بھمن گاؤں ضلع بستی۔ ۴۔ سیتاپور۔
۵۔ جھریا ضلع دھنباد۔ ۶۔ کٹک، اڑیسہ۔
۷۔ بجرڈیہہ، بنارس۔ ۸۔ سعدی پور ضلع فتح پور۔
۹۔ بدایوں۔ وغیرہ کے مناظروں میں آپ کا سرگرم اور نمایاں کردار تھا۔ باندو

چترا اور سیتاپور میں آپ مناظر اہل سنت اور کٹک میں اہل سنت کی جانب سے صدر مناظرہ تھے۔

کٹک (اڑیسہ) مجاہد ملت کا وطن مالوف ہے۔ وہاں کے مناظرہ میں مجاہد ملت نے اہل سنت کی طرف سے علامہ ارشد القادری کو مناظر اور شارح بخاری کو صدر مناظرہ بنایا۔ اہل سنت اور دیوبندیوں کے درمیان یہ مناظرہ تھا۔ مولوی ارشاد احمد مبلغ دارالعلوم دیوبند اور مولوی طاہر گیاوی قاسمی دیوبندیوں کی طرف سے باری باری مناظر بنے۔ صدر اور مناظر کی حیثیت سے مجاہد ملت کی طرف سے شارح بخاری و علامہ ارشد القادری کا انتخاب فن مناظرہ میں ان دونوں حضرات کی قابل اعتماد لیاقت و اہلیت اور مہارت کی سند ہے۔ مجاہد ملت فن مناظرہ کے اتنے زبردست ماہر اور پختہ کار تھے کہ بریلی شریف میں بتاریخ ۲۰/ محرم الحرام ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۵/ اپریل ۱۹۳۵ء محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد اور مولوی منظور نعمانی سنبھلی کے درمیان ہونے والے مشہور مناظرہ میں اہل سنت کے مشاہیر علما نے آپ کو متفقہ طور پر صدر مناظرہ بنایا تھا۔

منقولات و معقولات میں جس تبحر، اسلامی و عربی علوم پر جس عبور، تاریخ و احوال زمانہ سے جس آگہی، حریف و مد مقابل کی شاطرانہ چالوں سے جس باخبری، اس کی کمزوری پر جس نظر کی ایک جہاں دیدہ اور منجھے ہوئے سنی مناظر کے اندر صفات و خصوصیات ہونی چاہئیں، تحقیقی و الزامی جواب، اور حملہ و دفاع کا بروقت فیصلہ، جس چیز کی ضرورت ہو اس میں استحضار و تیقظ کے جو اوصاف اس کے اندر پائے جانے چاہئیں ان سے شارح بخاری ہر طرح متصف اور مسلح ہیں۔ متعلقہ فنون و امور و معاملات میں آپ کو درک و کمال اور رسوخ حاصل ہے۔ پوری تیاری، گھن گرج اور لاؤ لشکر کے ساتھ وہابی مناظر پر آپ اس طرح شب خون مارتے ہیں کہ وہ اپنی ذریت اور اعوان و انصار کے ساتھ راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اور تحریرا و تقریرا آپ حریف کو، منکر

کو، وہابی کو اس کے گھر تک پہنچانے کے قائل ہی نہیں بلکہ اس پر عامل بھی ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی کے وصایا شریف پر وہابیوں کے بے جا اعتراض کا سلسلہ ایک مدت سے جاری ہے۔ حالانکہ علمائے اہل سنت نے بار بار اس کا مسکت اور شافی و کافی جواب دے دیا ہے۔ جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ کے ایک دیوبندی مولوی نے اپنی شامت اعمال سے شارح بخاری سے وصایا کے بارے میں سوال کرلیا۔ آپ نے اس کا تحقیقی و الزامی جواب دیا۔ اور اسے اس کے گھر تک پہنچاتے ہوئے فرمایا۔

جامعۃ الرشاد کے اس نوکر کو اپنے گھر کی خبر نہیں، قاسم نانوتوی کی روح لکڑی میں اٹکی رہی، دمہ کی کھانسی اٹھتی، ہر وقت کھانستے رہتے جب ذرا افاقہ ہوتا اور بولنے کی قوت ملتی تو فرماتے لکڑی، لکڑی۔ اسی لایموت فیھا و لایحیٰ کے عذاب میں کئی دن تک مبتلا رہے، جب لکھنو سے لکڑی آئی اور اس کی قاشیں حلق سے نیچے گئیں تو روح نکلی۔

حسین احمد ٹانڈوی صاحب کی روح سردہ میں اٹکی رہی، جو ملنے آئے اس سے سردہ کی بھیک مانگتے رہے اور جب کئی دنوں کے بعد سردہ نوش جان فرمایا تو اس طرح مرگئے کہ مرتے وقت نہ کلمہ نصیب ہوا نہ پانی کا ایک قطرہ۔

اللہ والوں کا جب اخیر وقت ہوتا ہے تو غذا سے انہیں تکدر ہوتا ہے۔ اللہ کی یاد ہی ان کی غذا ہوتی ہے۔ مگر دیوبندی بزرگوں کا حال یہ ہے کہ مرتے مرتے نہ اللہ کا نام زبان پر آیا نہ کلمہ آیا۔ آیا تو یہ۔۔ لکڑی لکڑی۔۔ سردہ سردہ۔

کٹک (اڑیسہ) کے مناظرہ میں دیوبندی صدر مناظرہ مولوی اسمٰعیل کٹکی نے مجاہد ملت کی جانب سے شائع شدہ ایک پمفلٹ میں کاتب کی چھوڑی ہوئی ایک غلطی پر واویلا مچایا۔ سورہ ھود کی آیت ۸۸ کے اقتباس: ان ارید الا الاصلاح و ماتوفیقی الا باللہ میں کاتب نے الا الاصلاح کے بعد ما استطعت چھوڑ دیا تھا۔ مولوی اسمٰعیل دیوبندی صدر مناظرہ نے کہا کہ مولوی حبیب الرحمٰن (مجاہد ملت) نے قرآن میں

تحریف کی ہے جس کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے۔ پہلے وہ اپنے کفر سے توبہ کریں اس کے بعد مناظرہ ہو گا۔ شارح بخاری سنی صدر مناظرہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ موضوع مناظرہ متعین ہے اس پر مناظرہ ہے۔ اس کے بعد اس موضوع پر بھی ہمارا تمہارا مناظرہ ہو جائے گا۔ مناظرہ سے جان بچانے کے حیلے بہانے نہ ڈھونڈھیے۔ آئیے اور ضابطہ کے مطابق متعین موضوع مناظرہ پر فریقین کے درمیان مناظرہ کا آغاز کیجئے۔

اس اصولی اور معقول بات کا استہزا کرتے ہوئے دیوبندی صدر نے کہا: واہ صاحب! ایک کافر آپ کے اسٹیج پر بیٹھا رہے اور ہم دوسرے موضوع پر مناظرہ کریں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

شارح بخاری نے پر جلال انداز میں ارشاد فرمایا:

۱۔ آپ کے کہہ دینے سے مجاہد ملت کافر نہیں ہو گئے۔ بلکہ ایک مسلمان کو کافر کہہ کر حدیث رسول کے مطابق آپ خود کافر ہو گئے۔ **فقد باء باحدهما**

۲۔ علما عرب و عجم کے فتویٰ کی رو سے توہین رسالت کرنے والے دیوبندی اور علم و فہم کے باوجود ان کی کفری عبارتوں کی تائید کرنے والے افراد بلاشبہہ کافر ہیں۔ جن کا مجموعہ آپ کا اسٹیج ہے۔ آپ کی منطق کو اپناتے ہوئے اگر میں بھی یہ کہنے لگوں کہ ان سب کو اسٹیج سے بھگا دیجئے تو پھر مناظرہ کس سے ہو گا؟

۳۔ عقائد میں مختلف لوگوں کے درمیان مناظرہ ہوتا ہے۔ اگر سب ایک ہی عقیدہ کے ہوں تو پھر مناظرہ کی ضرورت ہی کیا ہے؟

۴۔ پمفلٹ میں ماا ستطعت مجاہد ملت نے نہیں بلکہ کاتب نے چھوڑا ہے اس لئے مجاہد ملت کو اس کا الزام دینا آپ کا جہل و عناد ہے۔

۵۔ قرآن مجید میں سہوا کچھ چھوٹنا تحریف نہیں۔ اسے تحریف کہنا جہالت ہے۔ علامہ سعد الدین تفتازانی سے مختصر المعانی اور حضرت عبد الرحمٰن جامی سے شرح جامی میں نقل آیت میں خطا صادر ہو جانا کیا تحریف ہے؟ کفر ہے؟ اگر کفر ہے تو یہ دونوں حضرات کافر ہیں یا مسلمان؟ اگر انہیں آپ کافر کہتے ہیں تو

بولے میں آپ کو آپ کے گھر تک پہنچادوں۔ اور نقل آیت میں ان سے خطا کے صدور کے باوجود یہ مسلمان ہیں تو پھر بقول آپ کے تحریف کے بعد ان کا مسلمان ہونا چہ معنی دارد؟ اور جب یہ مسلمان ہیں تو مجاہد ملت کیسے کافر ہو گئے؟

۶ ایضاح الادلہ میں آپ کے شیخ الہند محمود حسن دیو بندی قرآن سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں: فردوہ الی اللہ و الرسول واولو الامر جب کہ قرآن میں یہ آیت کہیں نہیں ہے۔ اب بتائیے تحریف قرآن کر کے آپ کے شیخ الہند اور انہیں اپنا پیشوا بنا کر آپ کافر ہوئے یا نہیں؟

شارح بخاری کے ایرادات قاہرہ سے بوکھلا کر دیو بندی شور و غوغا مچانے لگے۔ دیو بندی صدر مناظرہ نے بھی مداخلت کرتے ہوئے ہرزہ سرائی کی۔ جس کا آپ نے بھر پور جواب دیا۔ پھر فرمایا:

پمفلٹ میں توما استطعت چھوٹا تھا جو کاتب کی غلطی تھی۔ اب یہ دیکھئے کان کھول کر سنئے۔ حدیث کی مشہور کتاب مشکوۃ ص: ۲۱۸ پر ہے۔ اللھم اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ- حالانکہ قرآن میں ربنا اٰتنا ہے۔ حدیث میں رب کو اللھم سے بدل دیا گیا ہے۔ فرمائیے! آپ کے مذہب میں یہ تحریف ہے یا نہیں؟ اور آیئے دیکھئے اسی مشکوۃ کے ص: ۲۱۷ پر یہ دعا ہے۔ اعوذ بکلمٰت اللہ التامۃ من غضبہ و عقابہ و شر عبادہ و من ھمزات الشیطٰن وان یحضرون- حالانکہ قرآن میں یہ ہے رب اعوذبك من ھمزات الشیطٰن و اعوذ بك رب ان یحضرون اور ان یحضرون کے درمیان "اعوذبك رب" ہے جو حدیث میں نہیں ہے۔ کیا اسے تحریف کہنے کی آپ کے اندر جر□ت ہے؟ افسوس آپ کو اقتباس اور نقل کا فرق بھی معلوم نہیں!

طویل مناظرانہ گفتگو کا یہ کچھ خلاصہ ہے۔ اس کے علاوہ جہاں خود شارح

بخاری نے مناظرہ کیا۔یاسنی مناظرین کا علمی تعاون کیا۔اسے سن کر ردومناظرہ میں آپ کے درک وکمال، حاضر دماغی، گرفت اور غلبہ و تسلط کے مناظر نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

بیعت وخلافت

دارالعلوم اہل سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارکپور کے ایک جلسہ منعقدہ ۱۳۵۹ھ میں صدرالشریعہ مبارکپور تشریف لائے۔ شارح بخاری نے آپ سے شرف بیعت حاصل کرنے کی درخواست کی۔ جسے آپ نے قبول فرمایا۔ شارح بخاری کے ساتھ حاجی محمد عمر سابق ناظم دارالعلوم اشرفیہ کے لڑکے مولانا نثاراحمد مبارکپوری بھی بیعت وارادت سے سرفراز ہوئے۔ غالبا یہ دونوں حضرات صدرالشریعہ کے اولین مریدوں میں سے ہیں۔ اور سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ امجدیہ کے وابستگان میں سرفہرست ہیں۔

شارح بخاری کو مفتی اعظم ہند نے بتاریخ ۱۷ر رمضان المبارک ۱۳۸۱ھ "النور و البہاء" ازامام احمد رضا قادری بریلوی میں درج پچیس سلاسل قرآن وحدیث و سلاسل اولیاء اللہ کی تحریری اجازت کے ساتھ سلسلہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی بھی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں شوال ۱۳۸۳ھ میں مفتی اعظم نے ان تمام سلاسل کی بھی اجازت عطا فرمائی جو "الاجازات المتینۃ" از امام احمد رضا بریلوی میں مذکورومسطور ہیں۔

دارالعلوم فیض الرسول براؤں شریف ضلع بستی کے ایک جلسہ کے موقعہ پر شارح بخاری اور حضرت مولانا بدرالدین احمد قادری رضوی (مصنف سوانح اعلیٰ حضرت وفیض الادب وتعمیرادب) کی مشترکہ درخواست پر مفتی اعظم ہند نے حدیث مسلسل بالضیافۃ ومسلسل بالمصافحۃ کے مخصوص طریقہ کی دونوں حضرات کو خصوصی

اجازت دی۔

شارح بخاری کو احسن العلما حضرت سید شاہ حسن حیدر میاں (سابق سجادہ نشیں خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ) نے بھی عرس قاسمی ۱۴۰۹ھ کے موقعہ پر بلا طلب اپنے خاندان کے تمام سلاسل کی اجازت دی اور دستار بندی فرمائی۔

شوال ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں صدر الشریعہ دوسری مرتبہ حج و زیارت کے لئے تشریف لے جارہے تھے تو شاہ گنج ریلوے اسٹیشن ضلع جون پور کے پلیٹ فارم پر الوداعی لمحات میں شارح بخاری نے جب عرض کیا کہ حضور آپ تشریف لے جارہے ہیں تو مجھے کچھ عنایت فرماتے جائیں۔ اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے آپ نے سلسلہ عالیہ قادریہ رضویہ کی اجازت دی۔ اور رضویت و امجدیت کے خزانے سے شارح بخاری کے سینہ کو معمور کردیا۔

مذکورہ تمام اجازتوں کے باوجود شارح بخاری نے بہت کم عقیدت مندوں اور خواہش مندوں کو اپنا مرید بنایا۔ آپ کے خلفا کی تعداد بھی مختصر ہی ہے۔ جن میں سے چند نام یہ ہیں۔

مولانا عبد الحکیم اختر شاہ جہاں پوری (لاہور)، مولانا شفیق احمد شریفی (الہ آباد)، مولانا خلیق احمد اعظمی، مولانا حافظ عبد الحق رضوی (اشرفیہ مبارکپور)، مولانا رجب علی بلرام پوری (بنارس)، مولانا طیش محمد شریفی (دھول پور)، مولانا ولی اللہ شریفی (ممبئی)، حافظ شمیم الزماں فیض آبادی (ہوڑہ)، مولانا محب اللہ شریفی (کرناٹک)، مولوی بشیر احمد قادری (جالون)، صاحبزادہ حافظ حمید الحق (گھوسی)۔ مولانا بدر عالم مصباحی (اشرفیہ مبارکپور)۔ مولانا محمد نسیم مصباحی (اشرفیہ مبارکپور)

شیخ المشائخ حضرت اشرفی میاں کچھوچھوی اور حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا قادری بریلوی علیہما الرحمۃ والرضوان جو اپنے وقت کے اکابر علما و مشائخ اہل سنت میں سے تھے۔ شارح بخاری کو ان کا بھی خصوصی فیضان حاصل تھا۔ آپ کے والدین حضرت

اشرفی میاں علیہ الرحمۃ سے مرید تھے۔ چنانچہ آپ خود تحریر فرماتے ہیں۔:

”ہمارے یہاں کے سارے اہل سنت شیخ المشائخ تاج الاصفیاء حضرت مولانا و سیدنا الشاہ علی حسین، صاحب اشرفی میاں قدس سرہ کے مرید تھے۔ والدین بھی انہیں سے مرید تھے۔ والدین جب بیعت ہوئے تھے تو میں بہت چھوٹا تھا پورے طور سے شعور بھی بیدار نہیں ہوا تھا۔ صرف اتنا یاد ہے کہ اس دن ہمارے گھر بہت اچھے کھانے پکے تھے جن میں سے فیرنی مجھے اب بھی یاد ہے اور اشرفی میاں قدس سرہ اس وقت کیا لباس پہنے ہوئے تھے۔ ان کا کیا حلیہ مبارکہ تھا۔ صرف اتنا یاد ہے کہ چمڑے کا موزہ پہنے ہوئے تھے۔ اس کے بعد حضرت کئی بار گھوسی تشریف لائے۔ ہر بار والد صاحب مجھے ان کی خدمت میں لے آتے دعا کے لئے عرض کرتے۔“

حضرت نے بارہا میرے سر پر ہاتھ پھیرا ہے اور دعائیں دی ہیں۔ ان دعاؤں کی برکتیں میں آج بھی محسوس کرتا ہوں۔ حضرت کے حلیہ جمال کا ہر نقش و نگار میرے دل و دماغ پر ثبت ہے۔ سبحان اللہ وہ نورانی دل کش چہرہ جس پر فردوس کی بہاریں قربان اور کیوں نہ ہوں کہ مجدد اعظم اعلیحضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

اشرفی اے کہ رخت آئینہ حسن مہ خوباں
اے نظر کردہ و پروردۂ سہ محبوباں

جس مجلس میں تشریف رکھتے ایسا معلوم ہوتا۔ ملأ اعلیٰ کا کوئی فرشتہ جلوہ گر ہے، جو دیکھتا ہوش و خرد کھو بیٹھتا۔

ایک بار اجمیر مقدس شاہ جہانی مسجد کے منبر پر تشریف رکھ کر چند دعایہ کلمات ارشاد فرمائے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ مسجد کے سارے حاضرین مرید ہو گئے۔ حضرت کے رومال میں عمامہ باندھا گیا پھر اس عمامہ میں متعدد عمامے باندھے گئے۔ حاضرین، علما، رؤسا، امرا، سبھی تھے۔ اسی موقع پر

حافظ ملت کے تمام رفقائے درس بھی مرید ہوئے تھے۔ خود میرے دل میں حضرت کی بہت محبت اور عظمت تھی۔ جب گھوسی تشریف لاتے اپنا پڑھنا لکھنا چھوڑ کر خدمت میں حاضر رہتا۔ جہاں جاتے پیچھے پیچھے جاتا۔ دوسری طرف حجۃ الاسلام مقتدائے انام حضرت مولانا حامد رضا خاں صاحب کی شخصیت کا ڈنکا بج رہا تھا حضرت حجۃ الاسلام کی حیثیت کچھ کم نہ تھی اس عہد کے علما و مشائخ سر نیاز خم کرتے تھے۔ طلعت زیبا ایسی نورانی اور جاذب تھی کہ بڑوں بڑوں کو غلام بنالیا۔ صرف انھیں کی نورانی صورت دیکھ کر کتنے کفار مسلمان ہوئے۔ جب حضرت حجۃ الاسلام مبارکپور تشریف لائے تھے تو حضرت کے ساتھ میری شیفتگی کا عالم یہ تھا کہ دن بھر خدمت اقدس میں حاضر رہتا کھانا کھانے بھی نہیں جاتا۔ رات کو بھی جب تک حضرت جاگتے رہتے حاضر رہتا۔ (ص ۵۹۔ ۵۸ صدر الشریعہ نمبر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور۔ شمارہ اکتوبر نومبر ۱۹۹۵ء)

حج وزیارت

حج کی سعادت اور حرمین شریفین کی حاضری ہر مسلمان کے دل کی آرزو ہوتی ہے۔ شارح بخاری اب تک کئی بار دیار حرم کی زیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ ذو الحجہ ۱۴۰۵ھ مطابق ستمبر ۱۹۸۵ء میں آپ نے پہلا حج بفضلہٖ تعالیٰ و بکرم حبیبہ الاعلیٰ جناب الحاج ابراہیم احمد برکاتی (بمبئی) کی خصوصی توجہ اور تعاون سے کیا۔ بمبئی سے جدہ کے لئے پرواز کرنے کے لئے جانشین سید العلما سید شاہ آل رسول حسنین میاں برکاتی مارہروی، مولانا خلیل احمد پٹھان ماہم شریف (بمبئی)۔ قاری تراب علی رضوی (منارہ مسجد بمبئی) اور شارح بخاری ایک ہی ہوائی جہاز سے ہم سفر تھے۔ جدہ سے مکہ مکرمہ تک حسنین میاں اور شارح بخاری ایک پرائیویٹ گاڑی سے پہونچے۔ شارح بخاری بیان کرتے ہیں کہ میں ترساں ولرزاں حرم شریف میں نماز فجر کی جماعت کے معا بعد پہونچا

۔وضو کر کے مسجد حرام شریف میں حاضر ہوا۔ کعبہ شریف پر نظر پڑی وفور مسرت میں بے اختیار منھ سے چیخ نکل گئی۔ زاروقطار رونے لگااور دیر تک خود فراموشی کا عالم رہا۔ نو دن مکہ مکرمہ میں قیام کے بعد دسویں دن مدینہ طیبہ کے لئے روانگی اور پھر دربار رسول میں حاضری ہوئی۔ شارح بخاری اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ میں نے نظر اُٹھائی تو سامنے گنبد خضرا اپنی پوری زیبائی وعظمت کے ساتھ جلوہ فگن تھا۔ گنبد خضرا پر نظر پڑتے ہی میں بے خود ہو گیا۔ کچھ دیر تک سکتہ وخاموشی کی کیفیت رہی اور بدن لرزتا رہا۔ جب ہوش آیا تو میں نے دست بستہ صلوۃ وسلام عرض کرنا شروع کیا۔ فرط مسرت میں میری آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ تا رہا۔ میری کیفیت اس وقت ایسی تھی کہ نہ وہاں سے قدم آگے بڑھانے کی جر□ت ہوتی تھی اور نہ پیچھے ہٹانے کو جی چاہتا تھا۔ سعودی عرب کے اخلاقی واجتماعی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے شارح بخاری فرماتے ہیں۔ میں نے حرمین طیبین جاکر یہ محسوس کیا کہ مزارات وآثار کو ہاتھ لگانے اور بوسہ دینے کے سوا نجدیوں کے نزدیک کوئی چیز جرم نہیں۔ داڑھی منڈاؤ، فلم دیکھو، گھروں میں ٹیلی ویژن لگاؤ، اس پر عریاں فحش مخرب اخلاق سین دیکھو، گانے سنو، تصویریں کھنچواؤاور تصویریں بیچو خریدو کوئی چیز جرم نہیں۔ نجدی حکومت کے طرف داروں سے میرا سوال ہے کہ کیا یہ سب چیزیں جائز ہیں قرآن مجید کی جو بے حرمتی میں نے وہاں دیکھی وہ کسی چیز کی نہیں دیکھی۔ شارح بخاری اپنے تاثرات وحالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ مدینہ طیبہ کے دس روزہ قیام میں تقریبا ہر نماز کے بعد سرکار کی بارگاہ میں حاضری دیتا رہا۔ احد شریف، مسجد قبا، مسجد قبلتین، غزوۂ خندق کے میدان میں مساجد خمسہ اور دیگر مساجد مثلا مسجد غمامہ وغیرہ کی بھی زیارت کرتا رہا۔ جنت البقیع شریف بھی روزانہ حاضر ہوتا رہا۔ مدینہ طیبہ کو باچشم نم الوداع کہتے ہوئے دوبارہ مکہ مکرمہ کا رخ ہوا۔ بیر علی اور بدر ہوتے ہوئے مکہ مکرمہ واپسی ہوئی۔ جنت المعلی کی پہلی سفر میں زیارت ہو چکی تھی۔ دوسرے سفر میں حسنین میاں اور قاری تراب علی

کے ساتھ میں نے غار حرا کی زیارت کی۔

ایک روز میں نے خواب میں دیکھا کہ احسن العلما سید شاہ حسن حیدر میاں سجادہ نشیں مارہرہ مطہرہ احرام باندھے ہوئے تشریف لائے اور فرمایا کہ مفتی صاحب آپ حج کے لئے آئے اور مجھ سے نہیں ملے؟ میں نے عرض کیا سرکار! مجھے اس کی خبر ہی نہیں تھی کہ حضور بھی حج کے لئے آئے ہوئے ہیں پھر مسکرا کر فرمایا۔ اچھا چلتے ہیں پھر ملیں گے۔ اس کے بعد ایک موقعہ پر مزدلفہ میں بحالت بیداری دیکھتا ہوں کہ مفتی اعظم ہند احرام باندھے ہوئے قبلہ کی طرف سے چلے آرہے ہیں۔ میں کھڑا ہو کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنا چاہتا تھا مگر قدم اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہاں تک کہ آنے والے بزرگ جب بہت قریب آگئے۔ تو میں نے دیکھا کہ وہ مفتی اعظم نہیں بلکہ کوئی اور بزرگ ہیں۔ میں سخت استعجاب واضطراب میں پڑ گیا۔ اتنے میں وہ بزرگ قریب آکر مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں! اجازت ہو تو آپ کی چادر پر بیٹھ جاؤں۔ میں نے عرض کیا! آپ ضرور تشریف رکھیں یہ تو میرے لئے بڑی سعادت اور اعزاز کی بات ہے۔ تشریف فرما ہونے کے بعد بزرگ نے میرا نام، مشغلہ، اور وطن دریافت کیا۔ میں نے اختصار سے سب کچھ بتادیا۔ پھر جب میں نے اُن کا نام وغیرہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا! نام پوچھ کر کیا کیجئے گا۔ میں سیلانی آدمی ہوں آج یہاں کل وہاں، میرا کوئی ٹھکانا نہیں۔ میں نے دعا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ میں نے عرض کیا حضور میرے لئے دعاے مغفرت فرمائیں۔ تو آپ نے دعا کی۔ اللّٰھم اغفر لاخی ھذا۔ انہوں نے بار بار یہ دعا کی پھر اچانک کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا۔ اچھا اب ہم چل رہے ہیں ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس لئے آگئے۔ جاتے ہوئے السلام علیکم و رحمۃ اللہ کہا اور تیزی کے ساتھ جانب قبلہ قدم بڑھاتے ہوئے نکل گئے۔ ادھر مجھ پر سکتہ کی سی کیفیت طاری تھی۔ میں عالم حیرت میں کھڑا سوچتا رہ گیا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ انھوں نے کب مجھ سے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ مکہ مکرمہ میں مناسک و آداب حج کے بعد

بذریعہ ہوائی جہاز جدہ ممبئی واپسی ہوئی۔ حرمین طیبین میں دوران قیام، قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین قادری مہاجر مدنی کے فرزند مولانا فضل الرحمن قادری مدنی اور جانشین مفتی اعظم ہند مولانا اختر رضا قادری ازہری نیز مولانا افتخار احمد قادری مصباحی۔ الحاج اسماعیل جانی، حاجی عبدالستار بٹانے والے۔ حاجی منشی محبت علی ودیگر بہت سارے ہندوستانی پاکستانی حجاج سے ملاقاتیں ہوئیں۔ شارح بخاری نے دوسرا حج ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء میں کیا۔ ایک عمرہ کا سفر ۱۹۹۶ء میں ہو چکا ہے دوسرا عمرہ رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ مطابق جنوری ۱۹۹۸ء میں دوسرے سفر حج سے پہلے کر چکے ہیں۔

حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ

حضرت صدر الشریعہ ہی کے خاندان کا میں بھی ایک فرد ہوں، میرے والد ماجد کے دادا اور حضرت کے دادا حقیقی بھائی تھے۔ اس لئے ہوش سنبھالتے ہی حضرت صدر الشریعہ کی شخصیت خاندان کے بہت بڑے عالم اور بزرگ کی حیثیت سے ذہن میں مرکوز ہو گئی۔ جب شوال ۱۳۵۲ھ میں دار العلوم اشرفیہ کے سنگ بنیاد کا جلسہ ہوا تو مجھے حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ اپنے ہمراہ مبارک پور لائے اور حافظ ملت کے سپرد فرمادیا۔

ان دنوں حضرت صدر الشریعہ اجمیر شریف دار العلوم معینیہ عثمانیہ میں تھے۔ لیکن قریب قریب ہر سال رمضان المبارک میں گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ روزانہ بعد مغرب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ میں بھی کبھی کبھی ساتھ چلا جاتا، جتنا شعور بیدار ہوتا گیا حضرت صدر الشریعہ کی عظمت دن بدن میرے دل میں بستی گئی۔ اس کے باوجود کہ اس وقت بڑے بڑے مشائخ طریقت موجود تھے۔ جن کی بڑی شہرت تھی، جن کی شخصیت بہت جاذب نظر تھی۔ لیکن میں بغیر کسی خارجی تحریک کے از خود قلبی کشش کی بنا پر حضرت صدر الشریعہ سے مرید ہوا۔

همه شهر پر ز خوباں منم وخیال ماہے
چہ کنم کہ چشم بدخو نکند بکس نگاہے

حضرت صدر الشریعہ بالالتزام دار العلوم اشرفیہ مبارک پور کے سالانہ جلسے میں تشریف لاتے تھے۔ اور اعلیٰ کتابوں کا امتحان بھی لیتے تھے۔ اس وقت بھی حاضری

زیارت کا شرف حاصل ہوتا تھا۔ مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے بخاری شریف کا اخیر باب پورا پڑھایا ہے۔ وہ بھی اجلہ علمائے اہل سنت کی موجودگی میں۔ مثلا حضرت صدر الافاضل، حضرت مفتی اعظم ہند، حضرت ملک العلما، مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی وغیرہم۔ پھر یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ حضرت صدر الشریعہ نے بخاری شریف کا امتحان لیا اور اللہ کے فضل وکرم سے سب سے زیادہ نمبر عطا فرمایا۔ اس سال مدرسے کے تمام طلبا میں مجھے اعلیٰ امتیازی پوزیشن حاصل ہوئی فالحمد للہ علی ذالک۔ اب تک میرا دور، طالب علمی کا تھا اس لئے گاہے گاہے کچھ دیر کے لئے حضرت سے اکتساب فیض کا موقع ملتا رہا۔

۱۳۶۴ھ میں حضرت صدالشریعہ قدس سرہ مستقل طور پر کاشانہ مبارک ہی میں قیامپذیر تھے۔ اور میں بھی گھوسی ہی میں مقیم تھا۔ ان دنوں میں شمس العلوم میں مدرس تھا۔ اس لئے تقریبا چودہ ماہ حضرت صدر الشریعہ سے اکتساب فیض کا بھرپور موقع ملا۔

میں روزانہ دوپہر میں مدرسے سے فارغ ہو کر ظہر کے وقت تک کم از کم دو تین گھنٹے حضرت کی خدمت میں حاضر رہتا، نجی خطوط پڑھ کر سناتا۔ حضرت جو جوابات ارشاد فرماتے میں ان جوابات کو لکھتا۔ اور استفتا بھی پڑھ کر سناتا اور حضرت کے جوابات کا املا کرتا لیکن یہ املا صرف املا نہیں تھا بلکہ افتا کی مشق تھی بلکہ افتا کی تربیت بھی تھی۔ کوئی آسان مسئلہ ہوتا تو فورا جواب لکھوا دیتے۔ لیکن اگر مسئلہ میں کوئی اہمیت سمجھتے تو فرماتے بہار شریعت میں نکالو۔ بہار شریعت میں جس کتاب کا حوالہ ہوتا حکم دیتے اس کو نکالو۔ پھر کبھی کبھی دوسری کتابوں میں بھی اس کے حوالے تلاش کرنے کا حکم دیتے،

جب التحقیق الکامل فی قنوت النوازل، لکھوانی ہوئی تو احادیث اور فقہ کی پچاسوں کتابوں سے عبارتیں نکلوائیں۔ اور پڑھوا کر سنیں۔ اس اثنا میں میرے

سینکڑوں شبہات کے جوابات بھی ارشاد فرمائے۔

خطوط اور مسائل کے جوابات سے جو وقت بچتا اس میں مجموعہ فتاویٰ کو پڑھ کر سناتا۔ حضرت جس باب کا مسئلہ ہوتا اس کو مسئلے کے ساتھ لکھوا دیتے۔ فتاوی کی دو جلدیں تھیں۔ ایک بادامی کاغذ پر جن میں زیادہ تر فتوے بلکہ تقریباً کل اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے وصال کے بعد بریلی شریف کے قیام کے زمانے کے بعد لکھے تھے۔ دوسری سفید کاغذ کی جلد تھی اس میں اجمیر شریف دادوں اور گھوسی کے قیام کے زمانے کے لکھے ہوئے فتاویٰ تھے۔

اس طرح مجھے فتویٰ لکھنے کی مشاقی کرائی۔ یوں کہیے کہ انگلی پکڑ کے چلنا سکھایا۔

ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ تھا کہ دوران تعلیم وتربیت جلال غالب رہتا متعلم پر طرح طرح سے تنقید فرماتے اس کا نقص نکالتے جس طرح حرکات بے دردی سے پتھروں کو کاٹ کر رگڑ کر گھس کر نگینہ بنایا جاتا ہے اسی طرح یہ حضرات اپنے تلامذہ کی معمولی غلطیوں پر جھڑک کر ڈانٹ کر اصلاح کرتے تھے۔ تاکہ یہ ان کا اعلیٰ نمونہ ہوں۔ مگر دل میں بے پناہ محبت رکھتے تھے۔

اسی اثنا میں ایک بار میں بیمار پڑا، اور ایک دن حاضر نہیں ہوا تو عیادت کے لئے غریب خانے پر تشریف لائے۔

ایک بار میرا بچہ بیمار ہوا۔ میں نے تعویذ مانگا اس کے باوجود کہ بینائی کمزور تھی لکھنا مشکل تھا۔ اپنے دست مبارک سے تعویذ لکھ کر عطا فرمایا۔ پھر اس کو دم فرمانے کے لئے گھر آئے۔

ایک بار بھائیوں سے کچھ معاملات کی بنا پر والد صاحب مجھ سے ناراض ہو گئے تھے۔ اور جا کے صدر الشریعہ سے شکایت کی چوں کہ حق میرے ساتھ تھا۔ اس لئے والد صاحب کو بہت ڈانٹا۔

چوں کہ صحیح خواں حافظ کوئی نہیں ملتا۔ اس لئے حضرت سورہ تراویح پڑھا کر

تے تھے۔ اور رمضان المبارک میں عشا کی نماز اور تراویح میں مجھے امام بناتے تھے۔ حالانکہ دوسرے علماکرام بھی موجود ہوتے۔ فالحمد لله علی ذالك.

اخیر سفر حج کے لئے جس صبح کو گھر سے نکلنے والے تھے اس کی شب میں بعد عشا میں حاضر ہوا۔ حضرت لیٹے ہوئے تھے۔ میں حضرت کا پاؤں دبانے لگا۔ حافظ ملت قدس سرہ بھی موجود تھے۔ چوں کہ حضرت کا جسم مبارک پر گوشت اور سخت تھا اور میں کمزور۔ حافظ ملت کے مقابلہ میں ہاتھ بہت ہلکا محسوس ہوا تو میرے بارے میں پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے نام بتایا۔ فرمایا۔ تم ہو۔ حافظ ملت کو حیرت ہوئی انھوں نے سمجھا کہ شاید میں کبھی حاضر نہیں ہوتا تھا۔ حضرت سے دریافت فرمایا کیا یہ خدمت میں حاضر نہیں ہوتے؟ فرمایا یہ بے چارہ دن میں روز آتا تھا دو دو گھنٹے تین تین گھنٹے رہتا، سارے ڈاک کے فتاوے یہ لکھتا تھا۔ چار گھنٹے مدرسے میں پڑھا کر کے تھکا ہوا رہتا تھا مگر پھر بھی آتا تھا۔

بارہ بجے کے بعد جب ہم لوگ واپس ہونے لگے فرمایا صبح کو جلدی آنا اس خیال سے کہ دولت خانے سے اسٹیشن کا فاصلہ صرف دس منٹ کا ہے میں ساڑھے آٹھ بجے پہونچا۔ معلوم ہوا کہ حضرت صدر الشریعہ ساڑھے سات بجے ہی گھر سے نکلے اور پوچھا مولوی شریف الحق مولوی جیلانی مولوی یزدانی آگئے؟ جواب نفی میں تھا۔ کچھ خفگی سے فرمایا میں نے کہ دیا تھا صبح کو جلدی آنا اور یہ لوگ اب تک نہیں آئے۔

میں نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا تو فرمایا اتنی دیر میں آئے؟ اس مبارک سفر کے موقع پر اپنے اس کفش بردار کا اتنا خیال رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں بے پناہ محبت تھی شفقت تھی۔ میں حضرت کے ہمراہ شاہ گنج اسٹیشن تک گیا تھا۔

نماز عشا اور کھانے سے فارغ ہو کر فرمایا! کہ اسٹیشن پر چور بہت ہیں۔ دو گروہ بنالیا جائے۔ کچھ لوگ بارہ ایک بجے تک جاگیں۔ اور کچھ لوگ اس کے بعد۔ حضرت شاہ گنج مغرب سے پہلے ہی پہونچ گئے اور گاڑی صبح کو چار بجے تھی۔ پوری رات شاہ گنج میں

گزارنا تھا۔ بارہ ایک بجے تک جاگنے کے لئے کئی آدمی تیار ہو گئے۔ اس کے بعد کے لئے محض تین آدمی آمادہ ہوئے۔ میں اور ادری کے دو صاحبان۔ میں اور ادری کے دونوں صاحبان ایک بجے کے بعد حضرت کا جسم مبارک دبا رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد ادری والوں پر نیند کا غلبہ ہوا۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا! کہیں چائے ملے گی؟ میں نے انھیں بتایا۔ مسافر خانے میں مل سکتی ہے۔ وہ دونوں صاحبان چائے لینے چلے گئے۔ میں اکیلا رہ گیا۔ حضرت نے چشم مبارک کھولی۔ پوچھا کون؟ میں نے نام بتایا۔ فرمایا تم اکیلے ہی ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں! دو صاحبان اور ہیں۔ وہ چائے لینے چلے گئے ہیں۔ اس وقت حضرت جس شفقت سے مجھے ملاحظہ فرما رہے تھے اس کی لذت سے آج بھی میں سرشار ہوں۔ حضرت کی شفقت دیکھ کر مجھے ہمت ہوئی۔ میں نے عرض کیا کہ حضور حج وزیارت کے لئے جا رہے ہیں۔ مجھے کچھ عطا فرمائیں۔ یہ سن کر آنکھیں بند کرلیں کچھ دیر تک خاموش رہے۔ پھر آنکھیں کھولیں اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا میں نے تم کو سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ رضویہ کی اجازت دی۔ اس کے بعد بہت دیر تک ہاتھ پکڑے رہے اور کچھ پڑھتے رہے۔

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ اس ذرۂ بے مقدار پر غایت درجہ مہربان تھے۔ شفیق تھے۔ اور انہوں نے اپنے روحانی خزانوں سے بہت کچھ مجھے عطا فرمایا۔

حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ

میں نے دورۂ حدیث بریلی شریف میں حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ کے قائم کردہ مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی میں کیا اور وہیں دستار بندی ہوئی۔ تقریباً دس مہینے وسط شوال ۱۳۶۱ھ مطابق اکتوبر ۱۹۴۲ء سے لے کر ۱۵ر شعبان ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۶ر اگست ۱۹۴۳ء تک بریلی شریف میں قیام رہا۔ چوں کہ وہاں طلبہ کے رہنے کے

لئے کوئی دارالاقامہ نہیں تھا اور نہ مطبخ تھا۔ طلبہ مساجد میں رہتے تھے، میں بھی ایک مسجد ہی میں رہتا تھا۔ قریب قریب ایک بجے مدرسہ سے مسجد واپس ہوتا۔ پھر مسلسل چار نمازیں پڑھانی پڑتیں۔ جس کی وجہ سے مجھے اتنا وقت نہیں ملتا کہ میں حضرت مفتی اعظم ہند کی خدمت میں زیادہ حاضر ہو سکوں پھر بھی کبھی کبھی حاضر ہوتا، لیکن ان حاضریوں میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی جو قابل ذکر ہو۔

حضرت مفتی اعظم ہند کے کرم خصوصی کی ابتدا سالانہ امتحان سے ہوئی۔

مدارس کے دستور کے مطابق ہر کتاب میں امتحان کے لئے ایک مخصوص مقدار اساتذہ مقرر کر دیتے تھے۔ اسی میں طلبہ بھرپور تیاری کرتے تھے۔ ہماری بخاری شریف بلکہ صحاح ستہ پوری ہو چکی تھی۔ مگر کتاب میں مقدار امتحان قریب قریب چوتھائی کتاب کے تھی۔ جماعت میں میرا نام تیسرے نمبر پر تھا۔ جب ہم لوگ بخاری شریف کا امتحان دینے کے لئے بیٹھے اور صدر الشریعہ کو بتایا گیا کہ مقدار امتحان اتنی ہے تو جلال آگیا۔ ڈانٹ کر فرمایا۔ میں مقدار امتحان نہیں جانتا۔ جتنی کتاب پڑھی ہے۔ سب کا امتحان ہوگا، کتنی پڑھی ہے؟ جن کا پہلے نمبر پر نام تھا انہوں نے عرض کیا! پوری بخاری ختم کی ہے۔ حضور صدر الشریعہ نے تقریبا بخاری جلد اول کا نصف کھول کر فرمایا یہاں سے پڑھو۔ اب تو ہم لوگوں کے ہوش اڑ گئے۔ لیکن ہماری جماعت کے بہت سے افراد نے محنت سے پڑھا تھا اس لئے ان دونوں صاحبان نے کسی نہ کسی طرح باآبرو امتحان دے دیا۔ میں بہت ڈر رہا تھا۔ ایک تو حضرت کا رعب، دوسرے یہ احساس کہ پتہ نہیں کہاں سے امتحان لیں۔ بخاری شریف میں کہیں کہیں ابواب اور احادیث میں اتنا دقیق تعلق ہوتا ہے کہ اس کا سمجھنا سب کے بس کا نہیں۔ بہر حال اللہ تعالی کے فضل و کرم سے میں نے حدیث اور باب میں مناسبت بھی بیان کر دی۔ اور حضرت کے تین چار سوالات کے جوابات بھی دیدیئے۔ چار جگہ سے پڑھوایا۔ ہر جگہ میں نے تسلی بخش تقریر کی اور جوابات دیئے جس سے حضرت صدر الشریعہ بہت خوش ہوئے۔ چہرے پر

بشاشت کے آثار نمایاں تھے۔اور ۸۰ر نمبر عطا فرمایا۔لوگوں کا کہنا ہے کہ اتنا زیادہ نمبر حضرت صدر الشریعہ نے شاید ہی کسی کو دیا ہو۔

حضرت مفتی اعظم ہند صدر الشریعہ کے بغل میں بیٹھے ہوئے تھے۔انہوں نے پورا امتحان سنا۔بلکہ خود بھی ایک سوال فرمایا تھا۔حضرت مفتی اعظم ہند بھی باغ باغ تھے۔اس لئے مدرسے کی عام سند کے علاوہ اپنی مخصوص سند عطا فرمائی اور اس سند پر حضرت صدر الشریعہ سے دستخط کرایا۔اور خود مختصر مضمون لکھ کر کے دستخط فرمایا۔

حضرت صدر الشریعہ کے وصال کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند تعزیت کے لئے گھوسی آئے تو زیارت ہوئی اور حسب عادت حضرت نے بہت کرم فرمایا۔لیکن کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔

ایک بار کسی نے حضرت سے دریافت کیا کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال کس وقت ہوا تھا؟ قبل اس کے کہ حضرت مفتی اعظم ہند کوئی جواب دیں۔میں نے بتادیا کہ دوپہر ڈھلنے کے کچھ دیر بعد۔پوچھنے والا بہت بد تمیز تھا۔اس نے کہا آپ سے کس نے پوچھا؟ میں نے کہا اگر میں نے بتادیا تو کیا حرج ہے؟ اگر میرا بتایا ہوا غلط ہے تو حضرت تصحیح فرمادیں گے۔اس پر حضرت مفتی اعظم ہند نے اس کو سمجھایا۔

حضرت مفتی اعظم ہند کے دل میں میری کتنی محبت وشفقت تھی اس کا پہلی بار اظہار اس وقت ہوا جب میں حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال میں بریلی شریف حاضر ہوا اور ان کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔اس وقت وہاں مفتی ظفر علی نعمانی کراچی سے آئے ہوئے تھے وہ بھی موجود تھے۔اور مئو کے مولانا ثناء اللہ صاحب بھی موجود تھے۔یہ منظر اسلام میں شیخ الحدیث تھے۔

حضرت مفتی اعظم ہند بہت دیر تک حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کا تذکرہ فرماتے رہے۔اس کے بعد فرمایا اب ان کے بدل کا معاملہ

ہے۔ مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ اگر آپ آجائیں تو بہت بہتر رہے گا۔ مجھے کیا عذر ہو سکتا تھا۔ میں نے اس کو قبول کر لیا۔ یہ البتہ عرض کیا کہ مجھے پچپڑوا ضلع گونڈہ جانا پڑے گا۔ اور ان لوگوں سے اجازت لینی پڑے گی۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ بقر عید بعد حاضر ہو جاؤں گا۔ اس دن ذوالحجہ کی ۵ ر تاریخ تھی حضرت نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ آپ بقر عید بعد آجائیں۔

صبح کو مفتی ظفر علی نعمانی صاحب نے بتایا کہ مولانا ثناء اللہ صاحب منظر اسلام میں ہیں اور بہت پریشان ہیں۔ ان کی خواہش کے مطابق میں نے رات حضرت مفتی اعظم ہند کو اس پر راضی کر لیا ہے کہ مولانا غلام یزدانی صاحب کی جگہ پر رکھ لیں۔ میں خاموش رہا۔ اس میں کچھ مصالح بھی تھے جو بعد میں ظاہر ہوئے۔

دو سال کے بعد مفتی اعظم ہند کا والا نامہ تشریف لایا۔ مظہر اسلام میں تمہاری ضرورت ہے۔ تم خط ملتے ہی فوراً بریلی آجاؤ۔ یہ والا نامہ ملنے کے بعد میں بریلی حاضر ہو گیا۔ اور ۲۴ ر شوال ۱۳۷۵ھ مطابق ۴ ر جون ۱۹۵۶ء تا ۲ ر ذوالحجہ ۱۳۸۶ھ مطابق ۸ ر اپریل ۱۹۶۷ء گیارہ سال سے زائد حاضر رہا۔ اس وقت حضرت کے بے پایاں کرم کا قدم قدم پر مشاہدہ ہوا۔ بریلی شریف میں مدرسین بھی مساجد میں رہتے تھے۔ لیکن سال بھر کے بعد حضرت مفتی اعظم ہند نے مجھے اپنے دولت کدہ پر رکھا۔ قیام کے لئے اوپر کی بیٹھک عطا فرمائی۔ باقاعدہ قالین بچھوا کر اس پر مسند لگوایا اور ڈسک رکھوا کر میرا ہاتھ پکڑ کر اس مسند پر بٹھایا۔ اور فرمایا کہ میں اپنی دار الافتا کی ذمہ داری آپ کے سپرد کر رہا ہوں۔ آپ لکھیں،

شہر اور مضافات شہر میں حضرت کا جو پروگرام بھی ہوتا مجھے ہمراہ لیجاتے اور تقریر کے وقت منبر پر تشریف رکھتے۔ صرف شہر و مضافات شہر کی تخصیص نہیں، دور دراز کے سفروں میں بھی مجھ کو ساتھ رکھتے۔ اور اہم اجلاس میں ساتھ لیجاتے۔ منتظمین جلسہ سے کہہ کر میری تقریر کراتے۔ دوران سفر جو بھی استفتا آتا اسے میرے پاس بھجوا

تے۔

پہلی بار جب جونا گڈھ کاٹھیاواڑ تشریف لے گئے تو مدرسہ مسکینیہ دھوراجی کے صدر المدرسین مفتی احمد میاں صاحب نے حضرت کی خدمت میں درخواست پیش کی کہ مدرسے کے منتہی طلبہ کو کچھ حدیثیں پڑھادیں۔ فرمایا۔ میں نے زمانہ ہوا پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیا ہے، یہ مفتی صاحب ہیں پڑھادیں گے۔ مفتی احمد میاں صاحب سے میری پہلی ملاقات تھی اور اس وقت تک صرف سلام ومصافحہ کی حد تک تھی۔ اس لئے انہوں نے پھر حضرت سے اصرار کیا۔ حضرت نے پھر وہی فرمایا۔ ان کا زیادہ اصرار بڑھا تو فرمایا چلئے! میں بھی بیٹھا رہوں گا۔ چنانچہ وقت مقرر ہو گیا۔ حضرت مدرسہ تشریف لے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ طلبہ بخاری کھول کر بیٹھ گئے۔ غالباً کتاب الصلاۃ آمین بالجہر کا باب کھولا، حضرت نے حکم دیا پڑھاؤ میں کچھ گھبرایا۔ لیکن حضرت مفتی اعظم ہند کا حکم تھا۔ میں نے پڑھانا شروع کیا۔ ایک گھنٹے تک پڑھایا۔ اور حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں تامین علی الملائکہ کی جو حدیث ذکر کی ہے اس پر تقریر کرتے ہوئے میں نے واضح کیا کہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آمین بالسر کہنا چاہیئے۔ حضرت مفتی اعظم ہند کی مسرت قابل دید تھی۔ مفتی احمد میاں دم بخود تھے۔ اس وقت وہاں دو ڈھائی سو کا مجمع تھا اس کا بھی یہی حال تھا۔

اسی سفر میں جونا گڈھ کے ایک شیعہ نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر حدیث قرطاس لے کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر نکتہ چینی شروع کردی۔ حضرت نے پہلے اس کو ڈانٹا کہ تمیز سے بات کرو۔ ہم حضرت فاروق اعظم کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے قرطاس کس سے مانگا تھا اس نے کہا۔ حاضرین سے۔ میں نے کہا مریض جب کوئی چیز مانگتا ہے تو اس کو مہیا کرنا گھر والوں کا فرض ہوتا ہے۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ پر پہلے یہ فرض عائد تھا کہ قرطاس حاضر کرتے۔ انھوں نے کیوں نہیں حاضر کیا؟ اور اگر یہ جرم ہے تو

تمہارے اعتراض اور نکتہ چینی کے مطابق اس کے سب سے بڑے مجرم حضرت علی، حضرت سیدہ فاطمہ ہیں۔اس پر اس کی بولتی بند ہو گئی۔ پھر اٹھ کر بھاگا۔

اگر کہیں سے بھی مناظرہ کے لئے کوئی جاتا تو مجھے بھیجتے۔ کھیری لکھیم پور، بلدوانی، نجیب آباد وغیرہ مناظرے کے لئے حضرت کے حکم سے گیا۔ اور کہیں اگر بدمذہبوں کے مقابلے میں جلسے کی بات ہوتی مجھے حکم دیتے کہ جاؤ۔ مودودیوں، منکرین حدیث، رافضیوں، صلح کلیوں، غیر مقلدوں، دیوبندیوں، وغیرہ کے مقابلے کے جلسے میں کہاں کہاں گیا۔ان سب کا ذکر کرنا بہت طویل ہوگا۔

ایک بار میں مدرسے کے ناظم صاحب کی مہربانیوں سے تنگ آکر دوسری جگہ چلا گیا تھا۔اس موقعہ پر حضرت نے ناظم صاحب کو بہت پھٹکارا اور ہمیشہ مجھے یاد فرماتے رہے۔ جانے کو تو میں چلا گیا۔ لیکن وہاں میرا دل قطعانہ لگا۔ دو مہینے کے بعد پھر بریلی آگیا۔ رات میں بارہ بجے پہونچا تھا۔اس وقت حضرت اندر جا چکے تھے۔ صبح کو نماز فجر کے بعد خلاف عادت حضرت سیدھے چھوٹے مکان میں آئے۔ مجھے دیکھا۔اور اندر جاکر اپنی اہلیہ صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا سے فرمایا۔ تمہارے مفتی شریف الحق آگئے۔

ایام علالت میں ایک روز حاضر ہوا تو اندر سے اطلاع آئی کہ حضرت نے چوبیس گھنٹے سے کچھ نہیں کھایا پیا ہے۔اور سخت برہم ہیں، میں اندر گیا۔ کھانا منگوایا۔ حضرت نے تناول فرمایا۔

جس سال عرس کے موقعہ پر پنڈال ٹوٹ کر گر پڑا تھا۔ حضرت کو چوٹ آگئی تھی۔ سینے میں سخت تکلیف کا اظہار فرماتے۔ عرض کیا گیا کہ ایکسرے کرالیں۔ سخت برہم ہوئے۔اور کسی قیمت پر راضی نہ ہوئے۔ میں پہونچا لوگوں نے بتایا۔ میں نے کہا! گاڑی منگائیے میں لے چلتا ہوں۔ حضرت مولانا ریحان رضا خاں عرف رحمانی میاں نے نئی گاڑی خریدی تھی وہ تیار ہی تھی۔ میں اندر حاضر ہوا۔اور عرض کیا۔

حضور! رحمانی میاں نے گاڑی خریدی ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ آپ برکت

کے لئے اس میں تشریف فرما ہو کر باہر کچھ تفریح فرمالیں۔

حضرت مفتی اعظم ہند فوراً اٹھے۔ کپڑا تبدیل کیا۔ گاڑی میں بیٹھے۔ گاڑی ایک ڈاکٹر کی ڈسپنسری میں رکی۔ میں نے عرض کیا! حضرت کو تکلیف ہے۔ یہاں ایک مشین ہے اس سے معلوم ہو جائے گا کہ ہڈی میں کوئی چوٹ تو نہیں آئی ہے۔ حضرت گاڑی سے اترے۔ اندر تشریف لے گئے اور میں نے پورا ایکسرے کرادیا۔

اس طرح کے واقعات بہت ہیں، کہاں تک سب کو بیان کیا جائے۔ کچھ میرے مضامین میں آگئے ہیں۔ گیارہ سال کے عرصے میں توجہ، عنایت اور شفقت و کرم کے نمونے بے شمار ہیں۔

حضرت محدث اعظم ہند قدس سرہ

حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ سے میں بہت بچپن سے واقف تھا۔ لیکن فراغت کے بعد ایک عرصے تک حضرت کی توجہ میری طرف مبذول نہ ہو سکی تھی۔ ایک بار بڑہل گنج ضلع گورکھپور میں جلسہ تھا۔ لوگوں نے حضرت محدث اعظم ہند کی باگاہ میں درخواست پیش کی۔ کہ محلّہ گولہ کے لوگوں کی خواہش ہے کہ حضرت تشریف لائیں اور دن میں وہاں تقریر فرمادیں۔ فرمایا بہت مشکل ہے۔ رات میں بھی تقریر کروں اور دن میں بھی تقریر کروں۔ آنے جانے والوں سے بھی گفتگو کروں۔ میں چلونگا مگر میرے بجائے (میری طرف اشارہ کر کے فرمایا) یہ تقریر کریں گے۔

میں نے حسب حکم تقریر کی جسے آپ نے بہت پسند فرمایا۔ بار بار داد دی۔ تقریر کے بعد فرمایا مولانا آپ تو چھپے رستم نکلے۔

گولہ بازار سے جب قیام گاہ نوشہرہ آئے تو ایک دیوبندی مولوی کا حضرت

محدث اعظم کے نام چیلنج مناظرہ آیا۔ حضرت نے مجھے بلایااور فرمایا کہ اس کا جواب لکھو۔ میں نے حضرت کے سامنے ہی یہ جواب لکھا۔

”مناظرہ رشیدہ اٹھا کر دیکھئے۔ مناظرہ کی بنیادی شرط یہ ہے کہ مناظرہ کرنے والے علم میں برابر ہوں۔ کہاں حضرت محدث اعظم ہند اور کہاں تم۔ حضرت سے مناظرہ کر کے تمہارے بڑے بڑے شکست فاش اٹھا چکے ہیں۔ تم لوگوں کو حضرت سے مناظرہ کا شوق ہے تو مولوی حسین احمد ٹانڈوی یا قاری طیب کو بلاؤ۔ تم سے اور تم جیسے سیکڑوں مولویوں سے مناظرہ کرنے کے لئے میں کافی ہوں۔ تمہارا چیلنج مناظرہ مجھے منظور ہے۔“

مناظرہ سے پہلے شرائط مناظرہ، موضوع مناظرہ، مکان مناظرہ، طے ہونا ضروری ہے تم بتاؤ۔ کب اور کہاں ان شرائط کو طے کرنے کے لئے آتے ہویا مجھے بلاتے ہو۔

اس مسودے کو سن کر حضرت محدث اعظم ہند کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

میری تحریر گئی تواس دیوبندی مولوی کو سانپ سونگھ گیا۔اور کھسیا کر کہنے لگا۔ کہ سید محمد میاں صاحب کچھوچھوی نے مناظرہ سے انکار کر دیا۔ پھر رات میں میں نے اسی پر تقریر کی،اور مغالطے کا رد کیا۔اس کے بعد سے حضرت محدث اعظم ہند کا بھی کرم میرے اوپر دیگر بزرگوں کی طرح بے پایاں رہا۔اور پھر محدث اعظم اپنے حلقہ اثر میں مجھے مدعو کرانے لگے۔ بہت سی جگہوں پر حضرت ہی کے توسط سے میں جلسوں میں شریک ہوا۔ایک بار مین پوری لے گئے۔دو دن کا جلسہ تھا۔ سب لوگوں کی خواہش تھی کہ حضرت محدث اعظم ہند پہلے دن بھی تقریر کریں۔ حضرت نے تنہائی میں مجھے بلایا۔ فرمایا۔ میں سخت تھکا ہوا ہوں۔ سونے کے لئے مضطر ہوں۔ آج کا جلسہ آپ کو سنبھالنا ہے، میں کئی دن سے حضرت کے ہمراہ ایٹہ وغیرہ تھا۔ مدرسہ کا کافی ناغہ ہو گیا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ میری بھی ایک گذارش ہے میں تقریر تو کروں گا۔اور انشاء اللہ تعالیٰ آپ مطمئن رہیں گے۔ مگر مجھے کل اجازت مرحمت فرمادیں مدرسے کا بہت ناغہ

ہو چکا ہے۔ فرمایا! منظور ہے۔ چنانچہ اسی کے مطابق عمل ہوا اور جلسہ والے خوش بھی رہے۔

ایک بار کسی جلسے میں میں تقریر کر رہا تھا۔ حضرت محدث اعظم ہند منبر پر تشریف فرما تھے۔ کسی نے ایک پرچہ بھیجا۔ کہ مرنے کے بعد جب روح جسم سے جدا ہو جاتی ہے۔ جس سے اولیا کرام کا استثنا نہیں جسم بے جان چیز ہے جسم قبر میں رہ جاتا ہے۔ روح اعلیٰ علیین پہونچ جاتی ہے پھر قبر پہ حاضر ہو کر اس سے مدد مانگنا کیسے جائز ہوگا؟ حضرت نے پرچہ مجھے دیا اور فرمایا آپ فوراً اس کا جواب دیں۔ میں نے حضرت کی طرف دیکھا۔ اور عرض کیا دعا فرمائیں۔ جس موضوع پر تقریر ہو رہی تھی اس کو وہیں چھوڑا۔ پرچے پہ کسی کے دستخط نہیں تھے۔ میں نے پہلے اس پر اس کی خوب خبر گیری کی، پھر حیات برزخی کے ثبوت پر ایک گھنٹہ تقریر کیا۔ اخیر میں استشہاد میں ان کی کتابوں کے اندر خود ان کے مولویوں کے بارے میں جو حکایات درج ہیں۔ ان کو پیش کیا۔ حضرت محدث اعظم ہند میری تقریر سنتے رہے اور بے پناہ خوش ہو رہے تھے۔ اپنی تقریر میں پندرہ منٹ تک میری ہی تقریر سے متعلق کلمات تحسین و آفریں ارشاد فرماتے رہے۔ پھر میری تقریر کے ایک حصہ کو موضوع خطاب بناتے ہوئے اتنی شاندار تقریر فرمائی کہ خطابت اس پر ناز کرے۔

حافظ ملت قدس سرہ

حافظ ملت قدس سرہ مبارک پور ذو قعدہ ۱۳۵۲ھ میں تشریف لائے تھے۔ یہاں تشریف لانے کے بعد تھوڑے ہی دنوں میں ہر طرف شہرت ہو گئی کہ مبارکپور میں ایک عالم تشریف لائے ہیں جنھوں نے مسلمانوں کے اندر زبردست جوش و خروش پیدا کر دیا ہے۔ حافظ ملت قدس سرہ نے مبارک پور کے مسلمانوں کی اس بیداری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مدرسہ مصباح العلوم کے لئے ایک عظیم عمارت کا منصوبہ بنایا اور

اس کے سنگ بنیاد کے لئے ۱۰ر شوال ۱۳۵۳ھ مقرر فرمایا اس میں حضرت صدر الشریعہ کو بھی مدعو کیا۔ حضرت صدر الشریعہ ان دنوں اجمیر مقدس میں تھے۔ اس سال رمضان المبارک میں گھر تشریف نہیں لائے تھے۔ سنگ بنیاد میں شرکت کے لئے دو دن پہلے گھر تشریف لائے۔ اور دس شوال کی صبح کی گاڑی سے مبارک پور تشریف لائے مجھے بھی اپنے ساتھ لائے اور حافظ ملت کے حوالہ کر دیا۔

اس وقت میری عمر لگ بھگ بارہ سال تھی۔ میزان منشعب کے ابتدائی درجے میں میرا داخلہ ہوا تین سال تک حافظ ملت کے پاس میری کوئی کتاب نہیں ہوئی میری پہلی کتاب حضرت کے پاس شرح جامی بحث اسم شروع ہوئی۔ مگر ان تین سالوں میں بھی حافظ ملت کا کرم شامل حال رہا۔ کبھی کبھی بعد عصر تفریح کے لئے جاتے تو ساتھ لے لیتے راستے میں زیر درس کتابوں کے متعلق سوالات کرتے۔ جواب میں کوتاہی پر اصلاح وہدایت فرماتے۔

کئی بار ایسا بھی ہوا کہ جب برسات کے بعد اینٹے کے بھٹے کا افتتاح ہونے والا ہوتا تو بھٹے کے مالک حاجی انور صاحب حاضر ہوتے کہ بھٹے کا افتتاح ہونے والا ہے۔ حضور تشریف لے چلئے۔ اس موقع پر کئی بار حافظ ملت اپنے ہمراہ مجھے لے گئے اور مجھے ہدایت کرتے کہ فلاں دعائیں پڑھتے پڑھتے میرے پیچھے چل۔

حافظ ملت کی شفقت کی وجہ سے کبھی کبھی حضرت کی قیام گاہ پر حاضر ہو جاتا اور خدمت کرتا، یہ وقت بھی حافظ ملت ضائع ہونے نہیں دیتے اور کبھی اسباق کے بارے میں سوال کرتے کبھی مخالفین اہل سنت کے اعتراضات کے جوابات بتاتے۔ حافظ ملت کا یہ طرز عمل اخیر وقت تک میرے شامل حال رہا۔

اسباق کے دوران خصوصی توجہ فرماتے اور مشکل مسائل کی تقریر کے بعد پوچھتے! کیا سمجھے بتاؤ۔ ابتداہی میں شرح جامی اور جلالین میں خصوصاً شرح اور تفسیر کے رموز و نکات بتاتے اور کچھ دنوں کے بعد خود ہم لوگوں سے پوچھتے۔ اس کی وجہ سے ہم

لوگ مجبور تھے کہ مطالعہ بہت غور و محنت سے کریں۔ جس کا فائدہ یہ ہوا کہ کچھ دنوں میں ہم لوگوں نے اتنی استعداد پیدا کرلی کہ شرح اور تفسیر کے دفع دخل مقدر کو از خود نکال لیا کرتے۔

میں ملاحسن وغیرہ پڑھ رہا تھا۔ اس کے ساتھ دیگر کتابیں بہت سی تھیں اور اسباق بھی کافی ہوتے تھے۔ اس کی وجہ سے میں راتوں کو بہت دیر دیر تک مطالعہ کرتا جس سے میری صحت خراب ہوگئی۔ جسم میں صرف ہڈی اور چمڑا رہ گیا۔ یہ دیکھ کر حافظ ملت نے بہت سختی کے ساتھ حکم دیا کہ تم بارہ بجے کے بعد مطالعہ نہیں کر سکتے۔ ابتدا میں میں نہیں مانا پھر آپ نے سختی سے ڈانٹا۔

ملاحسن کے پرچے کا امتحان تحریری تھا امتحان کا وقت ختم ہونے تک میں لکھتا رہا۔ اس وقت مدرسے کے صدر جناب محمد امین انصاری صاحب بالالتزام امتحان کے دنوں میں مدرسے آتے اور نگرانی کرتے۔ وقت ختم ہونے کے بعد تک میں لکھتا رہا۔ یہاں تک کہ پندرہ منٹ زیادہ ہوگئے تو انھوں نے حافظ ملت سے پوچھا کیا ان کی کاپی لے لی جائے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں ابھی رہنے دیجئے اور ان کے کان میں کچھ کہا۔ اس پر امین گرہست صاحب نے مجھ کو بغور دیکھا کچھ دیر کے بعد میں نے کاپی جمع کی۔ تو حافظ ملت نے فرمایا۔ کھڑے رہو۔ اور امین صاحب کو میری کاپی دکھانے لگے۔ اس کے پورے صفحات دکھائے۔ اخیر میں فرمایا۔ اس کی صورت دیکھئے اس نے پڑھنے کے پیچھے اپنی صحت خراب کرلی ہے بے وقوف رات رات بھر پڑھتا ہے۔

اس سال تقریری امتحان کے لئے خیر الاذکیاء حضرت مولانا غلام یزدانی صاحب تشریف لائے تھے۔ جب وہ امتحان سے فارغ ہوگئے تو حافظ ملت ان کے پاس تشریف لے گئے۔ مجھے بلایا اور فرمایا۔ کہ دیکھئے اس بے وقوف نے پڑھنے کے پیچھے اپنی صحت خراب کرلی ہے اس کو دیکھئے۔ کیا ہو گیا ہے۔ وہ طبیب بھی تھے اور حافظ ملت نے یہ بھی فرمایا کہ رمضان میں اس کا علاج آپ کردیں۔

جب دار العلوم اشرفیہ کا دوسرا جلسہ دستار بندی بہت شان و شوکت سے ہونے والا تھا تو فرمایا۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی طالب علم عربی میں تقریر کرے۔ ابتدا میں بہت سے امیدوار تیار ہوئے، مگر سب ہمت ہار گئے۔ قرعہ فال اس دیوانے کے نام نکلا۔ اور میں نے اس عظیم الشان جلسہ دستار بندی میں پہلی بار اکابر علمائے اہل سنت کی موجودگی میں پچیس منٹ تک عربی میں تقریر کی جو بہت کامیاب ہوئی۔ سارے علمائے کرام باغ باغ ہوگئے اور پورا مجمع محو حیرت تھا تقریر کے بعد واہ واہ داد و تحسین کے علاوہ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے بطور انعام دو روپے عطا فرمائے۔ استاذ محترم حضرت مولانا محمد سلیمان بھاگلپوری اور حضرت مولانا شمس الحق گجہڑوی مبارکپوری اور صدر جناب محمد امین انصاری نے بھی انعام دیئے۔ تقریر کے دوران حافظ ملت کی خوشی کا عالم دیکھنے کے لائق تھا۔ چہرہ بشاشت سے کھل رہا تھا۔ بار بار واہ واہ سبحان اللہ فرماتے تھے۔ تقریر کے بعد بار بار مدرسین، اور عوام وخواص سے ذکر کرتے رہے۔

جب میں اشرفیہ چھوڑ کر میرٹھ چلا گیا اور حافظ ملت کو اطلاع ہوئی تو اس وقت کچھ لکھ رہے تھے۔ لکھنا چھوڑ کر سخت افسردہ ہوگئے اور فرمایا۔ شریف الحق چلا گیا۔ پھر بہت دیر تک خاموش رہے۔ میں جانے کو تو میرٹھ چلا گیا مگر وہاں دل نہیں لگتا تھا۔ سخت بے چین تھا۔ دو تین دن کے بعد میں نے معذرت کا خط لکھا۔ دوسرا کوئی ہوتا تو جواب ہی نہیں دیتا۔ یا پھر ایسے کچوکے لگاتا کہ زندگی بھر یاد رہتا۔ لیکن قربان جاؤں اپنے حافظ ملت پر کہ انہوں نے جواب دیا اور پیار و محبت کے ساتھ دیا۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے چلے جانے کا بے حد افسوس ہے۔ میں خدمت سے محروم ہوں۔ مگر دعا خیر کرتا ہوں آپ جہاں کہیں رہیں، حسب عادت محنت اور لگن سے پڑھیں۔

ہر گلے را رنگ و بوے دیگر ست

اس جدائی کے پونے دو سال بعد ۱۳۶۲ھ میں دستار بندی کے موقع پر بریلی

شریف میں ملاقات ہوئی تو اسی شفقت سے حافظ ملت ملے۔ سینے سے لگایا اور میری سند پر خصوصی عبارت لکھ کر دستخط فرمایا۔

پھر از راہ کرم اپنے توسط سے مجھے پہلی ملازمت دلائی۔ ملازمتوں کے سلسلے میں ابتدا میں سخت آزمائش میں رہا جس کی وجہ سے بار بار جگہ بدلنا پڑا۔ اور ہر بار حافظ ملت قدس سرہ نے مجھے پہلے سے اچھی جگہ دلائی۔ جب تک میں گھوسی میں رہا بالالتزام ہر سال سالانہ امتحان اور دستار بندی کے جلسے میں مدعو فرماتے۔ بلکہ گھوسی سے جانے کے بعد بھی یہ سلسلہ قائم رہا۔

زمانہ طالب علمی میں جلالین شریف، مختصر المعانی وغیرہ پڑھتا تھا مجھے معین المدرسین رکھا۔ شرح تہذیب، نفحۃ الیمن وغیرہ پڑھانے کے لئے دیا۔

ایک بار امر ڈوبھا ضلع بستی میں کسی نے حافظ ملت کی خدمت میں ایک استفتا پیش کیا حضرت نے میرے بارے میں فرمایا۔ ان کو دیدو۔ میں نے فتویٰ لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو بغیر پڑھے ہوئے تصدیق فرمادی۔ میں نے عرض کیا! حضور نے پڑھا نہیں۔ اور تصدیق فرمادی۔ فرمایا! آپ کا فتویٰ پڑھ کر تصدیق کی جائے گئی؟ پھر اس کے بعد فتویٰ پڑھا اور خوش ہوئے۔

بلرام پور میں ختم بخاری کی تقریب تھی۔ حافظ ملت بھی تشریف فرما تھے اور حضرت سید العلما بھی۔ چوں کہ حافظ ملت میرے استاذ تھے اس لئے میں نے حافظ ملت سے عرض کیا کہ حضور! طلبہ کو بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھادیں۔ فرمایا آپ نے پوری بخاری پڑھائی ہے۔ یہ بھی آپ ہی پڑھائیں گے۔ میں نے بہت اصرار کیا۔ لیکن یہی فرماتے رہے کہ تم پڑھاؤ تمہارا حق ہے۔ اس کے بعد میں نے حضرت سید العلما سے عرض کیا کہ آپ پڑھادیں فرمایا! حضرت حافظ ملت نے فیصلہ فرمادیا۔ اب اس میں ترمیم نہیں ہو سکتی۔ آپ پڑھائیں۔

میری تقریریں سن کر بہت دیر تک حافظ ملت اپنی تقریر میں میری تعریفیں

کرتے تقریر کے اہم نکات کی نشاندہی کر کے داد دیتے۔ اور تعریفی کلمات ارشاد فرماتے۔

اگر مبارک پور میں کہیں سے کوئی مناظرے کے لئے مناظر طلب کرتا تو اسے حکم دیتے کہ شریف الحق کو ضرور مدعو کرو۔ متعدد جگہ مناظروں میں حضرت ہی کے حکم پر میں شریک ہوا مثلاً غیر مقلدین کے مقابلے میں نیپال کی سرحد پر۔ مدھوبنی کے مناظرہ میں، دریاپور ضلع مالدہ میں۔ ماندوچترا ضلع پلاموں کے مناظرہ میں۔ اخیر کا مناظرہ اپنی نوعیت کا منفرد مناظرہ ہے۔ اس مناظرہ کا اثر یہ ہوا کہ اختتام منظرہ کے بعد جب ہم اہل سنت صلاۃ وسلام کے لئے کھڑے ہوئے تو دیوبندیوں کے شامیانے کے نیچے جتنے عوام بیٹھے تھے وہ سب بھی دیوبندیوں کی طرف پیٹھ ہماری طرف منہ کر کے صلاۃ وسلام کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اور ہمارے ساتھ دعا مانگی۔ اس مناظرے کو حافظ ملت نے الگ بیٹھ کر تفصیل سے سنا تھا۔ میں جب مناظرہ سے فارغ ہو کر خدمت میں حاضر ہوا تو فرط محبت میں کھڑے ہوگئے۔ اور بہت دیر تک مبارک باد دیتے رہے۔ دعائیں دیتے رہے۔ پھر ٹاٹی ڈیہری موضع میں جشن فتح منایا گیا تو پوری تقریر میرے بارے میں اور مناظرہ کے بارے میں فرمائی۔

حضرت علامہ حافظ عبدالرؤف بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت سب کو معلوم ہے وہ ایک زبردست عالم بھی تھے اور بہت صاحب تدبیر بھی۔ ان کے وصال سے حافظ ملت کو سخت صدمہ پہونچا تھا۔ لیکن ان کی جگہ کے لئے مجھے منتخب فرمایا اور یہ بھی فرمایا مجھے اس جگہ کے لئے سخت تردد تھا۔ اب اطمینان ہو گیا۔ مگر اس وقت میں بلرام پور والوں کی رکاوٹ کے باعث اشرفیہ نہ آسکا ذوالحجہ ۱۳۹۶ھ میں آیا۔

حضرت محدث اعظم پاکستان قدس سرہ

محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد گورداس پوری ثم لائل پوری

قدس سرہ کی خدمت میں بریلی شریف دس ماہ حاضر رہا۔ پوری صحاح ستہ حرف بہ حرف پڑھی۔ حمد اللہ کے ایک آدھ سبق میں شریک ہوا۔ مبارک پور میں حمد اللہ حافظ ملت سے پڑھ چکا تھا۔ سبق میں شریک ہونے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ضرورت نہیں۔ منطق فلسفہ ایسا فن نہیں کہ حصول برکت کے لئے کسی سے پڑھا جائے۔ دورۂ حدیث میں ۳۲؍ شرکا تھے۔ جن میں سے قراءت کرنیوالے چار پانچ تھے۔ اکثر قراءت میں کرتا تھا۔ علاوہ اوقات درس کے روزانہ عصر و مغرب کے درمیان حضرت کے پاس حاضر ہوتا۔

مسجد بی بی جی کے منتظمین کی بے توجہی تھی کہ انھوں نے حضرت کے حجرہ میں بجلی نہیں لگوائی اس لئے لالٹین استعمال ہوتی تھی۔ میں روزانہ لالٹین صاف کرتا۔ تیل بھرتا، کمرے کی صفائی کرتا اور کوئی خدمت ہوتی تو بجالاتا، جب بھی میں پہونچتا مسکرا کے فرماتے مولوی صاحب آگئے۔ اوقات درس کے علاوہ رات کو بعد عشا پڑھاتے۔ چھٹیوں میں پڑھاتے۔

حافظ ملت جب بریلی آئے میں حافظ ملت کے ساتھ ان سے ملاقات کے لئے گیا۔ حافظ ملت نے پوچھا کہ انہوں نے کچھ پڑھا بھی ہے کہ نہیں؟ فرمایا! پڑھا کر تو آپ نے بھیجا ہی تھا۔ ماشاء اللہ بہت ذہین، ذی استعداد ہے۔ باتیں سمجھتا بھی ہے اور یاد بھی رکھتا ہے۔ ایک بار فرمایا! میرے پاس استفتا کی ڈاک کافی جمع ہے، تم بھی آکر کے کچھ لکھو، میرا کام ہلکا ہو جائے گا۔ تم کو فتویٰ لکھنا بھی آجائے گا۔

پہلی بار دو لفافے دیئے جن میں ایک مسئلہ رضاعت کا تھا اور ایک محرم کے سپاہیوں کے بارے میں: میں نے پہلے رضاعت کا مسئلہ لکھا۔ اس لئے کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی اور مفتی اعظم ہند نے بھی پہلا مسئلہ رضاعت ہی کا لکھا تھا۔ لکھ کر پیش کیا۔ پڑھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور بلا کسی ترمیم کے تصدیق فرمادی۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ بعد میں کبھی ترمیم فرماتے کبھی ہدایت دیتے۔ کبھی دوسرا لکھنے کو

فرماتے۔جب حضرت لائل پور تشریف لے گئے تو دو تین اہم مسائل میں پاکستان کے کچھ علما سے شدید اختلافات ہوئے۔ ایک مسئلہ یہ تھا کہ جانوروں کو علم ہوتا ہے کہ نہیں۔ دوسرا یہ تھا کہ حضرت صدیق اکبر حضرت جبرئیل سے افضل ہیں اس قائل کا حکم کیا ہے۔ تیسرا مسئلہ یہ تھا کہ پورے ملک کا اگر کوئی قاضی ہو۔ قاضی القضاۃ ہو اور وہ ۲۹ر کی رویت کا اعلان کرے تو پورے ملک والوں کو تسلیم کرنا صحیح ہو گا یا نہیں۔

ان تینوں مسائل پر میں نے حضرت کی تائید میں بہت مخصوص فتاویٰ لکھے۔ حضرت نے ان سب کے ملنے کے بعد دعایہ کلمات سے نوازا۔

ایک بار تحریر فرمایا کہ اگر تم لائل پور آجاتے تو مجھے بڑی خوشی ہوتی۔

حضرت مجاہد ملت قدس سرہ

میری فراغت کے وقت حضرت مجاہد ملت قدس سرہ اپنے وطن اڑیسہ دھام نگر مستقل طور پر رہنے لگے تھے۔اور میں گوشہ گمنامی میں تھا۔

جب میں بریلی شریف حاضر ہوا۔ اور مجاہد ملت وہاں تشریف لائے تو میری ان کی ملاقات ہوئی۔

وہ وہاں بار بار تشریف لاتے تھے۔ اور بار بار ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ مختلف ملاقاتوں میں ۔ امکان کذب، تحذیر الناس کی عبارت، تقلید شخصی، جیسے اہم موضوعات پر گفتگو ہوتی تھی۔

برسوں تک عرس رضوی بریلی شریف میں قل کے موقع پر میری تقریر بھی ہوتی رہی ان سب سے حضرت مجاہد ملت مجھ پر دوسرے بزرگوں کی طرح غایت درجہ شفیق و مہربان ہو گئے۔اپنی قائم کردہ تبلیغ سیرت کے ہر جلسے میں بالالتزام مجھ کو مدعو فرمانے لگے۔اس کے تبلیغی دوروں میں ساتھ رکھتے۔اس کے علاوہ اپنے حلقہ اثر کے اجلاس میں بھی مدعو کراتے۔

جہاں کہیں مناظرہ ہوتا مجھے ضرور بلواتے۔ حتی کہ کٹک کے مشہور تاریخی مناظرہ میں باصرار مجھ کو صدر بنایا۔ اور جب حضرت مجاہد ملت کے پمفلٹ پر دیوبندی صدر کٹکی مولوی اسمٰعیل سے ابتدائی مباحثہ ہوا تو بہت خوش ہوئے۔ پیٹھ ٹھونکی۔ دعائیں دیں۔ سنی حضرات بہت خوش تھے۔ مناظرے کے بعد جشن فتح کے تمام اجلاس میں مجاہد ملت نے مجھے باصرار روکا۔ جب میری آنکھوں میں تکلیف تھی اور میں الہ آباد زیر علاج تھا۔ بعض عوارض کی وجہ سے آنکھ کے آپریشن میں تاخیر ہورہی تھی۔ مجھے معلوم ہوا کہ حضرت مجاہد ملت تشریف لائے ہیں۔ میں حاضر ہوا۔ دعا کی درخواست کی، تو کھڑے ہوکر پندرہ منٹ رو رو کر بہت ہی رقت انگیز دعائیں کیں۔

جن میں یہ دعا بھی تھی کہ اے اللہ! یہ دین کی خدمت کرتے ہیں۔ پڑھاتے ہیں۔ فتویٰ لکھتے ہیں۔ تقریر کرتے ہیں۔ بدمذہبوں کے رد میں کتابیں لکھتے ہیں۔ مناظرے کرتے ہیں۔ ان کو شفاعطا فرما۔ ان کی آنکھوں کی بینائی باقی رکھ۔ تاکہ یہ اسی طرح دین کی خدمت کریں۔ اے اللہ! میری آنکھوں کی بینائی ان کو دیدے۔ اس جملے پر مجھے قابو نہ رہا۔ میں نے عرض کر دیا۔ حضور! یہ دعا نہ کریں۔ آپ کے چشم مبارک کی بینائی باقی رہے۔ میری رہے یا نہ رہے۔ پھر بہت دیر تک آنکھوں پر دم فرمایا۔ انگلی سے حصار فرمایا۔ حضرت کی دعاؤں ہی کا صدقہ ہے۔ کہ اب تک میری بینائی باقی ہے۔ اور میں حسب دستور دین کی خدمت انجام دے رہا ہوں۔ اور اس اثنا میں میں نے بخاری کی شرح نزہۃ القاری کی آٹھ نو جلدیں لکھیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مجاہد ملت کو میری طرف سے، اسلام و مسلمین کی طرف سے بہترین جزاعطا فرمائے۔ آمین۔

دیوبندی مناظروں میں الملفوظ شریف پر ۱۹۴۵ء سے اعتراض کر رہے تھے۔ مناظروں میں ان کے جوابات دیئے گئے۔ لیکن وہ سب چھپ بھی نہ سکے۔ میں نے جب ان سب کے جوابات میں کتاب تحقیقات لکھی۔ اور حضرت کی خدمت میں پیش کی تو بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

حضرت سید العلما قدس سرہ

میرا اور سید العلما کا تعارف بہت پہلے سے تھا۔ لیکن پہلی ملاقات شہر گیا بہار میں ہوئی، جب حضرت بہار کے مظلومین کے لئے امدادی رقوم لے کر تشریف لائے تھے۔ بہت محبت وعقیدت کے ساتھ میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں نے قدم بوسی کی لیکن جب معلوم ہوا کہ میں شریف الحق ہوں۔ تو کھڑے ہو گئے اور سینے سے لگایا۔ اور فرمایا میرے برابر بیٹھو، لیکن میں بغل میں نہیں بیٹھا۔ بلکہ وہیں پر کچھ آیات کی تفسیر پوچھی اور گفتگو ہوئی۔

اسی موقع پر پہلی بار میں نے حدائق بخشش حصہ سوم کے متنازع اشعار کے بارے میں گذارش کی کہ ان کو حدائق بخشش سے نکال دیا جائے۔ فرمایا نکالنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اور اس میں کوئی بات نہیں۔ اس کی توجیہ یہ ہے۔

میں جب پہلی بار مارہرہ مطہر عرس نوری میں حاضر ہوا تو باغ باغ ہو گئے۔ اور فرمایا کہ قل کے وقت میری تقریر ہوتی تھی۔ لیکن اب میں اپنا وقت دیتا ہوں۔ اب قل کے وقت تمہاری تقریر ہوا کرے گی۔ بحمدہ تعالیٰ یہ سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔

میں جب مارہرہ مطہرہ پہونچتا تو ہمیشہ ازراہ کرم نوازنے کے لئے میری قیام گاہ پر ایک بار ضرور تشریف لے آتے۔ اس کے بعد حضرت کا یہ دستور ہو گیا کہ اپنے حلقہ ارادت کے اہم جلسوں میں مجھ کو ضرور بلاتے۔ حضرت نے کہاں کہاں بلایا۔ اس کی فہرست بہت طویل ہے۔ اپنی تقریر میں میرے بارے میں نہایت بلند پایہ کلمات ارشاد فرماتے۔

ایک بار فرمایا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حضرت صدر الشریعہ کے بارے

میں فرمایا ہے کہ تفقہ جس کا نام ہے وہ موجودہ علما میں مولوی امجد علی میں زیادہ پائے گا۔ اور اب میں کہتا ہوں کہ چند بزرگوں کو چھوڑ کر تفقہ جس کا نام ہے وہ ہمارے مفتی شریف الحق صاحب میں زیادہ پائے گا بمبئی میں سنی جمیعۃ العلما کی اہم میٹنگوں میں مجھے صدر بنایا شہید اعظم کانفرنس میں میری تقریر ضرور کراتے۔ جب مجھے دیکھتے باغ باغ ہو جاتے۔ اور بہت کرم فرماتے۔ ایک بار دیوبندیوں نے بلرام پور ضلع گونڈہ میں ایک جھوٹا مقدمہ قائم کردیا تھا میں نے دعا کی درخواست کی۔ دعا فرمائی۔ اور فرمایا! جایئے! اب کبھی ایسا نہیں ہوگا۔

حضرت احسن العلما قدس سرہ

حضرت احسن العلما ہم اہل سنت کی مرکزی خانقاہ برکاتیہ کے مسند نشین تھے۔ اس نسبت سے آپ کی حیثیت عظیم و جلیل تھی۔ خود بہت زبردست جید عالم، ذہین وفطین بھی تھے۔ جزیات فقہ پر کامل عبور حاصل تھا۔ بہت شاندار خطیب بھی تھے۔ علمی سیاسی، سماجی، معاشی، جو گفتگو بھی چھڑ جاتی سب میں حاضرین پر فائق نظر آتے۔

اس خادم پر اتنا کرم فرماتے تھے کہ میں شرمندہ ہو جاتا۔ "میں نے پہلی بار کی حاضری میں حضور سید العلما سے عرض کیا۔ دربار میں میری حاضری کرادیں۔ انہوں نے احسن العلما سے فرمایا۔ حسن میاں؟ کوئی موقع نکال کر ان کی حاضری کرا دیں۔ عرس کا ہنگامہ تھا۔ موقعہ ملنا مشکل۔ لیکن احسن العلما نے کرم کرتے ہوئے وقت نکال ہی لیا۔

مجھ سے چپکے سے کان میں فرمایا۔ آج رات تقریر ختم ہونے کے بعد آپ میرے پاس بیٹھے رہیں۔ چنانچہ یہی ہوا تقریر ختم ہونے کے آدھے گھنٹے کے بعد جب زائرین اپنی اپنی قیام گاہوں پر چلے گئے۔ مزار شریف کے خادم رفیق کو بلایا۔ مجھے لے چلے۔ مجھ کو میری پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر برکاتی گنبد میں حاضر فرمایا۔ اور گنبد شریف

کے غربی جنوبی کونے پر بیٹھادیا۔ سب بتیاں گل کردیں، باہر تشریف لے گئے۔ دروازہ بند کردیا۔ میں نے کیادیکھا مجھ پر کیا گذری، نہ میں کہہ سکوں گا نہ آپ سن سکیں گے۔ ع

نمی دانم چہ منزل بود شب جائے کہ من بودم

میں بے ہوش ہوگیا۔ آنکھ کھولا تو دیکھا۔ کہ احسن العلما بیٹھے ہوئے ہیں۔ میرے چہرے پر پانی کی چھینٹیں ڈال رہے ہیں۔ پھر آواز دی۔ سہارادے کر اٹھایا۔ اور بیٹھایا۔ بازو پکڑ کر باہر لائے۔ اور کان میں فرمایا۔ میری زندگی بھر کسی کو بتایئے گامت۔

حضرت احسن العلما کا مجھ پر وہ خصوصی کرم ہے کہ اس میں شاید میں منفرد ہوں۔ فرمایا کرتے تھے کہ تین اشخاص کو بہت ٹھونک بجا کر تحقیق کر کے منتخب کرنا چاہیئے۔ ایک مفتی، دوسرے وکیل، تیسرے ڈاکٹر، میں نے تینوں کو منتخب کر لیا ہے۔ میرا ڈاکٹر فلاں اور وکیل فلاں ہے۔ اور میرے مفتی، مفتی شریف الحق ہیں۔ یہ ہماری خانقاہ کے مفتی ہیں۔ جب تقریر میں کسی اچھی بات پر نعرے لگتے۔ اور نائب مفتی اعظم ہند شارح بخاری زندہ باد کے نعرے لوگ لگاتے تو احسن العلما اپنی پر عظمت آواز میں نعرہ لگواتے۔ برکاتی مفتی، زندہ باد۔ جب مولوی خلیل احمد بجنوری ثم بدایونی نے اپنی چھپی ہوئی وہابیت کا اعلان کر دیا۔ اور لوگوں نے حضرت سے شکایت کی۔ حضرت نے فرمایا! میں مفتی شریف الحق سے بات کرتا ہوں۔ چوں کہ یہ شخص تقیہ کر کے حضرت تاج العلمار حمۃ اللہ علیہ سے مرید ہوا تھا اور ان کا خلیفہ مجاز تھا اور ابتدا انتہائی متصلب سنی بنتا تھا۔ اس لئے حضرت کو کچھ تردد تھا۔ میں ایک بار حاضر ہوا تو مجھ سے دریافت فرمایا۔ ان کے بارے میں کیا کیا سنا دیکھا ہے۔ میں نے بدایوں کے مناظرہ کی پوری رپورٹ سنادی۔ اور میں نے عرض کیا یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ دیوبندیوں کے وہ اکابر جن کی علما اہل سنت کی طرف سے تکفیر ہو چکی ہے وہ ان کی تکفیر سے کف لسان ہی نہیں کرتا۔ بلکہ ان کو اپنا پیشوا مانتا ہے۔ اور وہ بلاشبہ "من شك في كفره وعذابه فقد كفر" کی روسے کافر و مرتد ہو چکا ہے۔ اور یقیناً بلاشبہ اس کی بیعت و اجازت فسخ ہو گئی

ہے۔ اس کے بعد عرس قاسمی میں قل کے موقع پر اس سے اعلان براءت فرمادیا۔ کہ یہ شخص اب سنی نہیں رہا۔ اس کی ارادت وخلافت ختم ہوگئی۔ میرے مریدین اور اہل سنت اس سے کوئی تعلق نہ رکھیں۔

میں عرس قاسمی میں حاضری کی اطلاع دوں یا نہ دوں۔ میرے لئے کمرہ مخصوص کر کے تالا لگوادیتے۔ ہدایت فرمادیتے۔ کہ سوائے ان کے اس میں کوئی نہیں ٹھہرے گا۔ اور بار بار دریافت فرماتے۔ ہمارے مفتی صاحب آئے کہ نہیں۔ اطلاع ملتی کہ میں آگیا۔ تو ارشاد فرماتے۔ مفتی صاحب آگئے اب ہمارا عرس ہو گیا۔ غالبا ۱۹۹۰ء میں بابری مسجد کی تحریک چل رہی تھی۔ ہندوؤں نے شیلانیاس کر لیا تھا۔ ماحول کشیدہ تھا عرس مبارک انھیں ہنگاموں کے دنوں میں پڑا راستے مسدود ومخدوش تھے۔

میں نے از راہ احتیاط ارادہ کیا، امسال عرس میں حاضری نہیں دوں گا۔ پھر طبیعت سخت گھبرائی۔ اور ایک غیبی طاقت مجھے کھینچنے لگی۔ میں عرس کی حاضری کے لئے نکل پڑا۔ کچھ دشواریاں پیش آئیں۔ لیکن میں حاضر ہو گیا۔ بشیر بھائی برکاتی وغیرہ نے بتلایا کہ احسن العلماء نے آج دوپہر کی اپنی تقریر میں اعلان فرمادیا کہ مفتی صاحب آرہے ہیں۔ اور جب میں پہونچا تو باغ باغ ہو گئے۔

اگر علالت کی خبر سنتے تو تار سے خیریت پوچھتے۔ خطوط بھیجتے، آنے جانے والوں سے معلوم کرتے۔ جس زمانے میں مجھے چوٹ لگی تھی۔ اور میں گورکھپور ہاسپٹل میں داخل تھا۔ عیادت کے لئے ہاسپٹل میں تشریف لائے۔ علاج کے لئے کثیر رقم عطا فرمائی۔ اور دعائیں بھی دیں۔

گھوسی مدرسہ شمس العلوم کے لوگوں نے جلسہ دستار بندی کی دعوت دی۔ انھیں جواب دیا۔ میں اس وقت علیل ہوں۔ سفر کے لائق نہیں ہوں۔ اس کے علاوہ اگر میں گھوسی آؤں گا تو سب سے پہلے مفتی شریف الحق کے گھر آؤں گا۔

بجر ڈیہہ بنارس کے لوگوں نے جلسہ دستار بندی کی دعوت دی تو منظور

فرمائی۔ مگر عین موقع پر علیل ہو گئے۔ بنارس کے لوگوں نے جناب مولانا بدر عالم کو بھیجا۔ اس وقت حضرت کان پور میں عتیق برکاتی کے یہاں قیام پذیر تھے۔ حضرت نے بیماری کا عذر بیان فرمایا۔ مولانا بدر عالم نے عرض کیا۔ حضور اگر آپ بنارس تشریف نہیں لے چلیں گے تو لوگ مفتی صاحب کو طعنہ دیں گے، بلکہ بنارس کے ایک سیٹھ صاحب تو پہلے ہی سے کہہ رہے تھے کہ حضرت احسن العلما کو مفتی صاحب نہیں لا سکتے ۔اگر آپ لوگ انھیں بلانا چاہتے ہیں تو بمبئی کے ایک سیٹھ صاحب ہیں جہاں حضرت احسن العلما صاحب تشریف لے جاتے ہیں ان سے رابطہ کریں تو ہو سکتا ہے کہ تشریف لے آئیں۔ اس پر حضرت احسن العلما نے فرمایا۔ جب ایسی بات ہے تو آپ فورا بنارس واپس جایئے اور اعلان کر دیجئے کہ فقیر حسن قادری مفتی شریف الحق کی دعوت پر آرہے ہیں۔ اور میں اب ضرور آؤں گا۔ جایئے اعلان کر دیجئے۔ پھر آپ تشریف لائے اور حضرت احسن العلما کا وہ بنارس کے لئے پہلا اور آخری سفر تھا۔

اسلامی غیرت و حمیت اور عوامی قیادت

شارح بخاری ایک تبحر عالم ہیں۔ منقولات و معقولات کے ماہر و تجربہ کار مدرس ہیں۔ دینی و علمی موضوعات پر روانی کے ساتھ لکھنے والے بلند پایہ مصنف ہیں۔مایہ ناز مقرر ہیں۔ اہل سنت کے نامور مناظر ہیں۔ دارالافتا بریلی شریف و مبارک پور کے سب سے معمر اور منجھے ہوئے مفتی ہیں۔ لیکن ان حیثیتوں کے علاوہ شارح بخاری کی کتاب زندگی کا ایک باب اور بھی ہے جو بہت روشن اور تابناک ہے۔

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے اوپر اگر کسی بد باطن نے کسی طرح کا کوئی حملہ کیا تو تحفظ اسلام اور تحفظ ناموس رسالت کے لئے شارح بخاری بارہا نتائج کی پروا کئے بغیر سینہ سپر ہو گئے ہیں۔اور اس راہ میں انہوں نے یہ نہ دیکھا کہ کتنے لوگ میرے ساتھ ہیں اور نہ اس کی کوئی پروا کی کہ سامنے کون ہے۔ آپ کی اسلامی غیرت و حمیت جوش میں آئی تو عوام کے درمیان پہونچ گئے اور انھیں ساتھ لے کر ان کی قیادت کرتے ہوئے بلا خوف و خطر پرچم حق بلند کر دیا۔ قیادت صرف سیاست کو نہیں کہا جاتا ہے بلکہ عوام کی صحیح رہنمائی کا نام قیادت ہے۔ چاہے وہ جیسے اور جس طریقے سے بھی ہو، دینی قیادت ہو، ملی قیادت ہو یا عوامی و اجتماعی قیادت ہو۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ تقسیم ہند کے چند سال بعد کی بات ہے۔الہ آباد کے ہندی اخبار "امرت بازار پتر کار" میں حضور اقدس ﷺ کی شان میں انتہائی گستاخانہ ایک مضمون شائع

ہوا۔ جسے پڑھتے اور سنتے ہی اتر پردیش کے مسلمان مشتعل ہو گئے۔ اور ہر جگہ مسلمانوں نے اجتماعی طور پر طے کیا کہ آئندہ جمعہ کو شدید احتجاج ہونا چاہیئے۔

شارح بخاری اس وقت مدرسہ شمس العلوم قصبہ گھوسی میں مدرس تھے، ان کی خدمت میں کچھ ذمہ دار حضرات پہونچے۔ اور انہوں نے گذارش کی کہ آپ کی قیادت اور رہنمائی میں ہمارے یہاں گھوسی میں بھی احتجاج ہونا چاہیئے۔ چنانچہ باہمی مشورہ کے بعد طے پایا کہ سبھی مسلمان آنے والے جمعہ کو اپنی دکانیں بند رکھیں، اپنے مکانوں پر سیاہ جھنڈے لگائیں، گھر سے باہر نکلیں تو بازو پر سیاہ پٹی باندھے رہیں، قصبہ گھوسی کے سارے مسلمان چترا کی عید گاہ میں نماز جمعہ پڑھیں۔ نماز کے بعد جلوس نکالیں۔ آخر میں تھانہ و تحصیل ہوتے ہوئے مداپور بر گد کے نیچے میدان میں جمع ہو جائیں۔

ان تجاویز کا عام مسلمانوں میں اعلان ہوا۔ دوسرے دن قصبہ کے تمام مسلمانوں کے مکانوں پر سیاہ جھنڈے لگ گئے۔ مسلمانوں نے اپنے بازوؤں پر سیاہ پٹی باندھ لی۔ اعلان کے مطابق چترا کی عید گاہ میں نماز جمعہ ہوئی۔ جمعہ کے بعد شارح بخاری نے غیرت اسلامی سے بھرپور ایک تقریر کی۔ جس کا کچھ خلاصہ یہ ہے۔ انگریزوں کا فارمولا تھا "لڑاؤ اور حکومت کرو"۔ اور اب کانگریسیوں کا فارمولا ہے۔ مسلمانوں کو دباؤ اور حکومت کرو۔

یہ اس لئے ہو رہا ہے کہ ہندو اکثریت کانگریس کے ساتھ رہے۔ مسلمانوں پر ملازمتوں کے دروازے بند کئے جا چکے ہیں۔ یوپی کے کانگریسی وزیر داخلہ نے سرکلر جاری کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو محکمہ پولس اور انتظامیہ میں نہ لیا جائے۔ ملک میں جگہ جگہ بھیانک فسادات کرائے گئے مسلمانوں کے مکانات اور ان کی دوکانوں کو لوٹا اور جلایا گیا۔ انتہائی بے رحمی اور بے دردی کیساتھ جگہ جگہ مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ لیکن مسلمانوں نے یہ سب کچھ برداشت کیا۔ جان و مال، مکان و دوکان، سے آگے بڑھ کر شر پسندوں نے اب مسلمانوں کی قوت ایمانی کو آزمانا چاہا ہے اور ان کی اسلامی غیرت و حمیت

کو للکارا ہے۔ وہ ذات گرامی جو مسلمانوں کے ایمان کی جان ہے۔ جس کی نعلین پاک کی خاک کے تقدس پر ہر مسلمان اپنا تن، من، دھن، آل واولاد، ماں باپ، اور اپنی عزت و آبرو قربان کرنے کو بھی اپنی زندگی کی معراج سمجھتا ہے، ان کی شان اقدس میں الہ آباد کے ہندی اخبار ''امرت بازار پتر کا'' نے نہایت گستاخانہ مضمون شائع کیا ہے، اور افسوس یہ ہے کہ حکومت اور انتظامیہ نے اب تک اس کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کی۔

حکومت کان کھول کر سن لے۔ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر اپنے رسول، پیغمبر اسلام ﷺ کی شان میں ادنیٰ سی بھی گستاخی برداشت نہیں کر سکتا۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ حکومت بلا تاخیر اس مضمون کے رائیٹر، اس اخبار کے ایڈیٹر، اس کے منیجر اور مالک کے خلاف قانونی کاروائی کرے۔ اس شمارہ کو ضبط کرے۔ اور آئندہ کے لئے ایسا سخت قانون بنائے کہ کسی شرپسند کو ایسی جرأت وہمت نہ ہو سکے۔

شارح بخاری نے اپنی اسی تقریر میں جذبات سے بے قابو مسلمانوں سے پوچھا: کون ہے جو سر پر کفن باندھ کر تیار ہے؟ بیک وقت سارا مجمع پکار اٹھا۔ ہم تیار ہیں۔ ہم تیار ہیں۔ پورے جوش وخروش کے ساتھ سارا مجمع اٹھ کھڑا ہوا۔ فلک شگاف نعرہ لگاتا ہوا تحصیل کی طرف چل پڑا۔ نعرہ تکبیر ورسالت کی ہر طرف گونج تھی۔ بے خودی کے عالم میں یہ نعرے بھی لگ رہے تھے۔ عظمت رسول زندہ باد۔ تحفظ عظمت رسول کے لئے ہم مر مٹیں گے۔ رسول کی توہین برداشت نہیں کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مسلمانوں نے چترا کی عید گاہ کے سامنے سے تھانہ تک پوری سڑک کو جام کر رکھا تھا۔ ہر طرف سر ہی سر نظر آرہے تھے۔ تھانہ پہونچ کر ایک میمورنڈم تھانہ دار کو اور دوسرا تحصیل دار کو دیا گیا۔ اتنا بڑا اور اتنا پر جوش جلوس جس میں صرف مسلمان ہی مسلمان ہوں قصبہ گھوسی کی تاریخ میں اب تک کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آیا۔

۲۔ ۱۹۵۶ء کی بات ہے کہ اتر پردیش کے گورنر مسٹر کے۔ ایم۔ منشی کے زیر اہتمام

"ریلیجس لیڈرس" کے نام سے ایک کتاب چھپی۔ جس میں حضور اقدس ﷺ کی شدید توہین کی گئی تھی۔ اس کتاب کے منظر عام پر آتے ہی پورے صوبہ کے مسلمانوں میں سخت غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور ہر طرف ہیجان پھیل گیا۔

شارح بخاری اس وقت دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں مدرس تھے۔ محرم ۱۳۷۶ھ مطابق عشرۂ اولیٰ ستمبر ۱۹۵۶ء میں اس فتنہ خیز کتاب کے خلاف ہنگامہ کھڑا ہو چکا تھا۔ حضرت مفتی اعظم ہند نے شارح بخاری کو حکم دیا کہ اس کتاب کے خلاف بریلی شریف میں احتجاجی جلسے کیجئے۔ چنانچہ ایک ہفتہ تک احتجاج کا سلسلہ قائم رہا۔ مسلمانوں کی دو اہم تجویزیں تھیں۔

۱۔ اس رسوائے زمانہ کتاب "ریلیجس لیڈرس" کو ضبط کیا جائے۔ اور اس کے مصنف اور ناشر کو قرار واقعی سزا دی جائے۔ اس کے ناشر کے۔ ایم۔ منشی کو فوراً اس کے عہدہ سے معزول کر دیا جائے۔

۲۔ مذہبی رہنماؤں کی توہین کے قانون میں ترمیم کی جائے۔ اور قانون یہ بنایا جائے کہ کسی بھی مذہبی رہنما کی توہین کی سزا پھانسی یا کم از کم حبس دوام بعبور دریائے شور ہو گی۔

اور حکومت کو وارننگ دیدی گئی کہ جب تک ہمارے یہ دونوں مطالبے پورے نہیں ہوں گے ہمارا احتجاج جاری رہے گا۔ اور ہم کسی بھی پارٹی کو ووٹ نہیں دیں گے۔ الیکشن کا بائیکاٹ کریں گے۔ آخری جلسہ جمعہ کی شب میں کانکر ٹولہ شہر کہنہ بریلی میں ہوا۔ جس میں ایک اندازے کے مطابق پچاس ہزار افراد شریک تھے۔

دوسرے دن جمعہ تھا صوبے کے تمام مسلمانوں کی قرارداد کے مطابق طے تھا کہ پورے صوبے کے مسلمان اپنی دکانیں بند رکھیں۔ اپنے مکان پر سیاہ جھنڈے لگائیں۔ اپنے سینوں پر بطور احتجاج سیاہ بلے لگائیں۔ لیکن کوئی جلوس ہرگز نہ نکالیں۔

البتہ سب لوگ اپنے اپنے شہر کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کریں۔ اور دعا خوانی میں شریک ہوں۔

مگر اسلامیہ کالج بریلی کے ناتجربہ کار جوشیلے طلبہ لگ بھگ دس بجے دن میں اسلامیہ کالج کے گراؤنڈ میں جمع ہوگئے۔ وہاں طلبا نے اپنے طور پر تقریریں کیں۔ اور اس کے بعد جلوس کی شکل میں جامع مسجد چلے۔ یہ جلوس اسلامیہ انٹر کالج سے بریلی چوک آیا۔ اور چوک سے بڑا بازار ہوتا ہوا جامع مسجد جارہا تھا۔ راستے میں مقامی ہندوؤں نے جلوس پر حملہ کردیا۔ جلوس پر پتھراؤ کیا۔ لاٹھیاں برسائیں، کچھ افراد تو منتشر ہوگئے۔ لیکن کسی نہ کسی طرح یہ جلوس جامع مسجد تک پہونچ گیا۔

دوسری طرف یہ ہوا کہ صبح نو بجے شہر کے چھ سات معزز افراد نے شارح بخاری سے ملاقات کرکے بتلایا کہ کلکٹر صاحب نے ہمیں آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ اب یہ احتجاجی جلسے جلوس بند کردیئے جائیں۔ اور اپنے مطالبات لکھ کر مجھے دیدیئے جائیں۔ میں انھیں اوپر بھیج دوں گا۔ اور میں پوری کوشش کروں گا کہ یہ مطالبات منظور ہوجائیں شارح بخاری نے ان لوگوں سے کہا کہ اس قسم کی باتیں پہلے بھی مقامی حکام کہہ چکے ہیں لیکن اب تک اس پر کوئی بھی کاروائی نہیں ہوئی اور اس وفد سے کہا کہ وقتی طور پر معاملے کو رفع دفع کرنے کے لئے اور مسلمانوں کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لئے اس قسم کی باتیں کی جاتی ہیں۔ جب تک قانونی طور پر ہمارا مطالبہ منظور نہیں ہوگا ہم اپنی تحریک چلاتے رہیں گے ان لوگوں نے کہا: کلکٹر صاحب بااختیار حاکم ہیں وہ دفعہ ۱۴۴ ریا کرفیو بھی نافذ کرسکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اگر ایسا کوئی اقدام ہوا تو پھر ہم سوچیں گے کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ اس گفتگو میں آپ کے ساتھ حضرت مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی بھی شریک تھے۔

شارح بخاری و مفتی مجیب الاسلام صاحب جب ساڑھے بارہ بجے جامع مسجد بریلی پہونچے تو مسجد مسلمانوں سے کھچاکھچ بھری ہوئی تھی۔ گلی اور سڑک تک آدمی تھے

ان حضرات کو دیکھتے ہی جوش و خروش کے ساتھ مجمع نے نعرہ لگانا شروع کیا۔ بڑی مشکل سے یہ مجمع قابو میں آیا۔

نماز کے بعد حضرت مولانا ثناء اللہ اعظمی (مئوناتھ بھنجن) جو اس وقت بریلی شریف ہی میں تھے۔ان کی تقریر شروع ہوئی۔ دوران تقریر شارح بخاری کو اطلاع ملی کہ جامع مسجد کے شمالی جانب گلی میں غیر مسلم جمع ہیں اور حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ شارح بخاری شمالی گیٹ کے باہر کھڑے ہوئے مسلمانوں کو سمجھا بجھا کر کسی طرح اندر جمع کیا اور پھر مسجد کا گیٹ بند کر دیا۔ پھر منبر کے پاس آکر اعلان کیا کہ باہر کی فضا کشیدہ ہے اس لئے آپ سب لوگ مسجد کے اندر رہیں۔ اور کوئی دوسرا اعلان ہونے کے بعد ہی باہر نکلیں۔ چار بجے شام تک یہی حالت رہی۔

باہمی صلاح و مشورہ کے بعد چار بجے اعلان ہوا کہ مسلمان مسجد کے جنوبی گیٹ سے باہر نکلیں اور فلاں راستے سے اپنے اپنے گھر چلے جائیں۔

شارح بخاری پانچ بجے شام کو اپنی قیام گاہ محلہ معماران بہاری پور واپس آئے تو انہیں اطلاع ملی کہ کتب خانہ (بریلی کی مشہور سڑک) وغیرہ میں ہنگامہ شروع ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کی دوکانوں کو لوٹا جا رہا ہے اور واپس آنے والے مسلمانوں کو جگہ جگہ مارا پیٹا جا رہا ہے کلکٹر صاحب نے فساد کا بہانہ بنا کر دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دیا ہے۔

المختصر یہ کہ پولس نے شارح بخاری اور حضرت مولانا ثناء اللہ اعظمی و مفتی مجیب الاسلام نسیم اعظمی اور کچھ مقامی لوگوں پر ۱۰۷ / ۱۱۷ کا کیس کر دیا۔ جو آٹھ ماہ تک چلتا رہا۔ کیس سے نمٹنے میں کتنی زحمت اور پریشانی اٹھانی پڑتی ہے یہ سب کو معلوم ہے۔ آٹھ ماہ کے بعد بالآخر مجسٹریٹ نے سب لوگوں کو بری کیا۔

بھنگا ضلع بہرائچ کیس:

مارچ ۱۹۷۲ء میں ایک نئی مسجد بمقام قصبہ بھنگا ضلع بہرائچ کے افتتاح کے جلسہ میں شارح بخاری شریک ہوئے۔ ساتھ میں مولانا غلام محمد خاں عزیزی مرحوم اور مولانا عزیزالرحمٰن نعیمی وغیرہ بھی تھے۔ شارح بخاری اس وقت جامعہ انوارالقرآن بلرامپور ضلع گونڈہ کے شیخ الحدیث تھے۔

جلسہ سے پہلے کچھ لوگوں نے شارح بخاری کو بتایا کہ تین چار دن پہلے یہاں ایک پنڈت آیا تھا۔ اور اس نے حضور اقدس ﷺ کی شان میں نہایت گستاخانہ کلمات استعمال کئے۔ یہ خبر سن کر شارح بخاری کے اعصاب جھنجھلا اٹھے۔ تقریبا بارہ بجے جب آپ جلسہ گاہ پہونچے تو کوئی نعت خواں ایک شاعر کی وہ نعت پڑھ رہا تھا جس کا ایک مصرع یہ ہے۔ جہاں رب کے میت، جہاں مدنی سنوریا۔

یہ مصرع سن کر شارح بخاری غصہ سے تلملا اٹھے۔ اور جب آپ کی تقریر شروع ہوئی تو فرمایا۔ علمائے کرام نے تحریر فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی شان میں کلمہ تصغیر کا استعمال ناجائز ہے اگر بہ نیت توہین ہو تو کفر ہے۔ سنوری سانولے کو کہتے ہیں۔ اور سنوریا اسی سنوری کی تصغیر ہے جس کا استعمال مدنی سنوریا کہہ کر اس مصرع میں کیا گیا ہے جو ناجائز ہے۔ حضور اقدس ﷺ کے وصف میں سنوریا کہنا جھوٹ بھی ہے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ سانولے رنگ کے نہیں تھے بلکہ سرخ سفید ایسے روشن چہرہ والے تھے کہ دیکھنے والوں نے بتایا کہ محسوس ہوتا تھا کہ سورج رخ انور میں تیر رہا ہے اس لئے مدح میں حضور اقدس ﷺ کے لئے سنوریا کا لفظ جائز نہیں نعت خواں حضرات آئندہ پرہیز کریں۔ پھر شارح بخاری نے فرمایا۔ ہندی میں

سنوریا بہ معنیٰ محبوب استعمال ہوتا ہے اور وہ بھی اس مناسبت سے کہ کرشن کنہیا کا رنگ سانولا تھا۔ وہ ایک طبقہ کا بہت محبوب پیشوا ہے۔ اسے اوتار ماننے والے لوگ بھی جو ہسٹری بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ بچپن میں مکھن چرا کر کھاتے تھے۔ چنانچہ بہت سے ہندو فخر یہ گاتے ہیں۔ مکھن چریا۔ اور ان کے بچپن میں مکھن چرا کر کھانے کی تصویر کتابوں میں چھاپتے ہیں اور اپنے گھروں میں رکھتے ہیں۔

عجیب قصہ ہے کہ رادھا جو ان کی چہیتی تھی اس کے سلسلہ میں خود ان کے پرستاروں نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ رادھا اپنی سہیلیوں کے ساتھ جمنا میں نہارہی تھی۔ اسی دوران کنہیا وہاں پہونچ گئے۔ وہ گھاٹ پر سہیلیوں کے رکھے ہوئے کپڑے لے کر پیڑ پر چڑھ گئے۔ نہانے کے بعد لڑکیوں نے دیکھا کہ ان کے کپڑے غائب ہیں۔ تو بہت پریشان ہوئیں۔ ادھر پیڑ ہی پر سے کنہیا نے بانسری بجائی۔ بانسری کی آواز جیسے وہ سب پہچانتی تھیں اسے سن کر چونک گئیں۔ اور پھر ان سب نے دیکھا کہ پیڑ پر کنہیا بانسری بجا رہے ہیں اور سب کے کپڑے ان کے سامنے رکھے ہوئے ہیں۔ تب مجبورا ایک ایک لڑکی برہنہ حالت ہی میں وہاں آتی اور اپنے کپڑے لے جاتی۔

شارح بخاری کا مقصد یہ تھا کہ ہمارے مذہب کی قدریں اور ہیں اور دوسرے مذاہب کی کچھ اور۔ ہمارے یہاں عظمت و تقدس مذہب کی بنیاد پر ہے۔ ہمارے بزرگوں، پیشواؤں، کی عملی زندگی کچھ اور ہے اور دوسروں کی کچھ اور۔ دوسرے مذہبی رہنماؤں اور ان کے اوتاروں کے جو نام ہیں یا ان کے جو اوصاف مشہور و معروف ہیں، انہیں ہمارے حضور ﷺ پر چسپاں کرنا کسی طرح صحیح نہیں۔

جلسہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔ اور کسی طرف سے کوئی ایسی بات اس وقت سننے میں نہیں آئی جس سے یہ اندازہ ہو کہ کسی غیر مسلم طبقہ کے لوگوں کو یہ بات اور تقریر کا یہ حصہ برا لگا۔ لیکن قصبہ بھنگا جس کے ٹاون ایریا کا چیرمین سنیوں کی غالب اکثریت کی وجہ سے ہمیشہ سنی ہوتا تھا۔ اور اس بار سوئے اتفاق سے ایک دیوبندی العقیدہ

شخص چیر مین ہو گیا تھا۔ اس تقریر کے دو ایک روز بعد مولانا عزیز الرحمن نعیمی جو شارح بخاری کے ساتھ تھے ان کی تحریک پر عدم اعتماد کی تحریک چیر مین کے خلاف پیش ہو گئی تھی۔ اس لئے انتقامی کاروائی کے طور پر کوتوال سے ملکر اس نے ایف، آئی آر، درج کرادی کہ ہندو دیوتاؤں کو برا بھلا کہا گیا ہے اور دیوبندیوں کو کافر کہا گیا ہے۔

صفر ۱۳۹۳ھ مطابق مارچ ۱۹۷۳ء میں اسی رپورٹ کی بنیاد پر قصبہ بھنگا ضلع بہرائچ کا داروغہ، بلرام پور ضلع گونڈہ پہونچا۔ شارح بخاری نے اپنی تقریر میں کچھ اور کہا تھا اور ایف، آئی، آر، میں کچھ اور درج تھا۔

قصہ مختصر یہ کہ ناکردہ گناہی کے جرم میں شارح بخاری کو حوالات اور جیل جانا پڑا۔ (غالبا مشیت ایزدی کو یہی منظور تھا کہ اسلاف کرام کی ایک اہم سنت شارح بخاری سے ادا ہونے سے باقی نہ رہ جائے۔ چونکہ ہمارے بزرگوں نے دین کی راہ میں قید و بند کی جو عظیم مشقت جھیلی ہے وہ کسی پر مخفی نہیں جب آپ کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالی گئی تو آپ زبان حال سے یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

بیڑیاں مجھ کو پہننے میں کوئی ذلت نہیں
باپ دادا کا طریقہ سنت سجاد ہے یہ

بہر کیف آپ جیل میں تشریف لے گئے اور دوسرے دن آپ کو جیل کے اسپتال میں پہونچا دیا گیا جہاں جیل سے نسبتاً کچھ آرام تھا۔ شارح بخاری کو گم سم دیکھ کر ایک پنڈت جی نے کہا کہ اگر اس طرح جیل میں رہیں گے تو بیمار پڑ جائیں گے۔

بہر حال ان سے گفتگو شروع ہوئی اور اخیر میں مذہبی گفتگو ہونے لگی پنڈت جی نے کچھ مذہب اسلام پر اعتراضات کئے، اور حضرت شارح بخاری نے ان کے معقول جوابات ارشاد فرمائے، اس کے بعد جواب آن غزل کے طور پر ہندو مت کے بارے میں کچھ تنقیدیں حضرت نے کیں۔ یہ ساری گفتگو ادھیڑ عمر کا قیدی جو راجستھان کا باشندہ تھا بغور سن رہا تھا، جس کا نام جے پال تھا۔ اور یہ مجلس بارہ بجے کے قریب ختم ہو گئی۔

دوسری دن ہسپتال کے گراونڈ میں جے پال ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوا ملا اور اس نے ہندوؤں کے طریقے پر پرنام کیا اور کہا کہ میں بہت دیر سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ کل پنڈت جی سے جو آپ کی باتیں ہوئیں، وہ سب میں نے سنیں۔ آپ کی باتیں بہت اچھی لگیں، آپ مجھ کو مسلمان کر لیجئے۔ شارح بخاری نے اسے فوراً کلمہ پڑھایا کفر وشرک سے توبہ کرایا۔ اور اسلام کے بنیادی عقائد اور فرائض بتائے، اس کے بعد وہ پیر پر گر پڑا۔ اس کا اسلامی نام بھی رکھا۔ —

اس کے بعد شارح بخاری فرماتے ہیں۔ میرے دل میں خیال اٹھا کہ جے پال کا مسلمان ہونا میرے ہاتھ پر مقدر تھا۔ اس لئے مجھ کو جیل خانے بھیجا گیا اور سی کلاس میں رکھا گیا اور انتہائی محبت کرنے والے ذہین فطین احباب کے ہوتے ہوئے، ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا گیا۔ اس تصور سے کہ ایک کافر میرے ہاتھ پر مسلمان ہوا میری ساری کلفتیں اور اذیتیں ایک دم کافور ہو گئیں۔ اور میں بہت ہشاش بشاش ہو گیا۔ اور معاً یہ خیال بھی دل میں آیا کہ جیل خانے میں آنے کا مقصد پورا ہو گیا۔ آج ہی انشاءاللہ تعالیٰ میں جیل خانے سے باہر نکل جاؤں گا۔ جے پال چلا گیا پنڈت نے پوچھا مولوی صاحب: کیا بات ہے آپ بہت خوش نظر آرہے ہیں؟ میں نے اس سے کہا کہ میرا دل کہہ رہا ہے کہ آج میری ضمانت ہو جائیگی اور میں آج ہی جیل خانے سے باہر ہو جاؤں گا۔ اس نے پوچھا کیسے معلوم ہوا؟ میں نے کہا کیسے معلوم ہوا یہ مت پوچھئے انشاءاللہ تعالیٰ ہو گا یہی!

اور بفضلہٖ تعالیٰ شارح بخاری کی امید پوری ہوئی، اور اسی دن تقریباً تین بجے ایک قیدی آیا اور اس نے خوش خبری دی کہ جیل سے آپ کی رہائی کا پروانہ آگیا ہے میں نے اللہ کا شکر ادا کیا، اس کی حمد بجالایا، اور خوشی خوشی وہاں سے دفتر میں آیا تو بیگل صاحب اور دیگر احباب موجود تھے۔ بہت تپاک اور محبت سے ملے سارے کاغذات کی خانہ پری ہو چکی تھی! مجھ سے دستخط کرائے گئے اور جیل خانے سے باہر جانے کی اجازت دے دی گئی! مڑ کر دیکھا تو وہ پنڈت کھڑا تھا اور حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ تین دن بعد میں

جیل خانے سے باہر آیا۔ فالحمد للہ علی ذالک

دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور آنے کے بعد بہرائچ کچہری میں کیس چلا۔ پیشیاں ہوئیں۔ پریشانیاں ہوئیں۔ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ سے بہرائچ تک کی آمد و رفت کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں اس کے بعد بدقت تمام یہ کیس ختم ہوا۔ اور شارح بخاری کو باعزت بری کر دیا گیا۔

یہ چند نمونے ہیں۔ شارح بخاری ہر موقع پر عوام کی صحیح رہ نمائی اور مناسب قیادت فرماتے رہے۔ جن کی تفصیل دراز ہوگی۔

افریقہ، حجاز مقدس اور پاکستان

کا ایک سفر

شارح بخاری نے ۱۹۹۶ء میں زامبیا، زمباوے اور حرمین شریفین وپاکستان کا ایک طویل سفر امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں سجادہ نشین خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف کی ہمرکابی میں کیا۔ سفر کے واقعات وتاثرات خود شارح بخاری کی زبانی نہایت اختصار کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

۳۰۔ جون کو ممبئ کیلئے اشرفیہ مبارکپور سے روانہ ہوئے۔ ساتھ میں ممبئ تک کے لئے مولانا عبدالحق رضوی اور گورکھپور تک کے لئے مولوی محمد مرتضی گونڈوی بھی تھے۔ گورکھپور باندرہ ایکسپریس سے یہ سفر ہوا تھا مسجد غوثیہ، گھاٹ کوپر، نرائن نگر، ممبئ میں میں نے قیام کیا۔ سیٹھ افلاطون اور الحاج ابراہیم احمد برکاتی وغیرہ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ ۴۔ جولائی کی صبح کو ہمارا جہاز ممبئ سے مارلیشش (افریقہ) ہوتا ہوا زمباوے (افریقہ) کے دارالسلطنت ہرارے ایرپورٹ پر پہنچا۔ جہاں پچاسوں افراد استقبال کے لئے موجود تھے۔ حاجی محمد حنیف برکاتی، محمد اشرف صاحب، نوری صاحب اور نور نظر مولانا حافظ حمید الحق ودیگر سنی عوام وخواص نے نعروں کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ ہرارے میں مسلمان، عیسائی، ہندو سب آباد ہیں۔ وہاں کے کالوں میں مسلمان بھی ہیں جو شافعی المذہب ہیں۔ مبلغ اسلام حضرت مولانا عبد العلیم صدیقی میرٹھی خلیفہ امام احمد رضا بریلوی اپنے تبلیغی دورہ پر بارہا یہاں تشریف لے جاچکے ہیں۔ حاجی محمد حنیف برکاتی وغیرہ کی جدوجہد سے علما اہلسنت ہرارے تشریف لے جایا کرتے ہیں

احسن العلما سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں بھی یہاں تشریف لے جاچکے ہیں۔ الحاج محمد امین برکاتی جو میرے سفر کے داعیوں میں سر فہرست ہیں وہ اور الحاج محمد حنیف برکاتی ہرارے میں سنیت کا بڑا کام کر رہے ہیں۔ الحاج محمد حنیف برکاتی ہمارے میزبان خصوصی تھے۔ قاری غلام احمد رضا بھی ہرارے میں سنیت کی بڑی خدمت کر رہے ہیں انہوں نے کچھ دن اشرفیہ میں تعلیم پائی ہے۔ پھر دار العلوم شاہ عالم احمد آباد گجرات سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اہم اور قابل ذکر ایک نسبت یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد جان جام جودھپوری کاٹھیاواڑی خلیفہ امام احمد رضا بریلوی کے یہ داماد ہیں۔

۵ر جولائی کو ہرارے میں ملکی سطح پر یوم رضا کا اہتمام ہوا تھا جس میں برطانیہ سے مولانا شاہد رضا نعیمی بلائے گئے تھے۔ اس پروگرام میں میری اور ان کی تقریریں ہوئیں۔ پروگرام کا اختتام "مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام"۔ پڑھ کر دعا کے بعد ہوا ۔ دوسرے دن بھی اسی طرح مولانا شاہد رضا نعیمی کی اور میری تقریریں ہوئیں۔ ہرارے میں پندرہ دن قیام رہا۔ دعوتیں اور ضیافتیں ہوئیں۔ مخلصین نے سیر و تفریح کا بھی انتظام کیا جس میں قاری غلام احمد رضا اور نور چشم مولانا حافظ حمید الحق وغیرہ میرے ہمراہ تھے۔ ہرارے پہنچنے کے دو تین روز بعد میرے خاص کرم فرما الحاج محمد رفیق برکاتی بھی پہنچ آئے۔ ڈربن ساؤتھ افریقہ کے ایک سفر سے محمد رفیق برکاتی صاحب ہرارے پہنچے تھے۔ ان کے ساتھ ڈربن کے مولانا عبد الہادی بھی تھے۔ الحاج عبد القادر برکاتی کی بھی ہرارے میں بہت سی کرم فرمائیاں میرے ساتھ رہیں۔ الحاج محمد رفیق برکاتی والحاج عبد القادر برکاتی گیگا فیملی کراچی پاکستان کے افراد ہیں۔ جنکا آبائی تعلق علاقہ کاٹھیاواڑ (انڈیا) کی مشہور ریاست کتیانہ سے ہے۔ مختلف ممالک میں گیگا فیملی کی تجارت پھیلی ہوئی ہے۔ یہ پوری فیملی سادات مارہرہ مطہرہ کے دامن کرم سے وابستہ پختہ متصلب سنی اور نہایت مخلص و مخیر ہے۔ ہرارے میں پندرہ دن قیام کے بعد زامبیا (افریقہ) کے دار السلطنت لوساکا پہنچ کر دو دن یہاں قیام رہا۔ یہاں مولانا حافظ احمد

القادری مصباحی سابق استاذ اشرفیہ مبارکپور شہر کے مفتی وخطیب تھے جو اب امریکہ جا چکے ہیں۔ دو دن لوساکہ میں قیام کے بعد تنزانیہ (افریقہ) کے دار السلطنت دار السلام کا سفر ہوا۔ یہاں بھی الحاج محمد رفیق برکاتی صاحب کی مہربانیاں ہمارے ساتھ رہیں۔ اور یہیں پہلی بار ان کے بھائی الحاج محمد امین برکاتی سے میری ملاقات ہوئی۔ دار السلام میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ بحمدہ تعالیٰ صحیح العقیدہ سنی ہیں۔ اور تقریبا کل کے کل شافعی المذہب ہیں اور یہاں کے مقامی علما بھی صحیح العقیدہ سنی ہیں۔ دار السلام جب ہم لوگ پہنچے تو ربیع الاول کا مہینہ شروع ہو چکا تھا اور جگہ جگہ عید میلاد النبی کی بڑے پیمانہ پر تیاری چل رہی تھی ہرارے، لوساکا، دار السلام ہر جگہ بفضلہ تعالیٰ اسلام وسنیت کی تبلیغ کی طرف ہم نے اپنی توجہ مرکوز رکھی جگہ جگہ ہم نے تقریریں کیں۔ جو لوگ ملنے آتے اور دینی مسائل پوچھتے انہیں صحیح شرعی مسائل بتلائے جاتے ان کے مقامی حالات کے پیش نظر مناسب انداز سے ان کی اصلاح کی کوشش کی جاتی۔ وہابیت اور اسکی شاطرانہ چالوں سے آگاہ کرتے۔ بد عقیدہ مولویوں سے دور رہنے کی تعلیم دی جاتی۔ بے شمار لوگوں نے اپنے سولات کے جوابات پائے جس سے وہ لوگ خوش بھی ہوئے۔ متاثر بھی ہوئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس طرح دین کی خدمت ہوئی۔ دار السلام (تنزانیہ افریقہ) سے ہم لوگ حرمین طیبین کے لئے روانہ ہوئے ساڑھے چار گھنٹے میں عدلیس ابابا (ایتھوپیا افریقہ) پہنچ کر یہیں احرام باندھا گیا۔ یہاں حاجی عبد القادر برکاتی، حاجی محمد حنیف صاحب، نوری صاحب، اشرف صاحب سب پہونچے ہوئے تھے ایتھوپیا جس کا پرانا نام حبشہ ہے عہد رسالت میں صحابہ کرام ہجرت کر کے یہیں آئے تھے۔ جدہ پہونچ کر حضرت سید امین میاں۔ حاجی عبد القادر اور میں ایک ٹیکسی سے مکہ مکرمہ پہونچ کر ایک ساتھ فندق مکہ میں قیام پذیر ہوئے اور سب نے عمرہ کی سعادت حاصل کی۔ ۲۵۔ ۲۶ جولائی ۱۹۹۶ء کو مکہ مکرمہ میں قیام کر کے بذریعہ ٹیکسی ہم سب لوگ مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہو گئے اور کونین کے سرکار کی بارگاہ میں حاضری دی۔ سعودیہ

کے ہوٹلوں میں ڈبے کا گوشت استعمال ہوتا ہے۔ گوشت سپلائی کرنے والی یورپین کمپنیاں معلوم نہیں کہ جانوروں کو ذبح کراتی ہیں یا نہیں۔ اور یہ بھی پتہ نہیں ذبح کرنے والے کون لوگ ہوتے ہیں۔ مشہور یہی ہے کہ یہ ذبیحہ مشینوں کا ہوتا ہے۔ حکم شرعی یہ ہے کہ اگر مسلمان نے بطریقہ شرعی جانور ذبح کیا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے بھی مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہوکر غیر مسلموں کے قبضہ میں وہ ذبیحہ چلا گیا تو اس کا کھانا جائز نہیں۔ سرکار اور ان کے دیار پاک کی برکتوں سے ہمارا پورا وجود سرشار تھا۔ محسوس ہوتا تھا کہ سرکار بھی اس وقت ہم ناکارہ نکمے غلاموں پر مائل بکرم ہیں۔ آنسووں کی لڑی جاری ہے اور کرم کی بارش بھی ہو رہی ہے۔ ہمارا حال اس وقت یہ تھا اور ساری کیفیت ویسے ہی تھی جسے عاشق رسول امام اہلسنت نے اپنے انداز میں اس طرح پیش کیا ہے:

سرکار ہم گنواروں میں طرز ادب کہاں
ہم کو تو بس تمیز یہی بھیک بھر کی ہے

اف بے حیائیاں کہ یہ منہ اور ترے حضور
ہاں! تو کریم ہے تری خو در گذر کی ہے

مانگیں گے مانگے جائیں گے، منہ مانگی پائیں گے
سرکار میں نہ لا ہے نہ حاجت اگر کی ہے

تجھ سے چھپاؤں منہ تو کروں کس کے سامنے
کیا اور بھی کسی سے توقع نظر کی ہے

جاؤں کہاں پکاروں کسے کس کا منہ تکوں
کیا پرسش اور جا بھی سگ بے ہنر کی ہے

لب وا ہیں آنکھیں بند ہیں پھیلی ہیں جھولیاں
کتنے مزے کی بھیک ترے پاک در کی ہے

مواجہہ اقدس پہ حاضر ہو کر درود وسلام کے جتنے بھی صیغے یاد تھے سب عرض کئے اور پھر جو کچھ بھیک مانگنی تھی مانگی۔ میری سب سے اہم بھیک یہی تھی کہ سرکار اتنی مہلت دے دیں کہ شرح بخاری مکمل ہو جائے۔

بحمدہ تعالیٰ مدینہ طیبہ میں چار پانچ دن حاضری رہی۔ حضرت سید امین میاں ۳۰۔ جولائی کی شام کو ہندوستان کے لئے روانہ ہو گئے ۔ الحاج عبد القادر برکاتی بھی کراچی چلے گئے۔ مگر الحاج محمد رفیق برکاتی مع اہل وعیال یہاں آگئے دو تین روز ان کے ساتھ بھی مدینہ طیبہ میں قیام رہا سفر اور قیام کی ساری سہولیات برکاتی برادران کی مرہون منت تھیں اس لئے میں نے ہر جگہ اللہتبارک وتعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان سب کو ہمیشہ صحیح العقیدہ سنی رکھے، ان سے دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت لے، ایمان واسلام کے ساتھ ہر ایک کا خاتمہ ہو۔ اور سرکار کی شفاعت انہیں نصیب ہو۔

کونین کے سرکار، دو جہاں کے مالک ومختار، سید ابرار واخیار سے میں نے عرض کیا کہ سرکار اس بنا پر کہ میں آپ کی بارگاہ کا ادنی کتا ہوں۔ آپ کے دشمنوں پر بھونکتا ہوں اور آپ کے نیاز مندوں کی حمایت کرتا ہوں۔ ان لوگوں نے میرا اتنا اعزاز کیا ہے۔ سرکار اپنے خزانہ عامرہ سے اور اپنے فیضان سے انہیں اتنا نواز دیں کہ یہ اور ان کی آل واولاد ہمیشہ شاد وآباد رہیں۔

قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین قادری مدنی خلیفہ امام احمد رضا بریلوی کے نہایت ہی لائق فائق شاہزادے اور ان کے سچے جانشین حضرت مولانا شیخ فضل الرحمن قادری رضوی جو مدینہ طیبہ کے شہری اور مستقل باشندے ہیں ان کی زیارت نصیب ہوئی اور انہوں نے بڑے اکرام واعزاز سے نوازا مدینہ طیبہ ہی میں عزیزم مولانا افتخار احمد مصباحی سابق استاذ اشرفیہ مبارکپور سے بھی کئی ملاقاتیں ہوئیں اور انکا ساتھ

رہا۔

ایک روز حضرت مولانا فضل الرحمن قادری کے گھر میلاد شریف میں بھی شرکت کی۔ مولانا الحاج عبدالستار بتانے والے مجھے اپنی گاڑی سے حضرت کے دولت کدہ پر لے گئے۔ میلاد شریف میں مدینہ طیبہ کے معززین اور بڑے علما موجود تھے۔ سب سے ملاقات ہوئی۔ حضرت مولانا ضیاء الدین قادری مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ و خلیفہ جو ایک معمر عالم تھے انہوں نے قصیدہ بردہ سے میلاد پاک کا افتتاح کیا۔ پھر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے ۱۰، ۱۵، منٹ میلاد شریف پڑھا اور ان کے حکم پر میں نے بھی ایک گھنٹہ تقریر کی۔ اس میلاد میں ڈھائی تین سو کی تعداد میں ہندوستانی وپاکستانی زائرین بھی تھے۔ "مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام" پڑھ کر دعا کے بعد میلاد شریف اختتام پذیر ہوا۔ مدینہ طیبہ سے دوبارہ الحاج محمد رفیق برکاتی کے ساتھ مکہ مکرمہ حاضری ہوئی۔ اور عمرہ کیا۔

۳، اگست کی صبح کے وقت کراچی پہونچا۔ حاجی عبدالصمد، حاجی ابو بکر، حاجی عارف، حاجی عبدالرحیم وغیرہ سے ملاقاتیں ہوئیں۔ حاجی ابو بکر برکاتی کے اصرار پر انھیں کے گھر قیام رہا۔

حافظ ملت کے چہیتے شاگرد اور اشرفیہ مبارکپور کے فارغ التحصیل حضرت مفتی ظفر علی نعمانی سابق ممبر قومی اسمبلی پاکستان کی طلب پر مولانا عطاء المصطفیٰ امجدی مصباحی شہزادۂ محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری شیخ الحدیث اشرفیہ مبارکپور و مولانا صابر امجدی کے ساتھ دارالعلوم امجدیہ کراچی پہونچا۔ مولانا عطاء المصطفیٰ امجدی اسی دارالعلوم امجدیہ میں مدرس ہیں دارالعلوم امجدیہ شہر کراچی کا سب سے بڑا سنی دارالعلوم ہے جس کے بانی حضرت مفتی ظفر علی نعمانی ہیں۔ حضرت مولانا عبدالمصطفیٰ ازہری شہزادۂ صدر الشریعہ اور حضرت مفتی وقارالدین تلمیذ صدر الشریعہ علیہم الرحمۃ والرضوان دارالعلوم امجدیہ کے شیخ الحدیث رہ چکے ہیں۔

دار العلوم امجدیہ کی وسیع و عریض بہت خوبصورت عمارت ہے اور اس سے ملحق ایک عظیم الشان مسجد بھی ہے۔ دار العلوم امجدیہ کے طلبہ و مدرسین نے میرا بہت پر جوش استقبال کیا۔

ایک دن الحاج عبد القادر برکاتی کے یہاں شام کے کھانے پر میں اور بہت سے احباب مدعو تھے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں کے سوالات اور میرے جوابات کا سلسلہ جاری تھا کہ اچانک امیر دعوت اسلامی مولانا محمد الیاس عطار قادری مجھ سے ملنے کے لئے آپہونچے۔ سلام اور مصافحہ و معانقہ کے بعد کچھ دیر تک میں نے حاضرین سے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھا پھر میں نے ان سے کہا کہ آپ بھی کچھ فرمایئے! انھوں نے نیاز مندی کے ساتھ فرمایا کہ حضرت! آپ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھیں۔ میں فیضیاب ہونے کے لئے آیا ہوں اور فیضیاب ہو رہا ہوں۔

کراچی میں یہ میرا معمول بن گیا تھا کہ گیارہ بجے کے قریب دار العلوم امجدیہ پہونچ جاتا اور وہیں ظہر کی نماز پڑھ کر ڈھائی بجے کے بعد قیام گاہ واپس آتا لوگ دار العلوم امجدیہ روزانہ بڑی تعداد میں پہونچ جاتے اور مجھ سے دینی معلومات حاصل کرتے۔ رات میں جب کسی کے یہاں کھانے کی دعوت ہوتی اس کے یہاں بھی اسی طرح مجلس جمتی لوگ طرح طرح کے سوالات کرتے اور میں ان کے جوابات دیتا۔ یہ مجلس کم از کم ۱۲، بجے رات تک چلتی۔ کبھی کبھی دو بھی بج جاتے۔ ایک اندازہ کے مطابق کراچی میں کم از کم پچاس تقریریں میری ہوئیں۔ جمعہ کی تقریر لے کر تین تین پروگرام ایک دن ہوگئے۔ کراچی میں ایک مہینہ آٹھ دن قیام رہا۔ لوگوں کا اندازہ ہے کہ کراچی کی درجنوں نشستوں میں میں نے کم از کم دو ہزار مسائل زبانی بیان کئے۔

حافظ ملت کے عزیز شاگرد حضرت مولانا قاری مصلح الدین حیدر آبادی فاضل اشرفیہ مبارکپور کے داماد حضرت مولانا الحاج شاہ تراب الحق قادری سے تقریبا روزانہ ہی ملاقات ہوتی تھی۔ وہ بہت نیاز مندی سے ملتے تھے۔ ان کے اصرار پر پہلا جمعہ انھیں

کی مسجد میں پڑھایا۔ شہزادۂ صدالشریعہ برادرم قاری رضاءالمصطفی امجدی اعظمی خطیب نیو میمن مسجد کراچی بار بار مجھے اپنے گھر لے جاتے انھوں نے اپنا مدرسہ دکھایا مسجد دکھائی۔ اور استقبالیہ بھی دیا۔ اس سے پہلے دارالعلوم امجدیہ کے اساتذہ اور طلبہ نے بہت اچھے طور پر استقبالیہ دیا تھا۔

حضرت مفتی ظفر علی نعمانی کے ساتھ سندھ کے قدیم وتاریخی شہر ٹھٹھا شریف کی بھی زیارت ہوئی۔ مشہور ہے کہ یہاں پر قبرستان چودہ میل تک پھیلا ہوا ہے یہاں کئی برزگوں کے مزارات پر حاضری دی۔ برادرم قاری رضاءالمصطفی اعظمی اور الحاج عبدالرحیم کے ساتھ ایک دن اسی طرح کا دوسرا سفر ہوا۔ اور حضرت جمیل داتا کے دربار میں حاضری بھی دی۔ کراچی میں دوایک بار لوگ مجھے رات کے وقت ساحل سمندر پر لے گئے۔ صاف شفاف ہواؤں سے دل باغ باغ ہو گیا۔ ایک دن حاجی محمد امین حاجی عبدالمجید لانچ پر سمندر میں لے گئے۔ ساتھ میں کئی اچھے نعت خواں تھے۔ لاؤڈاسپیکر کا بھی انتظام تھا۔ سمندر میں نعت خوانی ہوئی۔ کبھی کبھی میں بھی کچھ دیر تقریر کر دیتا۔ سمندر ہی میں کھانا بھی کھایا گیا اور نماز بھی پڑھی گئی۔

ایک دن عزیزی مولانا عطاءالمصطفی امجدی اور میزبان خصوصی الحاج ابو بکر برکاتی کے ساتھ بذریعہ طیارہ کراچی سے لاہور کا سفر ہوا۔ اور حضرت داتا گنج بخش ہجویری لاہوری کے مزار پر انوار پر حاضری دی گئی۔ حضرت داتا کا مزار پاک ہشت پہل ہے۔

دارالعلوحزب الاحناف لاہور میں بہت سے علما سے ملاقاتیں ہوئیں حضرت مولانا غلام علی صاحب اوکاڑوی بڑی محبت سے ملے۔ حضرت مولانا محمود احمد صاحب رضوی بہت محبت پیار اور کرم سے ملے۔

جامعہ نظامیہ رضویہ اندون لوہاری گیٹ لاہور پہونچے تو حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی، مولانا مفتی عبدالحکیم شرف قادری، ودیگر اساتذہ اور طلبہ نے بہت پرتپاک خیر مقدم کیا۔ سبھی حضرات نہایت محبت سے ملے اور مختلف موضوعات پر

مختصر سے وقت میں تبادلہ خیال بھی ہوا۔

مولانا عبدالحکیم شرف قادری کے ساتھ حضرت حسن زنجانی قدس سرہ کے مزار پر حاضری دی گئی۔ مزار سے ملحق مسجد کے امام صاحب کے اصرار پر میں نے مغرب کی نماز پڑھائی۔ میرے کہنے سے لاؤڈ سپیکر کا استعمال اس نماز کے وقت بند کر دیا گیا۔

لاہور سے بذریعہ ٹیکسی پاک پٹن شریف حاضری ہوئی۔ شیخ الاسلام فریدالدین گنج شکر جو بابا فرید کے نام سے مشہور ہیں ان کا یہاں مزار اقدس ہے۔ ان کا فیض حاصل کیا گیا پاک پٹن سے روانہ ہو کر ہم لوگ فیصل آباد (لائل پور) پہونچے جہاں استاذ گرامی محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد سردار احمد کا مزار اقدس ہے جو حضرت داتا صاحب کے طرز پر ہشت پہل بنا ہوا ہے۔ محدث اعظم پاکستان کے مزار پر چادر پیش کرنے کے لئے میں کراچی ہی سے چادر لے گیا تھا۔ چادر پوشی وفاتحہ خوانی و حاضری سے فارغ ہو کر وہاں سے نکلتے وقت حضرت محدث اعظم پاکستان کے صاحبزادہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ اور نماز جمعہ سے پہلے محدث اعظم پاکستان کی مسجد ہی میں حضرت مولانا محمد حسن علی رضوی بریلوی سے ملاقات ہو گئی جو شہر میلسی (پنجاب) کی جامع مسجد کے خطیب، وہاں کے دارالعلوم کے شیخ الحدیث، حضرت محدث اعظم پاکستان کے چہیتے شاگرد ہیں۔ محدث اعظم پاکستان کے قائم کردہ مدرسہ مظہر اسلام کے شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید سے یہیں مولانا حسن علی رضوی نے میرا تعارف کرایا وہ بہت تپاک سے ملے اور ان کے حکم پر میں نے نماز جمعہ سے پہلے تقریر بھی کی۔

فیصل آباد سے مولانا حسن علی رضوی صاحب کے ساتھ ملتان کے لئے روانگی ہوئی وہ پہلے حضرت سید موسیٰ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی باگاہ میں لے گئے۔ یہ بزرگ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مرشد ہیں۔ ایک دوسرے بزرگ حضرت سید جمال الدین کے یہاں حاضری ہوئی اور پھر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ کی

حضرت رکن الدین رکن عالم کے مزار پاک کی زیارت ہوئی۔ پھر دوبارہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی بارگاہ میں حاضری ہوئی۔ وہاں حاضری کے بعد ان کے پوتے حضرت رکن الدین رکن عالم کے مزار پاک کی زیارت ہوئی۔ پھر دوبارہ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کی باگاہ میں حاضری ہوئی۔ خواہش کے باوجود قلت وقت کی وجہ سے حضرت مولانا احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ انوار العلوم ملتان میں جانے کا موقع نہ مل سکا۔

ملتان سے بذریعہ ہوائی جہاز ہم لوگ کراچی لوٹ آئے ایر پورٹ سے سیدھے ایک جلسہ میں شرکت کے لئے جانا پڑا۔ جس میں مولانا عبدالحکیم شرف قادری اور مولانا فیض احمد اویسی رضوی وغیرہ شریک تھے۔اس جلسہ میں میری بھی ایک مختصر سی تقریر ہوئی۔

برکاتی فاؤنڈیشن کراچی کی طرف سے کراچی کے فائیو اسٹار تاج محل ہوٹل کے ہال میں عید میلاد النبی ﷺ کا ایک عظیم الشان جلسہ میری صدارت میں منعقد ہوا۔ جس میں حضرت مولانا خلیل احمد برکاتی کے فرزند سعید مولانا مفتی احمد میاں برکاتی اور مولانا شاہ تراب الحق قادری سابق ممبر قومی اسمبلی پاکستان اور میری تقریریں ہوئیں۔ اسی موقع پر بہترین تعلیم وتربیت اور اعلیٰ کارکردگی کے اعتراف کے طور پر جامعہ اشرفیہ مبارکپور کو برکاتی فاؤنڈیشن کراچی کی جانب سے اعلیٰ قسم کا شیلڈ پیش کیا گیا۔

۱۰ر ستمبر کو کراچی میں احسن العلما کا عرس تھا اس میں شریک ہو کر مجھے ہندوستان واپس آنا تھا۔احسن العلما سے مجھے جو عقیدت ہے اس کے پیش نظر عرس میں شرکت کے بعد ہی میں نے اپنی واپسی کا پروگرام بنایا۔ اس عرس سے پہلے امین ملت حضرت سید محمد امین میاں دوبارہ کراچی آچکے تھے۔ وہ بھی خصوصی طور پر شریک عرس تھے۔ عرس میں تقریباپون گھنٹہ میری تقریر ہوئی۔ حضرت امین میاں بہت بڑی مسند کے سجادہ نشین ہیں لیکن مجھ بے مایہ کو انھوں نے سر اور آنکھوں پر رکھا۔اور مجھے اپنے در کا ایک خادم نہیں بلکہ ایک بزرگ سمجھ کر برتاؤ کیا۔ آج کل پیر زادوں میں خصوصا بہت

سے سجادہ نشینوں میں تعلّی و تمکنت کا جو مزاج ہے اور دوسروں کے ساتھ استہزا و تحقیر کی جو عادت ہے بحمدہ تبارک و تعالیٰ حضرت سید محمد امین میاں ان سب چیزوں سے محفوظ ہیں علما کے ساتھ احترام ان کا آبائی طریقہ ہے۔

۱۰ ار ستمبر (۱۹۹۶ء) کو کراچی کے مخلصین واحباب سے رخصت ہو کر بذریعہ طیارہ کراچی سے دلی پہونچا۔ جہاں مولانا عبد الحق رضوی پہلے سے موجود تھے دہلی سے بذریعہ طیارہ وہ مجھے بنارس لائے۔ جہاں ہوائی اڈے پر مبارک پور کے کئی مدرسین و طلبہ اور کچھ ارکان اشرفیہ مثلا صوفی نظام الدین و حاجی سر فراز احمد وغیرہم نیز الحاج محمد عیسیٰ برکاتی بنارسی وغیرہ استقبال کے لئے کو موجود تھے۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور پہونچنے پر محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفی قادری اور سبھی اساتذہ و طلبہ وارکان اشرفیہ نے میرا جو شاندار استقبال کیا اس سے میری آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

اشرفیہ کی مرکزی عمارت میں استقبالیہ پروگرام ہوا۔ محدث کبیر علامہ ضیاء المصطفی قادری اور مفتی محمد نظام الدین رضوی نے کچھ اظہار خیال کیا اور پھر ان حضرات کے حکم پر میں نے ایک گھنٹہ تک اپنے سفر کی روداد سنائی۔

مبارک پور سے نور چشم ڈاکٹر محب الحق رضوی اور الحاج مولانا شفیق احمد مجھ سے ملاقات کر کے اسی روز گھوسی واپس چلے گئے۔ میں دوسرے روز اپنے وطن قصبہ گھوسی پہونچا۔ وہاں شمس العلوم اور دار العلوم امجدیہ کے اساتذہ اور طلبہ نے بہت گرم جوشی کے ساتھ میرا استقبال کیا۔ اختتام سفر پر حضرت صدر الشریعہ کی بارگاہ میں حاضری دی پھر والد مرحوم کے مزار پر حاضر ہوا۔

میں نے زندگی میں پہلی بار ملک سے باہر کا اتنا لمبا سفر کیا ہے۔ اس سفر میں جن لوگوں نے جس انداز سے بھی میرا تعاون کیا۔ ضیافت کی۔ استقبال کیا۔ اعزاز و اکرام سے پیش آئے۔ ان سب کا میں شکر گذار ہوں۔ اور اللہ تبارک و تعالی سے دعا کرتا ہوں

کہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقہ وطفیل میں ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ سب کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ سب کو سنیت پر قائم رکھے۔ سب کو شاد وآباد وخوش حال رکھے۔ اور سب کی نیک اور جائز تمنائیں پوری فرمائے۔ آمین

فیضان مارہرہ مطہرہ

۱۹۴۷ء سے پہلے جب شارح بخاری مدرسہ عین العلوم گیوال بیگہ، گیا، بہار میں مدرس تھے۔اس وقت آپ نے اشک رواں کے نام سے مسلمانوں کے سیاسی موقف اور کانگریس و مسلم لیگ کے سلسلہ میں ایک کتاب لکھ کر شائع کی۔ یہ کتاب مارہرہ مطہرہ پہنچی تو تاج العلما حضرت مولانا سید اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی زیب سجادۂ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ نے مطالعہ فرماکر اسے بیحد پسند فرمایا، تعریف و تحسین کی، اور پھر خود ایک مکتوب شارح بخاری کے نام تحریر فرمایا، دعاؤں سے نوازا اور حوصلہ افزا کلمات ارشاد فرمائے۔اسی دور کی بات ہے کہ بنیاباغ ضلع مظفر پور بہار میں ہندو مسلم فساد ہوا۔ جس میں کئی مسلمان شہید ہوئے۔ رد عمل کے طور پر نواکھالی بنگال میں بھی فساد ہوا۔ پھر بہار کے مختلف حصوں میں مسلمانوں پر مظالم ہوئے۔ مسلمانوں کی مالی امداد کے لئے ایک وفد لے کر سید العلما حضرت مولانا سید آل مصطفیٰ قادری برکاتی مارہروی بہار پہنچے۔ شہر گیا بھی تشریف لائے وہیں سید العلما سے شارح بخاری کی پہلی ملاقات ہوئی۔ اور انہوں نے شفقتوں، عنایتوں سے نوازا۔ تقریباً چالیس سال پہلے شارح بخاری عرس نوری مارہرہ مطہرہ میں شریک ہوئے سید العلما و احسن العلما حضرت سید حسن میاں کی خدمت میں پہنچ کر نیاز مندانہ ملاقات کی ۔ سید العلما کے حکم پر عرس نوری میں آپ کی تقریر ہوئی جسے سب نے بہت پسند کیا۔اس سفر کا ایک

نہایت اہم روحانی واقعہ آپ مجھ سے اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ مغرب کے بعد میں نے سید العلما سے عرض کیا کہ حضرت میری حاضری کرادیں۔ انہوں نے اسی وقت احسن العلما سے فرمایا کہ آپ ان کی حاضری کرادیجئے۔ اس طرح مجھے حاضری کی سعادت ملی۔ اور رات کے تقریبا دو بجے درگاہ معلیٰ میں جہاں حضور صاحب البرکات اور خانوادہ کے دیگر افراد کا مزار پر انوار ہے۔ اس میں بیٹھا کر دروازہ مقفل کر دیا گیا اور لائٹ بجھادی گئی تھوڑی دیر کے بعد دیکھتا ہوں کہ ہلکی ہلکی روشنی ہونے لگی اور ایک عظیم الشان تخت بچھایا گیا۔ مجھ پر کرم کی جو بارش ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے بحالت بیداری دیکھا کہ میرے سامنے ایک بڑا عالی شان محل ہے جس میں پر ایک بزرگ تشریف فرما ہیں۔ ان کے گرد و پیش بہت سے لوگ ہیں۔ میں نے قیاس سے یہ سمجھا کہ یہ بزرگ صاحب البرکات حضور سید شاہ برکت اللہ قادری مارہروی ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک حلقہ بگوش کو حکم دیکر میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اسے بلا لاؤ۔ جب وہ شخص میری طرف آنے لگا تو میں دہشت کے مارے بیہوش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد احسن العلما اندر داخل ہوئے اور انہوں نے میرے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارے جس کے بعد مجھے ہوش آیا۔ اسے میں خاص فیضان اور بزرگان مارہرہ مقدسہ کی اپنے اوپر نگاہ لطف وعنایت سمجھتا ہوں۔ سید العلما جب تک ہمارے درمیان بقید حیات رہے۔ شارح بخاری کو نوازتے رہے۔ عقیدت مندوں میں سے کوئی شخص سید العلما سے کسی جلسہ کے لئے کسی اہم مقرر کے انتخاب کی درخواست کرتا تو آپ اس سے فورا ارشاد فرماتے کہ مفتی محمد شریف الحق امجدی کو دعوت دے دو۔ شہید اعظم کانفرنس ممبئی سید العلما کے زمانے میں بہت شان و شوکت سے ہوا کرتی تھی۔ اس میں شارح بخاری اور خطیب مشرق حضرت مولانا مشتاق احمد نظامی الہ آبادی کی تقریریں ہر سال سید العلما کے حکم پر ہوا کرتی تھیں۔ عرس نوری کی پہلی شرکت کے بعد مارہرہ شریف سے عرس قاسمی کا خصوصی دعوت نامہ شارح بخاری کے نام آنے لگا۔ اور سید العلما کے دور

ہی سے عرس کے قل سے پہلے کی تقاریر میں آخری تقریر آپ کی ہونے لگی۔ احسن العلما کے دور سجادگی میں بھی یہی معمول رہا۔ اور آج بھی یہی معمول ہے۔ خانقاہ برکاتیہ کے چہیتے اور سید العلما کے خلیفہ مولانا بشیر احمد قادری برکاتی (اورئی ضلع جالون) کہتے ہیں کہ سید العلما و احسن العلما اپنے بعض اہم گھریلو مسائل میں بھی شارح بخاری سے مشورے لیا کرتے تھے۔ احسن العلما علم اور معاملات دونوں شعبوں میں شارح بخاری کو اپنا معتمد سمجھتے تھے۔ کوئی شخص آپ سے فتویٰ کے بارے میں پوچھتا تو آپ اس سے فرماتے کہ شارح بخاری سے استفتا کرو۔ انکا جو فتویٰ ہوگا وہی ہمارا فتویٰ ہے۔ مولوی خلیل احمد بجنوری بدایونی ... کے بارے میں آپ سے مشورہ کرکے احسن العلما نے عرس قاسمی میں اعلان کر دیا کہ بددینی و بدعقیدگی کی وجہ سے اب اس شخص کا سلسلہ برکات سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں رہ گیا۔ سنیت سے انحراف کے بعد سلسلہ برکات سے رشتہ خود بخود منقطع ہو گیا۔ ایک متمول سنی برکاتی تاجر نے احسن العلما سے عرض کیا کہ میرے پاس زکوٰۃ کی ایک لمبی رقم ہے۔ اسے میں کس ادارہ کو دوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا ۔اشرفیہ کو دے دو۔ اس نے عرض کیا۔ کون اشرفیہ؟ آپ نے فرمایا۔ جہاں ہمارے مفتی صاحب رہتے ہیں۔ اس نے عرض کیا۔ کون مفتی صاحب؟ آپ نے فرمایا۔ مفتی محمد شریف الحق صاحب۔ تم انہیں رقم دے دو۔ اور گھبرانا نہیں۔ وہ یہ رقم اشرفیہ ہی کے حوالہ کرینگے۔ چنانچہ وہ تاجر اشرفیہ مبارک پور پہونچے۔ احسن العلما کے حکم پر عمل کیا ۔اور شارح بخاری کے ذریعہ وہ رقم اشرفیہ ہی کو ملی۔ مولانا بدر عالم مصباحی برکاتی فیض آبادی بیان کرتے ہیں کہ احسن العلما کو مدرسہ حنفیہ غوثیہ بجرڈیہہ بنارس کے ایک جلسہ ختم بخاری شریف میں مدعو کیا گیا۔ میں انہیں لینے کے لئے بنارس سے کانپور پہنچا جہاں احسن العلما قیام پذیر تھے۔ میں نے حضرت سے ملاقات کرکے بنارس چلنے کی درخواست پیش کی۔ حضرت نے کچھ بیماری کچھ پریشانی کا ذکر کیا۔ جس سے میں خود پریشان ہو گیا۔ ادھر بنارس کے دو ایک لوگ پہلے ہی طعن و تشنیع کر رہے تھے کہ شارح

بخاری کے بجائے کسی سیٹھ کے ذریعہ مدعو کیا گیا ہوتا تو آمد اور جلسہ میں شرکت یقینی ہوتی۔ میں نے اضطراب و تشویش کے ساتھ اس بات کا ذکر کیا۔ یہ سنتے ہی احسن العلما جلال میں آگئے اور فرمایا کہ میں کسی سیٹھ نہیں بلکہ مفتی صاحب کی دعوت پر جلسہ میں شرکت کروں گا اور ضرور کروں گا۔۔ یہ سن کر میں کانپور سے بنارس واپس آیا۔ اور اس بات کا اعلان کر دیا۔ بحمدہ تعالیٰ حضرت احسن العلما بنارس تشریف لائے اور ختم بخاری شریف کے پروگرام میں شرکت فرمائی۔ کئی حضرات کے سامنے احسن العلما بار بار یہ ارشاد فرما چکے ہیں کہ زندگی گذارنے کے لئے تین شعبوں کے تین ماہرین کا انتخاب کر لینا چاہئے۔ علاج و معالجہ کے لئے ایک ڈاکٹر کا۔ جائداد کے تحفظ کے لئے ایک وکیل کا۔ اور ایمان کے تحفظ کے لئے ایک مفتی کا۔ میں نے اپنے لئے تینوں چن لئے ہیں۔ اپنا مفتی میں نے مفتی محمد شریف الحق کو چن لیا ہے۔ ایک بار حاجی محمد رفیق برکاتی (کراچی) مبارکپور آئے۔ اور کئی اساتذۂ اشرفیہ کے سامنے انہوں نے بیان کیا کہ احسن العلما نے دوران گفتگو شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے مفتی صاحب اتنے بڑے مفتی ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہ اگر اس زمانے میں ہوتے تو میں ان سے عرض کرتا کہ آپ انہیں اپنے مخصوص شاگردوں میں شامل فرما لیں۔ ۱۹۹۰ء کے ہنگامی دور میں جب کہ بابری مسجد کی تحریک شباب پر تھی اور غیر مسلم رام جنم بھومی کا جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ ایک موقع پر حالات کشیدہ ہوگئے فرقہ وارانہ تناؤ بڑھ گیا کہ راستے مخدوش ہوگئے انہیں ایام میں عرس قاسمی کی تاریخ آگئی۔ لوگوں کے منع کرنے کے باوجود شارح بخاری مبارکپور سے مارہرہ شریف کے لئے چل پڑے۔ ساتھ میں حافظ عبد الحق رضوی و مولانا بدر عالم مصباحی فیض آبادی بھی تھے۔ جگہ جگہ رکاوٹوں کے باوجود مارہرہ شریف پہنچ گئے۔ پہنچتے ہی ان لوگوں سے مولانا بشیر احمد برکاتی جالونی ملے اور انہوں نے کہا کہ احسن العلما صبح کی محفل میں بار بار اعلان فرمارہے تھے کہ ہمارے مفتی صاحب تشریف لارہے ہیں وہ شام تک ضرور پہنچ آئیں

گے۔اسی سفر کی بات ہے کہ احسن العلما و شاہزادگان کو جب شارح بخاری کی آمد کی اطلاع ہوئی تو حضرت سید نجیب میاں شاہزادۂ احسن العلما فورا آپ کے قیام کے لئے مخصوص کمرہ جس میں آپ ہر سال ٹھہرتے ہیں اس کے انتظام میں لگ گئے۔خود اپنے سر پر بستر لے کر آئے شارح بخاری نے بڑھ کر ان سے مصافحہ کیا دست بوسی کی۔اور عرض کیا حضور! اتنی زحمت کیوں فرمارہے ہیں۔آپ نے فرمایا کہ والد صاحب کو اگر معلوم ہو جائے کہ مفتی صاحب کے لئے انتظام میں تاخیر ہو گئی تو سر کے بال نہ بچیں گے۔رات میں تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا تو مولانا بشیر احمد برکاتی نے شارح بخاری کی تقریر کا اعلان کرتے ہوئے شارح بخاری۔اور نائب مفتی اعظم کے استقبالیہ نعرے لگائے۔خانوادۂ برکاتیہ کے حضرات جو منبر خطابت کے بغل میں سامنے زمین پر تشریف فرماتھے۔اور احسن العلما بھی وہیں رونق افروز تھے۔اچانک وہاں سے اٹھ کر مائک پر آئے اور ارشاد فرمایا۔یہ نعرہ لگاؤ برکاتی مفتی۔خاندان برکات کا مفتی۔ہمارا مفتی ۔ہدایت دیتے ہوئے خود ہی یہ نعرے بھی لگاتے جاتے تھے۔سید العلما و احسن العلما کی ہدایت کے مطابق قل شریف سے پہلے کی آخری تقریر آج بھی شارح بخاری کی ہوتی ہے۔شہزادۂ سید العلما حضرت سید حسنین میاں نظمی و شاہزادگان احسن العلما حضرت سید محمد امین میاں سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ و حضرت سید افضل میاں و حضرت سید اشرف میاں و حضرت سید نجیب میاں سب سے محبت و اخلاص کا رشتہ ویسے ہی ہے جیسے ان کے بزرگوں کے ساتھ تھا۔علمی معاملات میں استفادہ کی بھی روایت برقرار ہے۔ احسن العلما کی حیات ہی میں حضرت سید محمد اشرف میاں کے نام شارح بخاری کا ایک خط ملاحظہ فرمائیں:

مخدوم زادۂ گرامی وقار والا تبار دامت برکاتہم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

عوافیٔ مزاج گرامی؟

آپ کے مراحم خسروانہ کا اس گدائے بے نوا کے قلب پر جو تاثر ہے اسے الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتا مگر آل برکات کی یہ پہلی عنایت نہیں۔

کریماں که در فضل بالا ترند
سگاں پرورند و چناں پرورند

میں نے بھیونڈی رضوی کتاب گھر کو لکھ دیا ہے کہ مدارج النبوۃ، اور معارج النبوۃ کرم فرما کر الحاج ابراہیم احمد صاحب برکاتی کے ذریعہ آپ تک پہنچادیں۔ آپ اس کا مطالعہ کرلیں۔ ساتھ ہی ساتھ سیدنا میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہ کی سبع سنابل شریف کا بھی مطالعہ فرمالیں۔ کبر سنی کی وجہ سے دماغ کی جولانیت ختم ہوتی جارہی ہے آپ نے دریافت فرمایا تھا کہ کیا کچھ صحابہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت نہیں کی اور وہ مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے اس وقت ذہن میں نہیں آیا۔ قیام گاہ پر واپسی کے بعد یاد آیا۔ کچھ صحابہ نے نہیں بلکہ صرف ایک صحابی حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رئیس خزرج نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت نہیں کی اور وہ شام چلے گئے۔ پھر مدینہ طیبہ واپس نہیں آئے۔ اور شام ہی میں مقام حوضان میں بروایت مختار ۱۵ھ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں واصل بحق ہوئے۔ ان کے بیعت نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ خود خلافت

کے امیدوار تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں یہی مشورہ ہو رہا تھا کہ ان کو خلیفہ بنادیا جائے۔ لیکن جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ وہاں پہنچے تو کافی بحث و تمحیص کے بعد جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد گرامی انصار کرام کو یاد دلایا کہ الائمۃ من قریش تو انصار کرام نے سر تسلیم جھکادیا اور وہاں جتنے مہاجر وانصار موجود تھے سب نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کرلی سوائے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے۔ اس کے بعد دوسرے دن سہ شنبہ کو مسجد نبوی شریف میں تمام صحابہ کرام نے بیعت عامہ کی۔ بروایت صحیح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اسی موقعہ پر یہ کہہ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کرلی۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے جنہیں ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا ہم انہیں اپنی دنیا کے لئے بھی پسند کرتے ہیں۔ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت نہیں کی مگر انکی خلافت کے حق ہونے کو صراحۃً قبول کرلیا تھا۔

بدایہ نہایہ جلد خامس صفحہ ۲۴۷ بحوالہ امام احمد بن حنبل میں یہ مذکور ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی تعالیٰ عنہ نے سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مخاطب ہو کر یہ فرمایا اے سعد! تم جانتے ہو تم بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا قریش اس چیز کے والی ہونگے ان کے اچھے اچھوں کے تابع ہونگے اور ان کے برے ان کے بروں کے تابع ہونگے۔ اس پر حضرت سعد نے کہا آپ نے سچ کہا ہم وزیر ہیں اور آپ لوگ امیر۔

یہ روایت اس کی دلیل ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت زبانی تسلیم کرلی تھی۔ البتہ دست بدست بیعت نہیں کی۔ اور جب انہوں نے زبانی انکی خلافت تسلیم کرلی۔ تو بیعت نہ کرنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے حق ہونے میں قادح نہیں اور اہلسنت کے اس

دعوے کے معارض نہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت باجماع صحابہ بلاانکار منکر ثابت ہے۔ فللہ الحمد۔

زیادہ دنوں سے باہر رہنے کی وجہ سے کام کا ہجوم ہے اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں پھر آیندہ اگر آپ کرم فرمائینگے تو مزید تفصیل کے ساتھ کچھ عرض کروں گا۔

مدارج النبوۃ۔ اور معارج النبوۃ اگر مل جائیں تو مجھے اطلاع کرینگے مجھے انتظار رہیگا۔

دعا کا طالب

محمد شریف الحق امجدی

بتاریخ ۱۹۔ محرم ۱۴۱۵ھ مطابق ۳۰ جون ۱۹۹۴ء

عصری نشست

الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کی مرکزی عمارت (سینٹرل بلڈنگ) کی پہلی منزل کے جنوبی حصہ کا آخری وسیع و عریض کمرہ شارح بخاری کا مستقل کمرہ ہے۔ عصر و مغرب کے درمیان کمرہ کے ٹھیک سامنے گیلری میں روزانہ عصری نشست ہوتی ہے۔ مرکزی عمارت میں قیام پذیر اکثر اساتذۂ اشرفیہ اس میں شریک ہوتے ہیں۔ مبارکپوری مخصوص پکوڑی یا نمکین کے ساتھ چائے کا دور چلتا ہے۔ مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال ہوتا ہے اور شارح بخاری میر محفل ہوتے ہیں۔ ۱۹۸۲ء تک مولانا افتخار احمد قادری مصباحی اور راقم سطور یٰسین اختر مصباحی نیز گردش ماہ و سال کے ساتھ مولانا عبد المبین نعمانی، مولانا بدر القادری، سید شمیم گوہر وغیرہ بھی عموماً پابندی کے ساتھ شریک محفل ہوا کرتے تھے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ برادر مکرم مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی و عزیز گرامی مولانا حافظ عبد الحق رضوی کے ساتھ دیگر اساتذۂ اشرفیہ نے عرصہ دراز سے وہ جگہ سنبھال رکھی ہے۔ میر محفل اب بھی شارح بخاری ہیں۔ اس عصری نشست میں تقریباً ڈیڑھ گھنٹے تک روزانہ افادہ واستفادہ کا سلسلہ چلتا ہے۔ اور مختلف مسائل و مباحث، امور و معاملات، ظروف و احوال، حکایات و واقعات زیر بحث آتے ہیں ملکی و عالمی حقائق جیسے موضوعات پر گفتگو ہوتی ہے۔ داخلی و خارجی چھوٹے بڑے بے شمار حقائق اور وقائع و حوادث پر خیال آرائیاں و نقطہ آفرینیاں ہوتی ہیں جن کی گرفت سے حلقہ بگوشوں اور خوشہ چینوں کا دامن تنگ ہونے لگتا ہے۔ شرکاے محفل بھی دنیا جہان کے ہر گوشہ ہر پہلو پر اپنے اپنے خیالات عالیہ کے اظہار میں ایک دوسرے

پر سبقت لے جانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ کبھی اشرفیہ کی تعلیم، کبھی اس کے داخلی انتظام، کبھی اس کی اصلاح، کبھی اس کی ترقی کبھی اس کے دائرۂ عمل، کبھی اہل مبارکپور، کبھی ان سب کے محاسن، کبھی دیگر مخلصین و معاونین، کبھی سنی اداروں اور کبھی سنی علماو مشائخ کے فضائل بیان ہوتے ہیں۔ کبھی درسی کتابوں کے پیچیدہ مسائل، اور مغلق علمی مباحث کا دفتر کھلتا ہے۔ کبھی اہلسنت کی اجتماعی و تنظیمی غفلت شعاریوں، کبھی ان کے اسباب اور کبھی ان کے ازالہ کی تدابیر پر غور ہوتا ہے۔ کبھی ہندوستانی مسلمانوں کی حالت زار، کبھی عالم اسلام کی بے حسی اور کبھی ملکی و بیرونی سیاست کے اسرار و رموز کی عقدہ کشائی ہوتی ہے۔ کبھی مذاہب باطلہ، کبھی ان کے عقائد وافکار فاسدہ، اور کبھی اساطین وہابیہ نجدیہ کے مکائد کی قلعی کھولی جاتی ہے۔ اور ان سب سے الگ ایک خاص رنگ اس عصری نشست کا یہ بھی ہے کہ جب شارح بخاری کا موڈ صحیح رہتا ہے اور طبیعت شگفتہ ہوتی ہے تو ایسے لطائف کا ذکر ہوتا ہے۔ ایسی ایسی ظریفانہ باتیں ہوتی ہیں۔ بذلہ سنجی کا اس طرح صدور و ظہور ہوتا ہے کہ ہنسی اور خوشی کے فوارے چھوٹنے لگتے ہیں۔ اور ساری محفل زعفران زار ہو جاتی ہے:

داتا رکھے آباداں ساقی تیری محفل کو

ازواج واولاد

حافظ عبدالرحمن ساکن قصبہ مدن پور ضلع دیوریا جو شارح بخاری کے ماموں جان تھے۔ انکی منجھلی صاحبزادی مسماۃ زینب سے آپ کا نکاح ہوا جن کے بطن سے ایک لڑکا تولد ہوا۔ اور چند ہی سال کی رفاقت کے بعد اہلیہ کا انتقال ہو گیا۔ ۱۲۔ سال کی عمر میں ان کا لڑکا محمد حبیب الحق بھی فوت ہو گیا۔ مرحومہ نے انتقال سے پہلے وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد میری چھوٹی بہن مسماۃ نور النساء سے آپ نکاح کر لیجئے گا۔ چنانچہ پہلی بیوی کے انتقال کے بعد محترمہ نور النساء سے آپ کا نکاح ہوا۔ اور انہوں نے

طویل مدت تک خوش اسلوبی کے ساتھ آپ کی رفاقت کا حق ادا کیا۔ تقریباً پندرہ سال پہلے ان کا انتقال ہو چکا ہے ان کے بطن سے جو اولاد ہوئی ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ محمد محب الحق۔ شارح بخاری کے زمانہ تدریس میں جامعہ عربیہ انوار القرآن بلرام پور ضلع گونڈہ میں آپ نے جلالین و مشکوٰۃ وغیرہ تک کی تعلیم حاصل کی۔ پھر طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ڈاکٹری کا پانچ سالہ کورس بی۔ یو۔ ایم۔ ایس۔ مکمل کیا۔ آج کل اپنے قصبہ گھوسی مدھوبن روڈ پر واقع اپنی ڈسپنسری ایک کامیاب ڈاکٹر کی حیثیت سے چلا رہے ہیں۔ صاحب اولاد ہیں۔ مفتی اعظم ہند سے انہیں شرف بیعت حاصل ہے۔ سنجیدہ و متین، خوش اخلاق وخوش اطوار ہیں۔

۲۔ محمد مطیع الحق۔ بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔

۳۔ محمد وحید الحق۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور میں متوسطات تک تعلیم حاصل کی ہے۔ اس وقت مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ ضلع مئو میں مدرس ہیں۔ شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔

۴۔ محمد حمید الحق۔ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور کے فارغ التحصیل عالم اور حافظ ہیں۔ چند سالوں سے زمبابوے افریقہ میں دینی و تبلیغی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ بال بچے بھی ساتھ رہتے ہیں۔

۵۔ محمد ظہیر الحق۔ گھریلو کاروبار میں مصروف ہیں۔ شادی شدہ اور صاحب اولاد ہیں۔

۶۔ طلعت فاطمہ۔ اپنے قصبہ گھوسی ہی میں ان کی شادی ہوئی ہے۔ صاحب اولاد ہیں۔

شارح بخاری کی خود نوشت ڈائری کے مطابق زوجہ اولیٰ زینب بنت حافظ عبدالرحمن سے بتاریخ ۲۰۔ ربیع الآخر ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۹۴۰ء نکاح ہوا۔ جن سے

بتاریخ ۵۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ مطابق ۸۔ مئی ۱۹۴۶ء شب چہار شنبہ محمد حبیب الحق کا تولد ہوا۔ زوجہ اولیٰ زینب بنت حافظ عبد الرحمن کا بروز منگل بوقت ڈھائی بجے دن بتاریخ ۱۴۔ ربیع الآخر ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۳۔ جنوری ۱۹۵۱ء اور محمد حبیب الحق کا بعمر گیارہ سال تین ماہ سات دن بتاریخ ۱۲۔ شعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۵۔ مارچ ۱۹۵۷ء بروز جمعہ چھ بج کر دس منٹ پر انتقال ہوا۔ زوجہ ثانیہ نور النساء بنت حافظ عبد الرحمن سے بتاریخ ۲۲۔ رجب ۱۳۷۰ھ مطابق ۲۸۔ اپریل ۱۹۵۱ء شب یک شنبہ میں نکاح ہوا۔ جن سے محمد محبّ الحق بتاریخ ۳۰۔ جمادی الآخرۃ ۱۳۷۱ھ مطابق ۲۷۔ مارچ ۱۹۵۲ء بروز پنجشنبہ بوقت ساڑھے آٹھ بجے صبح۔ محمد مطیع الحق بتاریخ ۱۰۔ جمادی الآخرۃ ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۲۔ جنوری ۱۹۵۶ء۔ محمد وحید الحق بماہ ربیع الآخر ۱۳۷۹ھ مطابق نومبر ۱۹۵۹ء۔ طلعت فاطمہ بماہ رجب ۱۳۸۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۱ء۔ محمد حمید الحق بتاریخ ۱۹۔ رجب ۱۳۸۳ھ مطابق ۶۔ دسمبر ۱۹۶۳ء بروز جمعہ بوقت صبح صادق۔ محمد ظہیر الحق بتاریخ ۱۱۔ رمضان ۱۳۸۵ھ مطابق جنوری ۱۹۶۶ء رات میں دس بج کر دس منٹ پر تولد ہوئے۔ محمد مطیع الحق کا بعمر چھ سال اور زوجہ ثانیہ کا بتاریخ ۱۳۔ رجب ۱۴۰۵ھ مطابق ۵۔ اپریل ۱۹۸۵ء شب جمعہ میں انتقال ہوا۔

شارح بخاری کے والد محترم عبد الصمد بن ثناء اللہ بن لعل محمد بن مولانا خیر الدین کا بتاریخ ۲۸۔ رجب ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۳۔ جون ۱۹۸۰ء بروز جمعہ ٹھیک اس وقت انتقال ہوا جب جماعت جمعہ کے اختتام کے وقت نمازی سلام پھیر رہے تھے۔

نمونہ فتاوی

کفر و شرک پر مشتمل بعض اشعار

مسئلہ ختم نبوت اور تحذیر الناس

مادہ منویہ کا غیر فطری استعمال

بینک کا نفع

پوتے کی وراثت

گوشت خوری کا مسئلہ

حالت روزہ میں انجکشن

۷۸۶ اور ۹۲

قضا و افتا کا فرق

محدث کہے جانے کا استحقاق

کفر و شرک پر مشتمل بعض اشعار

سوال: کیا فرماتے ہیں علماے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کچھ نوجوان مسلم مندرجہ ذیل اشعار بہت شوق سے گاتے ہیں اب یہ نہیں معلوم کہ ان اشعار کے مفہوم کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں یا یوں ہی صرف زبان پر لاتے ہیں بہر صورت شریعت طاہرہ کی روشنی میں ان پر کیا احکام لاگو ہوں گے۔ وہ اشعار یہ ہیں:

حسینوں کو آتے ہیں کیا کیا بہانے
خدا بھی نہ جانے تو ہم کیسے جانیں

خدا بھی جب زمیں پر آسمان سے دیکھتا ہوگا
میرے محبوب کو کس نے بنایا سوچتا ہوگا

رب نے بھی مجھ پہ ستم کیا کیا ہے
سارے جہاں کا غم مجھے دے دیا ہے

پھولوں سا چہرہ تیرا کلیوں سی مسکان ہے
رنگ تیرا دیکھ کر روپ تیرا دیکھ کر قدرت بھی حیران ہے

کتنا حسین چہرہ کتنی پیاری آنکھیں

کتنی پیاری آنکھیں ہیں آنکھوں سے چھلکتا پیار
قدرت نے بنایا ہوگا فرصت سے تجھے میرے یار

او میرے ربا ربا رے ربا یہ کیا غضب کیا
جس کو بنانا تھا لڑکی اسے لڑکا بنا دیا

اب آگے جو بھی ہو انجام دیکھا جائے گا
خدا تراش لیا اور بندگی کرلی

نیز ان گانوں کو کیسٹوں کے ذریعہ سننا بھی گناہ ہے؟

الجواب: جتنے اشعار سوال میں درج کئے گئے ہیں سب میں کوئی نہ کوئی کفر صریح ہے جو لوگ ان اشعار کو پڑھتے ہیں وہ سب کے سب اسلام سے خارج ہو کر کافر و مرتد ہو گئے ان کے تمام نیک اعمال اکارت ہو گئے ان کی بیویاں نکاح سے نکل گئیں ان سب پر فرض ہے کہ فورا بلا تاخیر ان اشعار میں جو کفریات ہیں ان سے توبہ کریں کلمہ پڑھ کر پھر سے مسلمان ہوں اپنی بیویوں کو رکھنا منظور ہو تو ان سے دوبارہ نئے مہر کے ساتھ نکاح کریں۔ ایسی کیسٹیں جن میں ایسے کفریہ اشعار ہوں ان کو بجانا حرام سخت حرام منجر الی الکفر ہے اور ان کیسٹوں کو سننا بھی حرام بلکہ ایسی کیسٹوں کو ضائع کر دینا فرض، اگر معاذ اللہ ایسے کفری اشعار کی کیسٹوں کو پسندیدہ اور اچھی سمجھ کر لگایا یا کسی نے ان اشعار کو سن کر پسند کر لیا تو وہ بھی کافر ہو جائے گا رضا بالکفر کفر ہے۔ ارشاد ہے: انکم اذا مثلھم.

اب اشعار مذکورہ بالا کے کفریات شمار کریں۔ "یہ کہنا کہ خدا بھی نہ جانے"

کفر ہے "یہ کہنا اللہ تعالیٰ سوچتا ہوگا کہ میرے محبوب کو کس نے بنایا" اس میں تین کفر ہیں اول یہ کہ اس جاہل کے محبوب کو اللہ نے نہیں بنایا۔ دوسرے کس نے بنایا اسے معلوم نہیں۔ تیسرے یہ کہ سوچتا ہوگا۔ نیز پہلے مصرعے میں بھی کفر ہے کہ جب دیکھتا ہوگا، مطلب یہ ہوتا ہے کہ زمین ہمیشہ اس کی قوت بصر کے احاطے میں نہیں بلکہ جب زمین پر دیکھے تو زمین کے احوال اسے معلوم ہو جائیں اس میں ایک کفر تو یہ ہے کہ لازم آئے گا کہ اللہ عزوجل کا بصیر ہونا اس کی صفت قدیم نہیں حادث ہے۔ دوسرے یہ کہ زمین کی اشیا اور ان کے احوال کا ہمیشہ علم نہیں رکھتا یہ کہنا کہ رب نے مجھ پر ستم کیا، اللہ عزوجل کو ظالم بنانا ہے جو صریح کفر ہے۔ یہ کہنا کہ قدرت بھی حیران ہے کفر ہے۔ یہ کہنا کہ جس کو لڑکی بنانا تھا لڑکا بنادیا یہ اللہ عزوجل پر اعتراض ہونے کی وجہ سے کفر ہے۔ پھر اس کو غضب کہنا دوسرا کفر۔ یہ کہنا کہ قدرت نے تجھے فرصت سے بنایا ہوگا کفر ہے۔ "خدا تراش لیا اور بندگی کرلی" میں دو کفر ہیں مخلوق کو خدا کہنا پھر اس کی بندگی کرنا۔

اس قسم کے کفریہ اور بے ہودہ اشعار اگر کوئی گائے، پڑھے تو وہ بہر حال کافر اگرچہ وہ کہے کہ میرا یہ اعتقاد نہیں۔ کفر بکنے کے بعد یہ بہانہ کام نہیں دے گا اسی لئے ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے کہ وہ علم دین حاصل کرے کفر و اسلام کو پہچانے، ضروریات دین اور ضروریات اہل سنت سے واقفیت رکھے تاکہ ایسی غلطی نہ ہونے پائے کہ آدمی کا ایمان ہی جاتا رہے اور اشعار کے سلسلے میں بہت احتیاط کرنی چاہیے، اللہ عزوجل نے فرمایا:

والشعراء یتبعهم الغاؤن الم ترانهم فی کل وادیهیمون وانهم یقولون مالا یفعلون.

ترجمہ: اور شاعروں کی پیروی گمراہ کرتے ہیں کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر نالے میں سرگرداں پھرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔ (سورۂ شعراء آیت: ۲۲۶)

جولوگ دین سے واقفیت رکھتے ہیں وہ اگر شاعروں کے کلاموں کو پڑھیں گے توان پر واضح ہو جائے گا کہ اللہ عزوجل نے جو کچھ فرمایا ہے وہ حق ہے اس لئے کسی بھی شاعر کے شعر کو پسند کرنے سے پہلے اس پر کافی غور و خوض کر لینا چاہیئے اور ذرا بھی شک ہو تو علما سے دریافت کر لینا چاہیئے خصوصیت سے کیسٹ میں بھرے ہوئے گانے بہت ہی خطرناک ہوتے ہیں۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو ہدایت دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ماہنامہ اشرفیہ، اکتوبر ۱۹۹۸ء ص: ۱۹--۲۰)

مسئلہ ختم نبوت اور تحذیر الناس

بانی دارالعلوم دیوبند مولوی قاسم نانوتوی کی کتاب تحذیر الناس کی مندرجہ ذیل دونوں عبارتوں کے متعلق بالفرض کے لفظ کے ساتھ جو بات کہی گئی ہے اس پر اعتراض کیوں کر درست ہے، جب کہ محض کسی چیز کے فرض کر لینے پر حکم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: لو کان فیھما الھة الا اللہ لفسدتا . جیسا کہ ایک دیوبندی مولوی نے اس کا اس طرح جواب دیا، عبارت تحذیر الناس یہ ہے:

۱۔ اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔

۲۔ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔

الجواب : یہ عبارت کفریوں ہے کہ یہ اس کا انکار ہے کہ خاتم النبین کے معنی آخر الانبیاء ہے خاتم النبین کے معنی آخر الانبیاء ہونا ضروریات دین سے ہے۔ اس پر اجماع امت ہے اس عبارت میں اس کا انکار ہے۔ نانوتوی یہ کہتا ہے۔ کہ آپ سب سے آخری نبی نہیں اور خاتم النبین کے معنی آخری نبی کے نہیں۔ بلکہ خاتم بالذات کے ہیں۔

یعنی آپ کو نبوت بلاواسطہ ملی۔ اس لئے اگر آپ کے زمانے میں یا آپ کے زمانے کے بعد کوئی نبی پیدا ہو تو خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ حالانکہ جب حضور ﷺ خاتم النبیین بمعنی آخر الانبیاء ہیں تو آپ کے زمانہ میں یا آپ کے زمانے کے بعد کوئی نبی پیدا ہو تو خاتمیت محمدی میں فرق آئے گا بلکہ آپ خاتم ہی نہ ہوں گے۔ کہ جب خاتم بمعنی آخر لیا تو دوسرے کا سوال ہی نہیں۔

اس کو اور آسان الفاظ میں یوں سمجھئے یہ ایمان ہے کہ حضور ﷺ خاتم النبیین ہیں اس معنی میں آپ کے زمانے میں یا آپ کے زمانے کے بعد کوئی نبی پیدا ہو تو یہ خاتمیت محمدی کے منافی ہے۔ اگر منافی نہ ہوتا تو کفر نہ ہوتا۔ تو جو بات کفر ہے اس کو قرآن کے معنی بتادیا ہے۔ اس لئے یہ کلمہ کفر ہوا۔

اگر مطلقا یہ شرط و جزا ایمان ہے تو اس معترض سے پوچھئے اگر کوئی اس سے سیکھ کے یہ کہے۔ اگر بالفرض زمین و آسمان میں چند خدا ہیں تو بھی اللہ عزوجل کی توحید میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ یہ کلمہ کفر ہے یا ایمان اگر ایمان بتائے تو دیوبند استفتا بھیج کر اس کا دماغ درست کیجئے اور اگر کفر مانے تو اس سے پوچھئے یہاں بھی اگر ہے یہاں بھی بالفرض ہے یہ کیوں کر کفر ہوا اور تحذیر الناس میں اگر اور بالفرض ہونے کی وجہ سے وہ کیسے دیوبندیوں کا ایمان ہوا؟

معترض نے تحذیر الناس کی عبارت آیۂ کریمہ: **لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا۔** کے مثل مان کر تحذیر الناس کی عبارت کے کفر کو قبول کیا۔ اس لئے کہ حسب قاعدہ نحو لو اپنے مدخول کو مثبت کو منفی اور منفی کو مثبت بنادیتا ہے۔ اسی وجہ سے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ زمین و آسمان میں نہ چند معبود ہیں اور نہ زمین و آسمان میں فساد۔ اب اس قاعدے کی رو سے تحذیر الناس کی عبارت کا مطلب یہ ہوا۔ کہ آپ کے زمانے میں کہیں کوئی نبی نہیں اور آپ کی خاتمیت باقی نہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور خاتمیت محمدی میں فرق آگیا۔ حضور ﷺ کی خاتمیت کا باقی نہ رہنا اور اس میں فرق ماننا

کفر ہے جس سے کسی دیوبندی کو انکار کی مجال نہیں۔

بات اصل یہ ہے کہ قاتل ایک قتل چھپانے کے لئے دس قتل کرتا ہے چور پکڑے جانے کے اندیشے سے قتل کر ڈالتا ہے، ایک کفر پر پردہ ڈالنے کی ہر کوشش دوسرے کفر کی جانب کھینچ کر لے جاتی ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ صدق شرطیہ کے لئے صدق مقدم و تالی لازم نہیں۔ یہ حق ہے۔ مگر وجود علاقہ لازم ہے۔ اور قضیہ شرطیہ میں علاقے ہی پر مدار حکم ہے۔ یہ کہنا سچ ہے "انسان اگر گدھا ہوتا تو اس کے دم ہوتی۔" مگر یہ کہنا غلط ہے کہ انسان اگر گدھا ہوتا تو اس کے سینگ ہوتی۔ اس لئے کہ پہلے میں علاقہ درست دوسرے میں نہیں۔ اب اگر کوئی یہ کہے زید بالفرض اگر گدھا ہوتا تو خدا ہوتا کلمہ کفر ہے۔ اس لئے کہ یہاں قائل نے جو علاقہ ثابت کیا ہے وہ کفر ہے۔

اسی طرح تحذیر الناس میں "اگر اور بالفرض" ہوتے ہوئے بھی وہ عبارت اس لئے کفر ہے۔ کہ اس میں جو علاقہ بتایا گیا ہے۔ وہ کفر ہے۔ یعنی حضور ﷺ کے زمانے میں یا حضور ﷺ کے زمانے کے بعد نبی ہونے کو خاتمیت محمدی کے منافی نہیں جانا۔ حالانکہ حضور ﷺ کے زمانے میں یا حضور ﷺ کے زمانے کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا خاتمیت محمدی کے منافی ہے۔ اور یہ اجلی بدیہیات اور ضروریات سے ہے۔ جسے ہر بے پڑھا لکھا سمجھدار مسلمان بھی جانتا ہے۔ کسی مسلمان سے پوچھئے کہ اگر حضور ﷺ کے زمانے میں یا حضور کے زمانے کے بعد کوئی نبی پیدا ہو جائے تو خاتمیت محمدی میں فرق آئے گا کہ نہیں؟ تو وہ فوراً کہے گا ضرور فرق آئے گا پھر حضور خاتم النبین کیسے؟

اگر اور بالفرض کی آڑ تو کسی عیار کی ایجاد ہے۔ کہ عوام اس میں الجھ کر شک میں پڑ جائیں۔ ورنہ بات صاف ہے۔ تحذیر الناس کی عبارت سے بالکل واضح ہے کہ اس کا قائل۔ حضور ﷺ کے زمانے میں یا آپ کے بعد کسی نبی کے پیدا ہونے کو ممکن مانتا ہے۔ اور یہ کفر ہے۔ آنحضور ﷺ کے زمانے میں یا بعد میں نبی پیدا ہونا محال شرعی

ہے۔اور آیۂ کریمہ خاتم النبیین کے منافی ہے۔اس لئے کفر صریح ہے۔

بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان کا ممکن ہونا ماننا بھی کفر ہے جیسے۔اللہ عزوجل کا شریک ممکن ماننا۔ قرآن کے بعد کسی آسمانی کتاب کا نزول ممکن ماننا اسی طرح حضور ﷺ کے زمانے میں یا آپ کے بعد کسی نبی کو ممکن ماننا کفر ہے۔اور تحذیر الناس کی عبارت کا یہی صریح مطلب ہے۔اس لئے یہ عبارت بلاشبہ کفر صریح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ماہنامہ اشرفیہ، مئی ۱۹۹۸ء ص: ۹--۱۰)

مادۂ منویہ کا غیر فطری استعمال

سوال : ہندہ کی شادی زید سے ہوئی۔ شوہر سے کوئی اولاد نہیں ہو رہی ہے شوہر بار بار طلاق کی دھمکی دے رہا ہے جب کہ عورت میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ایسی صورت میں ہندہ کی سہیلی نے اپنے شوہر کی "منی" لے کر ٹیوب کے ذریعہ ہندہ کے رحم میں ڈلوادیا اور اس کو بچہ پیدا ہو گیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ

(الف) ہندہ کا رحم میں غیر کی منی ڈلوانا۔ اس کی سہیلی کا یہ تعاون کرنا شرعا کیسا ہے؟

(ب) جو اولاد ہو گی شرعا اس کی حیثیت ولد الزنا کی ہے یا ولد الحرام کی۔

جواب: یہ انتہائی بے حیائی اور سخت حرام ہے کہ کسی مرد کی منی ٹیوب میں لے کر دوسری عورت کے رحم میں داخل کیا جائے۔

اولاً : بلاضرورت شرعیہ عورت کا اپنی شرمگاہ میں سوائے اپنے شوہر کے آلہ تناسل کے کسی چیز کو داخل کرنا حرام د گناہ ہے۔یہ استمنا بالید کے حکم میں ہے اور یہ بہ حکم حدیث حرام ہے۔ حدیث میں ہے کہ۔ فرمایا:

"ناكح اليد ملعون" كمافى شرعة الاسلام

والدر المختار،

اور یہ حکم عام ہے مرد و عورت دونوں کے لئے نیز "ید" کی بھی تخصیص نہیں اس لئے کہ یہ قید واقعی ہے، کیوں کہ عموماً استمنا ہاتھ ہی سے ہوتا ہے اس لئے "ید" فرمایا۔ کسی طرح بھی استمنا ہو علاوہ جماع کے خواہ ران میں رگڑ کر یا کسی اور طریقہ سے۔ اس لئے یہ حدیث اپنے اطلاق کے اعتبار سے "ٹیوب" کے ذریعہ منی داخل کرنے پر بھی صادق۔ شامی میں ہے:

> کمالوانزل بتفخیذ اوتبطین علی هذا فلوا دخل ذکره فی حائط ونحوه حتی امنی او استمنی بکفه بحائل یمنع الحرارة یاثم ایضا. ویدل ایضا علی ماقلنا مافی الزیلعی حیث استدل علی عدم حله بالکف. بقوله تعالی. " والذین هم لفروجهم حافظون الاعلی ازواجهم اوماملکت ایمانهم. الایة. وقال فلم یبح الاستمتاع الابهما. ای بالزوج والامة. فافادعدم حل الاستمتاع ای قضاء الشهوة بغیر هما.

"ٹیوب" استعمال کرنے میں اگر عورت کو شہوت نہ ہو اور قضاء شہوت نہ ہو تو انعقاد جنین محال ہے۔

ثانیا: کسی عورت کو بھی یہ جائز نہیں کہ کسی عورت کی شرمگاہ کو بلاضرورت شرعیہ دیکھے یا چھوئے۔ اور ٹیوب استعمال کرنے کا عام طریقہ یہی ہے کہ دوسرا کوئی مرد یا عورت استعمال کرتی ہے اور اگر بالفرض عورت نے خود وہ ٹیوب استعمال کر لیا ہو تو پہلی وجہ حرمت اپنی جگہ باقی ہے۔ یہ عورت اور اس کی سہیلی اور سہیلی کا شوہر تینوں گنہ گار ہوئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(الف، ب) یہ اولاد ثابت النسب ہو گی اور اس کی مانی جائے گی جس کی زوجیت میں یہ عورت ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا:

"الولد للفراش وللعاهر الحجر. واللہ تعالیٰ اعلم.

(ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور -- جولائی ۱۹۹۱ء ص:۹-۱۰)

ٹیوب کے ذریعہ

مادہ جانوروں کے رحم میں مادہ منویہ ڈالنا کیسا ہے

ٹیوب کے ذریعہ مادہ جانوروں کے رحم میں مادہ منویہ ڈال کر اولاد پیدا کی جاتی ہے شرعا یہ فعل کیسا ہے جب کہ سائنسی ترقی نے اس کو عملا کر دکھایا ہے؟

جواب: یہ بھی غیر فطری فعل ہے اور "نر" کو خلقی حق سے محروم کرنا ہے اس لئے اس کی بھی اجازت نہیں ہونی چاہیئے۔ اس سے جو بچہ پیدا ہو گا وہ مادہ کی نسل سے مانا جائے گا حلت و حرمت میں اس بچے کے وہی احکام ہوں گے جو اس کی ماں کے ہیں۔ در مختار میں ہے:

یحل اکل ذئب ولدته شاة شامی میں تحفۃ الاقران سے ہے نتیجة الاهل والوحشی تلحق بالام علی المرضی ومثله نتیجة المحرم مع المباح یا اخی فاعلم. واللہ تعالیٰ اعلم.

(ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور -- جولائی ۱۹۹۱ء ص: ۱۰)

بینک کا نفع

سوال: ماہنامہ اشرفیہ شمارہ جنوری ۱۹۸۹ء ! میں جناب مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی۔ نے بینکوں کے منافع کا لینا جائز قرار دیا ہے۔اور یہ بھی لکھا ہے کہ ہندوستانی بینکوں میں پیسہ جمع کرنے سے جو زائد پیسہ ملے وہ سود نہیں۔اور دلیل میں حدیث رسول اللہ علیہ پیش کیا ہے۔

برائے مہربانی اس حدیث کا ترجمہ بتایئے بڑی مہربانی ہوگی، کیونکہ اس حدیث میں دار الحرب کا لفظ آیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ بینک سے حاصل کردہ سود کا مصرف بھی ذکر کیجئے کہ کون اور کہاں استعمال کیا جائے۔اگر مولانا نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا ہے تو ہم سب مسلمانوں کو فوراً ہجرت کرنی چاہئے؟--ویسے تو ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے مذہبی فرض ادا کرنے کی پوری پوری آزادی ہے۔

معاف کیجئے میں تو کوئی عالم نہیں، اردو بھی اتنی اچھی نہیں جانتا پھر بھی اس حدیث کا ترجمہ چاہتا ہوں۔ جوابی خط روانہ کر دیا ہوں مہربانی فرما کر فوراً جواب دیں۔

بہت بہت شکریہ، آپ کے خط کا منتظر رہوں گا۔ خدا حافظ

محمد امیر جان

الجواب: ماہنامہ اشرفیہ بابت ماہ جنوری ۱۹۸۹ء میں جو میرا فتویٰ شائع ہوا ہے وہ صحیح اور حق ہے۔اس میں مطلقاً بینکوں کے منافع کو میں نے جائز نہیں کہا ہے بلکہ ان بینکوں کے منافع کو جائز کہا ہے جو غیر مسلموں یا حکومت کے ہوں۔اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ بینک جو مسلمانوں کے ہوں ان میں روپیہ جمع کرنے پر جو زائد رقم ملے وہ جائز نہیں وہ سود اور حرام ہیں۔ فتوے میں صاف تصریح ہے کہ "اگر وہ بینک

کو موجودہ ہندوستانی حکومت یا غیر مسلموں کے ہیں۔" اور آپ نے اپنی اعتراضی تحریر میں صرف "ہندوستانی بینکوں" لکھا ہے حکومت کا لفظ اڑا دیا ہندوستانی حکومت کا بینک وہ ہے جو حکومت کی ملک ہوں اور ہندوستانی بینک کا یہ مطلب ہوتا ہے وہ بینک جو ہندوستان میں ہو خواہ وہ کسی کی ملک ہو۔ مسلمانوں کی ملک ہوں یا غیر مسلموں کی ملک ہو یا ہندؤں کی ملک میں ہو فتوے کو بغور پڑھنا چاہئے اور اس کو صحیح سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ حدیث کے ترجمے سے آپ جو اعتراض کرنا چاہتے ہیں اس کا جواب اسی فتوے میں حدیث کے بعد موجود ہے۔ آپ کسی عالم سے پوری عبارت کا ترجمہ کرا کر مطلب پوچھ لیتے تو آپ کا شک وشبہہ دور ہو جاتا۔ آپ پہلے ترجمہ سنئے پھر توضیح۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔ مسلمان اور حربی کے درمیان دارالحرب میں سود نہیں-- آگے کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔ دارالحرب کی قید احترازی نہیں ہے واقعی ہے۔ اور ہمارے دیار کے کفار حربی ہیں ذمی اور مستامن نہیں۔

اس کی توضیح یہ ہے، قید کی تین قسمیں ہیں۔ واقعی، اتفاقی، احترازی،۔ واقعی اور اتفاقی کا مفہوم نہیں ہوتا۔ اور احترازی کا مفہوم ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

لاتاکلوا الربوا اضعافا مضاعفة-- دونا دون سود مت کھاؤ۔

یہ قید احترازی نہیں واقعی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں واقعہ یہی تھا کہ مشرکین دونادون سود کھاتے تھے اس لئے اسی کو بیان فرمایا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ دونادون سے کم سود کھانا جائز ہے بلکہ سود بہر حال مطلقا حرام ہے اگرچہ اقل قلیل ہو۔

دوسری آیت میں فرمایا: **لاتکرهوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا**۔ اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں۔

اس آیت میں "اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں" کی قید بھی احترازی نہیں واقعی ہے۔ چوں کہ بد طینت کفار اپنی باندیوں کو زناکاری پر مجبور کرتے اور اس کی کمائی کھاتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر باندیاں زنا کرانے پر راضی ہو جائیں تو انھیں زنا پر مجبور کیا

جاسکتا ہے۔ زنا بہ ہر حال حرام ہے۔ خواہ باندی راضی ہو یا بیزار اور اس کی کمائی بہ ہر حال حرام۔

اسی طرح اس حدیث میں فی دار الحرب کی قید احترازی نہیں واقعی ہے کہ جس زمانے میں یہ ارشاد ہوا۔ مسلمان اور حربی صرف دار الحرب ہی میں اکٹھے ہو سکتے تھے۔ حربی کافر دار الاسلام میں حربی ہوتے ہوئے داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر دار الحرب کا باشندہ حربی، غیر مسلم دار الاسلام میں آنا چاہتا تو قانونی طور پر ضروری تھا کہ وہ باقاعدہ عقد امان لے کر آئے بغیر عقد امان دار الاسلام میں آ ہی نہیں سکتا۔ اور جب عقد امان لے لیگا تو وہ حربی نہیں رہے گا، مستامن ہو جائے گا۔

آپ حیرت میں ہوں گے کہ میں کیا چیستاں بول رہا ہوں۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ غیر مسلم تین قسم کے ہیں۔ ذمی، حربی، مستامن، مستامن وہ غیر مسلم ہے جو دار الحرب کا باشندہ ہو اور بطریق مقررہ حاکم اسلام سے امان لے کر مدت متعینہ تک کے لئے عارضی طور پر دار الاسلام میں آیا ہو۔ ذمی وہ غیر مسلم ہے، جو دار الاسلام کا باشندہ ہو اور حاکم اسلام سے عقد ذمہ کر کے بطریق شرعی جزیہ دیتا ہو۔ حربی وہ غیر مسلم ہے جو نہ ذمی ہو نہ مستامن، حربی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو دار الاسلام میں رہتا ہو مگر نہ اس نے حاکم اسلام سے ذمہ کیا ہے اور نہ جزیہ دیتا ہے۔ خواہ اس بنا پر کہ وہاں حکومت اسلام ہی نہیں جیسے اس وقت ہندوستان کی حالت ہے۔ خواہ اس وجہ سے کہ حاکم نے تساہل برتا ہے وہ ان سے بطریق شرعیہ جزیہ نہیں لیتا۔ جیسا کہ سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے عہد کے غیر مسلموں کے بارے میں ان کے استاذ عارف باللہ ملا احمد جیون قدس سرہ نے تفسیرات احمدیہ میں لکھا ہے: **اذ، هم الاحربيون وما يعقلها الا العالمون**۔ اس زمانے کے غیر مسلم حربی ہی ہیں۔ اسے صرف علم والے سمجھ سکتے ہیں۔

دوسرے وہ حربی غیر مسلم جو دار الحرب میں رہتے ہوں، اس تفصیل میں آپ

غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ عہد رسالت میں کوئی حربی، حربی رہتے ہوئے دار الاسلام میں نہیں آسکتا تھا۔ دار الاسلام میں وہی غیر مسلم رہ سکتا تھا جو ذمی ہویا پھر مستامن ہو کر عارضی طور پر آئے۔ اس لئے وہ ارشاد فرمایا کہ مسلمان اور حربی کے مابین دار الحرب میں سود نہیں۔ کیوں کہ اس عہد مبارک میں یہ صورت ممکن ہی نہیں تھی کہ حربی، حربی رہتے ہوئے دار الاسلام میں آسکے۔

اس قید کے واقعی ہونے پر دو اہم قرینے ہیں۔ اول یہی حدیث اختلافات الفاظ کے ساتھ یوں مروی ہے: **لاربوا بين اهل الحرب واظنه قال واهل الاسلام** ۔(درایہ) اہل حرب اور اہل اسلام کے درمیان سود نہیں۔

اس حدیث میں فی دار الحرب کی قید نہیں۔ اگر انتفائے ربا صورت مذکورہ میں دار الحرب کے ساتھ خاص ہوتا تو یہ قید اس حدیث میں بھی ضرور ہوتی دوسرے یہ کہ حربی اور مسلمان کے درمیان انتفائے ربا کی علت دار نہیں بلکہ حربیوں کے اموال کا مباح اور غیر معصوم ہونا ہے۔ ہدایہ میں ہے:

> **لان مالهم مباح في دارهم فباى طريق اخذه المسلم اخذ مالا مباحا اذا لم يكن فيه غدر بخلاف المستامن منهم لان ماله صار مهجورا بعقد الامان.**

> ترجمہ: اس لئے کہ ان کا مال ان کے دار میں مباح ہے بغیر غدر و فریب کے مسلمان جس طرح بھی لے گا مال مباح لے گا۔ بخلاف مستامن کے کہ اس کا مال عقد امان کی وجہ سے مہجور (معصوم) ہو گیا، مباح نہ رہا۔

دیکھئے امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے حربی اور مسلم کے مابین انتفائے ربا کی علت دار کو نہیں قرار دیا۔ بلکہ مال کے مباح ہونے کو اور یہ ہر مسلمان پر اظہر من الشمس ہے کہ حربی غیر مسلم کا مال دار الاسلام میں مباح ہونا بہ نسبت دار الحرب کے زیادہ ظاہر، یہ خود صاحب ہدایہ کے اس ارشاد سے ظاہر۔ **بخلاف المستامن منهم**

لان ماله صار مهجورا بعقد الامان۔

کیوں کہ انہوں نے مستامن کے مال کے مہجور ہونے کی علت عقد امان بتایا۔

اس سے صاف ظاہر کہ اگر کوئی حربی بغیر عقد امان دارالاسلام میں آئے تو اس کا مال مباح ہوگا۔ اور جب مسلم اور حربی کے مابین انتفائے ربا کی علت حربی کے مال کا مباح ہونا ہے اور دارالاسلام میں بھی اس کا مال مباح تو دارالاسلام میں بھی حربی اور مسلمان کے مابین سود نہیں۔ اس لئے فی دارالحرب کا مفہوم مخالف معتبر نہیں اصل مسئلے کو اب آپ یوں سمجھئے سود کے تحقق کے لئے عصمت بدلین شرط، ردالمحتار میں شرنبلالیہ کے حوالے سے ہے۔

ومن شرائط الربا عصمة البدلين و كونهما مضمونين بالاتلاف فعصمة احدهما وعدم تقوم الاخر لا يمنع (جلد رابع ص ۱۷٦)

ترجمہ: ربا کے شرائط میں سے بدلین کا معصوم ہونا اور تلف کرنے پر موجب ضمان ہونا ہے۔ تو ان میں سے ایک کا معصوم ہونا اور دوسرے کا بے قیمت ہونا ممنوع نہیں کرتا۔

حربی خواہ دارالاسلام میں ہو خواہ دارالحرب میں اس کا مال معصوم نہیں مباح ہے۔

اس وقت ہندوستان کے غیر مسلم ذمی یا مستامن نہیں، اس لئے کہ ذمی اور مستامن ہونے کے لئے اسلامی حکومت ہونا لازم، اس لئے یہاں کے غیر مسلم حربی ہوئے۔ مگر چوں کہ ہم یہاں اس عہد کے ساتھ سکون پذیر ہیں کہ یہاں کے باشندوں کے جان و مال سے تعرض نہیں کریں گے انھیں ایذا نہیں پہونچائیں گے ان کی مرضی کے بغیر ان کا مال نہیں لیں گے۔ اس لئے شرعا انھیں ایذا پہونچانا یا ان کی مرضی کے بغیر ان کا مال لینا جائز نہیں، لیکن اگر وہ بخوشی کسی ایسے عقد کے ذریعہ سے اپنا مال دیں جو مسلمان مسلمان کے مابین شرعا ناجائز ہو اس کے لینے میں کوئی قباحت نہیں جیسا کہ

بینکوں میں روپیہ جمع کرنے پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اس کے بعد شارح بخاری نے منافع بینک کے جواز پر معترضین سے کچھ اہم سوالات کیے جو بظاہر سوال ہیں لیکن غور کریں، توان سوالات میں مسئلہ دائرہ کا مضبوط اور ٹھوس حل موجود ہے۔

معترضین سے سوالات!

۱۔ ہندوستان دار الاسلام ہے اب یہاں کے غیر مسلم حربی ہیں یا مستامن یا ذمی؟

۲۔ حربی غیر مسلم کا مال دار الاسلام میں معصوم ہے یا مباح؟

۳۔ دار الحرب میں مسلم اور حربی کے درمیان جو سود نہیں اس کی علت دار ہے یا ان کے اموال کا مباح ہونا ہے؟

۴۔ سود کے شرائط میں سے عصمۃ البدلین ہے یا نہیں۔؟

۵۔ عقود فاسدہ کے ذریعہ حربی غیر مسلم کا مال لینا دار الحرب کے ساتھ خاص ہے یا دار الحرب اور دار الاسلام دونوں کے ساتھ عام؟۔ اگر خاص ہے تو تخصیص کی کیا دلیل ہے۔؟

(ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور -- مئی ۱۹۸۹ء ص: ۸-۱۱)

پوتے کی وراثت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اسلامی رو سے بیٹے کی موجودگی میں پوتے میراث سے محروم رہتے ہیں۔ اگرچہ وہ دوسرے بیٹے کے بطن سے

ہوں اور اگر چہ وہ چھوٹے کام کاج کر کے کمانے کے لائق نہ ہوں۔ عقل کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان بے سہارے بچوں کو جو یتیم لاوارث ہوں۔ ضرور میراث ملے۔ بلکہ بیٹوں سے زائد ملے تاکہ وہ برباد نہ ہوں۔ خلاف عقل اسلام کا قانون کیوں۔ ہے اس کی وجہ بتایئے۔
این ایس ایڈوکیٹ۔ رانچی۔

جواب: عقل کو کیوں داغ لگاتے ہیں۔ تقاضاے عقل یہی ہے۔

البتہ جذبات کا تقاضا یہ ہے کہ صورت مذکورہ میں پوتوں کو ضرور دادا کی میراث ملنی چاہیئے۔ مگر جذبات کے تقاضے اور عقل کے تقاضے میں بہت تفاوت ہے۔ ہر جذبہ کا مقتضی صحیح ہو یہ ضروری نہیں یہ دوسری بات ہے کہ کبھی کبھی جذبات عقل کو اتنا مغلوب کر لیتے ہیں کہ عقل صحیح رہنمائی نہیں کر پاتی۔ یہی قصہ یہاں بھی ہے بنیادی بات یہ ہے کہ دنیا کے ہر سیاسی تمدنی معاشی قانون کی کوئی نہ کوئی بنیاد ہوتی ہے۔ بے بنیاد قانون قانون نہیں ہوتا ٹکا سیر بھاجی ٹکا سیر کھاجا ہوتا ہے۔ اسی طرح میراث کے جملہ جزئیات کی بھی ایک بنیاد ہے۔ جو عین تقاضاے عقل کے مطابق ہے۔ وہ بنیاد ضرورت احتیاج یتیمی تنگدستی مجبوری نہیں۔ وہ بنیاد رشتہ ہے اور مختلف درجوں کے رشتوں کی موجودگی میں قریب سے قریب تر ہے۔ اگر وراثت کی بنیاد محتاجی یتیمی تنگ دستی مجبوری مانی جائے تو لازم کہ فارغ البال بیٹے کی موجودگی میں تنگ دست اپاہج یا یتیم پڑوسی ترکہ پائے بیٹا نہ پائے۔ اور اگر دونوں کو مخلوط بنیاد ٹھہرائیں تو لازم کہ فارغ البال بیٹے کی موجودگی میں تنگ دست اپاہج یا یتیم بھائی میراث پائے۔ بیٹا نہ پائے۔ اگر صرف رشتہ کو بنیاد قرار دیں ضرورت اور مجبوری نہ شامل کریں جب بھی تو چاہیئے کہ بیٹا بھی پائے اور بھائی بھی پائے چچا بھی پائے۔ وغیرہ وغیرہ حالانکہ تمام دنیا کے عقلا اور لطف یہ کہ یہی عقلا جو بیٹے کی موجودگی میں پوتے کو میراث دینے پر مصر ہیں۔ بیٹے کی موجودگی میں بھائی اور چچا کو میراث نہیں دیتے۔ حالانکہ رشتہ تینوں جگہ ہے بلکہ سب کا اتفاق ہے کہ بیٹے کی موجود

گی میں بھائی اور بھائی کی موجودگی میں چچا میراث سے کچھ نہیں پائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ وراثت کی بنیاد صرف رشتہ نہیں بلکہ رشتہ اقرب فالاقرب کی ترتیب ہے۔ یہاں تک سارے عقلا متفق ہیں۔ تو جب وراثت کی بنیاد رشتہ اقرب فالاقرب ہے یعنی قریب تر رشتہ دار کے ہوتے ہوئے اس کی بہ نسبت دور کا رشتہ دار خواہ وہ کتنا ہی ضرورت مند ہو۔ خواہ وہ کتنا ہی مجبور ہو۔ اگر چہ دودھ پیتا یتیم ہو۔ میراث کا حق دار نہیں۔ اور یہی عقل کا تقاضا ہے۔ تو اب فیصلہ آسان ہے کہ بیٹے کی بہ نسبت پوتا رشتہ میں ضرور دور ہے اور بیٹا بہ نسبت پوتے کے ضرور قریب تر ہے اس لئے بیٹے کی موجودگی میں پوتا محروم رہتا ہے۔ اگر چہ وہ کتنا ہی کم سن ہو اگر چہ وہ یتیم ہو اگر چہ وہ مجبور ہو۔ اس لئے کہ بنیاد یتیمی نہیں رشتہ ہے وہ بھی قریب سے قریب تر کی ترتیب کے ساتھ ہے۔

عقل سے جذبات کا دباؤ ختم کر کے سوچئے تو بات بالکل صاف ہے۔ ورنہ غور کیجئے۔ بھائی اور پوتے ایک درجہ کے ہیں۔ پوتا بیٹے کی اولاد ہے اور بھائی باپ کی دونوں کے درمیا یہ بات مشترک ہے کہ بیچ میں ایک پیڑھی حائل ہے۔ پھر کیوں بھائی کی میراث بھائی نہ پائے اور دادا کی میراث پوتا پائے۔ وجہ فرق بتانا پڑے گا۔ اور اگر یہ کہیں کہ پوتا اس کا جز ہے بھائی اس کا جز نہیں، بلکہ یہ جس کا جز ہے وہ اس کا جز ہے۔ تو بتائیے کہ نواسا اور نواسی تو اس کے جز کے جز ہیں۔ اور بقیہ وہی صورت ہے جو پوتے میں ہے۔ پھر چاہیئے کہ نواسے اور نواسی کو بھی میراث ملے۔ مگر اس کو نہ تو کوئی کہتا ہے اور نہ کوئی قانون ہے آخر کیوں۔ گھوم پھر کر پھر وہیں آنا پڑے گا کہ چوں کہ وراثت کی بنیاد رشتہ اقرب فالاقرب کی ترتیب ہے اس لئے نواسا اور نواسی میراث نہیں پائیں گے۔ پھر یہی قاعدہ پوتے اور پوتی میں کیوں از کار رفتہ ہے۔ وہی عقل پر جذبات کا دباؤ۔ اور دوسرا ذہنی دباؤ ماحول کا۔ الناس علی دین ملوکہم۔ لوگ اپنے بادشاہ کے طریقے پر رہتے ہیں۔ انگریز جب حکمراں تھے تو ان کا تمدن ان کا قانون کچھ لوگوں کو اچھا لگتا تھا اور اب جب کہ حکمراں ہندو ہیں تو ان کا طور طریقہ اچھا لگنے لگا۔ ان کے یہاں چوں کہ یہ قانون ہے

کہ متوفی بیٹے کی اولاد نرینہ زندہ بیٹوں کی موجودگی میں میراث کی حق دار ہے۔اس لئے اب مسلمانوں کو بھی یہی صحیح نظر آنے لگا۔ لیکن ذی عقل جانتا ہے کہ غور وفکر پر جب کوئی رعب ہو اور وہ بھی حکمراں کا رعب تو عقل صحیح کام نہیں کرتی۔اس لئے کسی بھی معاملہ کو صحیح طریقے سے جانچنے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ عقل کو ہر قسم کے جذبات سے ہر قسم کے دباؤ سے آزاد کر لیا جائے پھر سوچا جائے تو فیصلہ صحیح ہوگا ورنہ فیصلے کا غلط ہونا لازم ہے۔ یتیمی، بے چارگی، ضرورت احتیاج کا علاج وراثت کے استحقاق کے علاوہ شریعت نے کچھ اور رکھا ہے۔ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ دادا اپنے پوتوں کو اپنی زندگی ہی میں جو چاہے دیدے۔یا وصیت کر جائے۔ تہائی ترکے تک وصیت کا اس کو حق ہے۔دادا جب جانتا ہے کہ میرے ترکے میں سے پوتوں کو کچھ نہیں ملے گا اور وہ چاہتا ہے کہ ان کو ملے۔ تو زندگی میں دینے سے کس نے روکا تھا وصیت کرنے سے کس نے منع کیا ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

پوتے کی وراثت

سوال: پوتے کے سلسلے میں آپ کا جواب موصول ہوا۔اور اس بات کی خوشی ہے کہ آپ کا جواب مکمل طور سے تسلی بخش ہے۔اس کے قبل میں نے یہ بات بہت سے علما کے سامنے رکھی۔ مگر کسی نے ایسا جواب نہ دیا جس سے پورا اطمینان حاصل ہوتا۔ایک صاحب نے تو یہ کہہ کے بات ٹالی کہ یہی اللہ ورسول کا حکم ہے۔یہ ہماری عقل کا قصور ہے کہ جو سمجھ میں نہیں آتی۔

ایک صاحب نے بتایا کہ پوتا ڈبل میراث پائے گا ایک دادا کی اور ایک اپنے باپ کی جو پا چکا ہے۔جب میں نے کہا کہ یہی بات تو اس بیٹے کی اولاد پر صادق ہے جو میراث

پارہا ہے۔ اس کی اولاد اپنے باپ کی میراث پائیں گے جو منجملہ ہوگی۔ دادا کی میراث کا۔ تو خاموش ہوگئے۔ آپ نے صحیح بناضی کی اس مسئلہ کو سمجھنے میں حارج جذبات تھے۔ جب میں نے پہلی بار پڑھا تو بہت کم سمجھ آیا مگر جب دوبارہ پڑھا تو سمجھ کے قریب ہوا تیسری مرتبہ جب ہر ہر آئٹم کو بغور ٹھہر ٹھہر کر پڑھا تو بالکل سمجھ میں آگیا۔ آپ نے جس طرح آسان کر کے اسے سمجھایا ہے۔ وہ آپ ہی کا حق ہے۔ اب صرف ایک شبہہ رہ گیا کہ جب وراثت کی بنیاد رشتہ قریب سے قریب تر ہے۔ تو چاہیئے کہ بیٹا اور بیٹی کو برابر حصہ ملے حالانکہ بیٹی کو بیٹے کا آدھا حصہ ملتا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے نا کہ وہ دوسرے خاندان کی فرد ہے اسی طرح نواسا بھی چوں کہ دوسرے خاندان کا فرد ہے اس لئے میراث سے محروم رہے گا۔ اور پوتا چوں کہ داداہی کے خاندان کا فرد ہے اس لئے اسی کو ملنا چاہیئے۔ امید ہے کہ اس شبہے کو بھی آپ حل کر دیں گے اس کا جواب ایک صاحب نے یہ دیا ہے کہ یہ مسئلہ خلاف عقل ہے مگر میں ایسا مسلمان ہوں کہ شریعت کے کسی بھی مسئلہ کو خلاف عقل تسلیم کرنے کو تیار نہیں اب آپ بتائیے کیا بات ہے۔ (این۔ ایس۔ رانچی)

جواب: آپ کو میری بات سمجھ میں آگئی اور آپ کو اطمینان کلی حاصل ہو گیا۔ اس کی مجھے بے پناہ خوشی ہے۔ یہ بات اپنی جگہ حق ہے کہ اسلام چوں کہ دین فطرت ہے۔ فرمایا گیا: فطرة الله التی فطر الناس علیها. اللہ کی ڈالی ہوئی بناپر لوگوں کو پیدا کیا۔ اور فطری شی مقتضا عقل کے خلاف نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں اللہ عزوجل حکیم ہے اور حکیم کا کوئی فعل کوئی قول کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر حکم الٰہی کی حکمت ہماری بھی سمجھ میں آجائے۔ ہم کیا ہماری عقلیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ حکم الٰہی کے رموز تک ہمارے عقل کی رسائی نہ ہو سکے۔ اللہ عزوجل کے احکام کی کنہ کا جاننا تو بڑی بات ہے۔ بعض دفعہ ایک انسان دوسرے انسان

کی باتوں کی کنہ کو نہیں جان پاتا حالانکہ بات وہی درست ہوتی ہے۔ مسٹر جواہر لال نہرو نے اپنی سوانح میں لکھا ہے کہ مسٹر گاندھی کی باتیں ابتدا میں سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ مگر ہوتا وہی جو وہ کہتے۔ بار بار کے تجربے سے جب ہم نے دیکھ لیا کہ جو وہ کہتے ہیں وہی صحیح ہوتا ہے تو میں ہمیشہ ان کی باتوں کو بلا دلیل مان لیا کرتا تھا۔ جب دنیاداروں کی باتوں میں یہ حال ہے تو اللہ عزوجل اور رسول ﷺ کی باتوں کو اپنی عقل کی ترازو پر تولنا کس قدر غلط ہوگا اس کا عادی بننا کہ جو بات ہماری سمجھ میں آئے تو اسے مانیں اور جو سمجھ میں نہ آئے اس کا انکار کریں۔ آدمی کو الحاد کی طرف لے جاتا ہے۔ عادت اس کی ڈالنی چاہیئے کہ اسلام کے ہر قانون کو بلا دلیل مانیں گے۔ اپنی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ آپ نے اگر میرے سابقہ فتویٰ ہی کو دقت نظر سے پڑھا ہوتا تو یہ شبہ زائل ہو جاتا۔ شریعت نے بیٹی کو بالکلیہ محروم نہیں کیا ہے۔ باپ کی میراث میں سے حصہ دیا ہے۔ اگر دوسرے خاندان کا فرد ہونا وراثت سے محرومی کا سبب کلی ہوتا تو شادی شدہ بیٹی کو کچھ نہ ملتا۔ مگر اس کو بھی ملتا ہے۔ یہ دلیل ہے کہ رشتہ بہ ترتیب اقرب فالاقرب وراثت کے استحقاق کی غیر متزلزل بنیاد ہے۔ اس پر دوسرے خاندان کا فرد ہونا بھی اثرانداز نہیں۔ ورنہ بیٹی کو کچھ نہ ملتا بہن کو کچھ نہ ملتا شادی شدہ ہوتی یا نہ ہوتی آخر غیر شادی شدہ لڑکی اور بہن آج نہیں تو کل بالیقین دوسرے خاندان کا فرد ہو گی اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ پھر بیٹی کو بہن کو بیٹے اور بھائی کا آدھا کیوں ملتا ہے جب کہ رشتہ قربت میں ایک درجے کا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مرد پر اپنے اہل و عیال کی مکمل ذمہ داری ہوتی ہے اور عورت پر کسی کے اخراجات کا بار نہیں ہوتا بلکہ اس کے سارے اخراجات اس کے شوہر کے سر ہوتے ہیں۔ اس لئے مرد کو عورت سے زیادہ ملنا لازم ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ استحقاق وراثت کی بنیاد بہر حال رشتے پر بہ ترتیب اقرب فالاقرب ہے۔ البتہ حصہ کی کمی بیشی دوسرے اسباب پر مبنی ہے۔ جو مختلف ہیں۔ اور جن کی تفصیل بہت دراز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ماہنامہ پاسبان، الہ آباد، - مئی ۱۹۷۹ء -- ص:۱۸ تا ۲۰)

گوشت خوری کا مسئلہ

سوال: کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلہ میں کہ ایک ایڈوکیٹ ہیں جن کا نام ایس، ایم سلمان ارشد ہے۔ ان کا ایک مضمون، کیا سچ مچ اسلام جانوروں کو ذبح کرنے کی اجازت دیتا ہے؟" کے عنوان سے شاہ جہانپور سے شائع ہونے والے ایک اخبار "دشا سنکیت" کے ۱۵ر۔ اور ۲۱ر مارچ ۱۹۹۹ء کے شماروں میں شائع ہوا ہے۔ مضمون کے چند اقتباسات یہ ہیں۔

۱۔ کہا جاتا ہے کہ اسلام ماساہار (گوشت) کی اجازت دیتا ہے۔ کیا سچ مچ ایسا ہے۔ کیا پیغمبر حضرت محمد ﷺ دنیا کے دوسرے مہاپرشوں (عظیم انسانوں) سے الگ ہٹ کر قدرتی نظام کو بگاڑنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔"؟

۲۔ عید الاضحیٰ ایک ایسا تیوہار ہے جس میں قربانی کرنا انیوارے (لازم) بتایا جاتا ہے کیا سچ مچ میں ایسا ہی ہے؟ جس قرآن کے ذریعہ خدا ہمیں محبت، پیار، دیا، رحم دلی کا سندیش دیتا ہے اور ہر جاندار سے رحم وپیار سے پیش آنے کی تاکید کرتا ہے۔ کیا اسی قرآن کے ذریعہ خدا ہمیں کسی جاندار کے قتل کی اجازت بھی دے سکتا ہے؟"

۳۔ قربانی خلیل کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد مضمون نگار لکھتا ہے۔ "سوچنے کی بات ہے کہ جانوروں کو اس آدھار (بنیاد) پر قتل کر کے ہم کون سا امتحان دے رہے ہیں۔ جہاں اس واقعہ سے ہمیں دنیا کی محبت کو چھوڑنے اور آخرت کے عشق میں مشغول ہونے کا سبق لینا چاہیئے، وہاں ہم جانوروں کا قتل کر کے کہیں اپنی اخرت کو بگاڑ تو نہیں رہے ہیں۔؟ ویسے بھی اسلام کسی بھی شکل میں خون کے استعمال کے خلاف ہے۔ یہ ایک سچائی ہے کہ گوشت سے خون کو پوری طرح الگ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس سے بھی صاف ہوتا ہے کہ اللہ نہیں چاہتا کہ ہم

جانوروں کو قتل کریں۔"

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مضمون نگار کے لکھنے کے مطابق کیا سچ اسلام گوشت کھانے کی اجازت نہیں دیتا؟ کیا واقعۃ خدا ہمیں کسی جاندار کے قتل کی اجازت نہیں دیتا؟ کیا واقعی قربانی جانوروں کا قتل ہے اور اسلام ہم کو اس کی اجازت نہیں دیتا؟

ایسا شخص جو ایسا خیال اور عقیدہ رکھتا ہو۔ اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ ان تمام سوالوں کا جواب قرآن وحدیث کی روشنی میں مرحمت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: ہمیں کسی شخص خاص سے بحث نہیں سوال میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں ان کا کہنے والا لکھنے والا کوئی بھی ہو عمرو ہو بکر ہو مسلمان نہیں اس لئے کہ اس نے قرآن مجید کی کثیر آیتوں کا انکار کیا کہ اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے ارشاد ہے: **فاذبحوا بقرة.** ایک گائے ذبح کرو۔ دوسری آیت میں فرمایا گیا: **"فکلوا مما امسکن علیکم"** تو کھاؤ اس میں سے جو وہ مار کر تمہارے لئے رہنے دیں اور فرمایا: **فکلوا مما ذکر اسم الله علیها ان کنتم بایاتیه مومنین.** تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو۔ اور فرمایا: **وما لکم الا تاکلوا مما ذکر اسم الله علیه.** اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ ان جانوروں کو نہیں کھاتے جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے قربانی کے بارے میں صراحۃ فرمایا گیا: **فصل لربك وانحر.** اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

اور اس شخص نے ایک نہیں ہزار ہا ہزار احادیث صحیحہ کا انکار کیا۔ اس شخص نے جان بوجھ کر قرآن مجید کے ارشادات اور ہزار ہا ہزار احادیث کریمہ کی تصریحات کا انکار کیا یہ کہنا کہ اسلام گوشت کھانے کی اجازت نہیں دیتا آفتاب کو جھٹلانے کے برابر ہے

اسلام علی رؤس الاشہاد ڈنکے کی چوٹ پر حلال وطیب جانوروں کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے کھانے کی اجازت دیتا ہے اور اسے نظام قدرت کے خلاف سمجھنا جہالت ہے اور نظام قدرت سے آنکھیں بند کر لینا ہے۔

مجھے وقت نہیں اور اب معذور بھی ہوں ورنہ تفصیل سے لکھتا مثال کے طور پر آپ صرف ایک تقابل ملاحظہ کریں، کتا حرام ہے اور ایک کتیا چار چار چھ چھ بچے دیتی ہے اسے کوئی نہیں کھاتا ان کی اعداد شمار جمع کیجئے دوسری طرف بکری حلال ہے اور صرف ہندوستان میں لاکھوں بکریاں روز ذبح ہوتی ہیں جب کہ بکری زیادہ سے زیادہ دو بچے دیتی ہے بہت کم ایسی بکریاں ہیں جو تین بچے دیتی ہوں اس کے باوجود بکریوں کی اعداد و شمار جمع کیجئے تو کتوں سے سینکڑوں گنا زیادہ ہیں ان بے عقلوں سے کوئی پوچھے یہ کیسا نظام قدرت ہے کہ جن جانوروں کو کوئی کھاتا نہیں جن کی مادہ بچے بھی زیادہ دیتی ہیں وہ تعداد میں چند ہیں لیکن جن جانوروں کو کھایا جاتا ہے جن کی مادہ بچے بھی نسبۃً کم دیتی ہیں ان کی تعداد گھٹتی نہیں اور قدرت کے غیر معلوم نظام کے مطابق ان کی کثیر سے کثیر تعداد موجود رہتی ہے۔ جانوروں کو ذبح کر کے کھانا ظلم نہیں ان پر رحم ہے یقیناً ذبح میں تکلیف ہوتی ہے مگر وہ تکلیف چند سکنڈ کی ہے اگر جانوروں کو ذبح نہ کیا جائے چھوڑ دیا جائے تو وہ کس اذیت کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کریں گے یہ سوچنے کی بات ہے کیا کھائیں گے بیمار ہو گئے تو کتنی تکلیف اٹھائیں گے ہاتھ پیر ٹوٹ گئے آنکھیں چلی گئیں تو ان کے لئے سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں کہ ایک جگہ پڑے پڑے بھوکے پیاسے گھٹ گھٹ کر تڑپ تڑپ کر دم توڑیں ان مسلسل تکلیفوں اور اذیتوں کے مقابلہ میں ذبح میں چند سکنڈ کی تکلیف کیا حیثیت رکھتی ہے بخلاف انسان۔ انسان چوں کہ سمجھدار ہے بولنے پر قادر ہے اس کا خاندان ہے کنبہ ہے علاج کے لئے ڈاکٹر ہیں دوا ہے معذور ہونے کے بعد خدمت کے لئے بیٹے پوتے وغیرہ ہیں غریب جانوروں کا کون پرسان حال ہے۔

میں نے خود ایک ایسی گائے کا حال دیکھا جس کے ہاتھ پاؤں ٹوٹ گئے تھے نہ اٹھ سکتی تھی نہ چل پھر سکتی تھی اسے کتے نوچ رہے تھے اور کتے ہٹ جائیں تو کوے اس کے زخم کو نوچیں سوچئے اس گائے کا کیا حال ہوگا۔

جو گائیں دودھ دینے کے لائق نہیں رہتیں ان کو گوشالاؤں سے بھی باہر نکال دیا جاتا ہے بلکہ بعض خفیہ رپورٹ کے مطابق سستے داموں پر گوشت خوروں کے ہاتھ بیچ دیا جاتا ہے۔

پھر یہ کہنا کہ گوشت کھانا مہاپرشوں کا طریقہ نہیں غلط ہے ابوالانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ ان کے صاحبزادگان سیدنا اسمعیل سیدنا اسحاق علیہما الصلاۃ والتسلیم سیدنا موسیٰ علیہ الصلاۃ والتسلیم سیدنا عیسی علیہ الصلاۃ والتسلیم عالمی سطح کے مہاپرش ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والتسلیم کے پیرو کی تعداد اس وقت پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہے یہ سب لوگ گوشت کھاتے تھے۔

پھر یہ مضمون نگار اپنے ہی مہاپرشوں کو دیکھیں کیا اس کے نزدیک رام چندر اور لچھمن مہاپرش نہیں تھے کیا یہ لوگ گوشت نہیں کھاتے تھے معاملہ ایک ایسی قوم سے ہے جو اپنے مذہب کے واضح درون خانہ کے انکشاف کو برداشت نہیں کرپاتی ورنہ میں ایسے ایسے راز انکشاف کرتا کہ بڑے بڑے ایڈوکیٹ صاحبان بھی منہ تکتے رہ جاتے۔

بہر حال یہ مضمون قرآن مجید کی صدہا آیات کے خلاف اور صدہا احادیث کریمہ کی تکذیب ہے اس کے علاوہ دنیا کی تاریخ، مہاپرشوں کے اصول زندگی اور اصول فطرت کے بھی خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور -- جون ۱۹۹۹ء ص: ۵ تا ۸)

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

جمہور علمائے اہل سنت کثرہم اللہ تعالیٰ حتی کہ سیدی وسندی وسند الفقہا الکاملین حضرت مفتی اعظم ہند دامت برکاتہم العالیہ کا فتویٰ یہی ہے کہ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ انجکشن خواہ گوشت میں لگنے والا ہو خواہ رگ میں اور یہی عند التحقیق حق ہے۔ البتہ روزے کی حالت میں انجکشن لگوانا مکروہ ہے انجکشن مفسد صوم یوں نہیں کہ دونوں انجکشنوں میں دوا یا غذا صرف کسی منفذ کے ذریعہ دماغ اور معدہ تک نہیں جاتی بلکہ ابتدا یا وسط یا انتہا میں صرف مسامات ہی ذریعہ رہ جاتے ہیں اور یہ بات فقہ کے ساتھ ہر ادنیٰ سی ممارست رکھنے والا جانتا ہے کہ اندرون جسم کسی دوا یا غذا کا جانا مطلقاً مفسد صوم نہیں بلکہ اس شرط پر ہے کہ وہ دوا یا غذا پیٹ اور دماغ تک منفذ ہی کے ذریعہ یقینی طور پر پہونچے نیز یہ کہ دوا یا غذا مسامات کے علاوہ کسی منفذ کے ذریعہ داخل ہو اور مدخل اور دماغ و معدہ تک کہیں منفذ ختم ہو کر صرف مسامات ہی واحد راستہ نہ ہوں اگر ابتدا یا انتہا یا وسط کہیں بھی داخلہ کا ذریعہ صرف مسامات ہی ہوں اگرچہ اول و آخر وسط میں منفذ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اگرچہ دوا دماغ یا پیٹ تک پہنچ جائے۔ عالمگیری میں ہے:

ما یدخل من مسام البدن من الدهن لا یفطر و من اغتسل فی ماء فوجدبرده فی باطنه لا یفطره و لو اقطر شیئا من الدواء فی عینه لا یفسد صومه عندنا و ان وجد طعمه فی حلقه و اذا بزق فرای اثر الکحل و لونه فی بزاقه عادة المشائخ علی انه لا یفسد صومه و اذا اقطر فی احلیله لا یفسد صومه

عند ابی حنیفة و محمد رحمهما الله سواء اقطر فیه الماء او الدهن و هذا اختلاف فیما اذا اوصل المثانة و اما اذا لم یصل بان کان فی قصبة الذکر بعد لا یفطر بالاجماع.

ترجمہ: بدن کے مسامات کے ذریعہ جو تیل داخل ہوا وہ روزہ نہیں توڑے گا۔ کسی نے ٹھنڈے پانی میں غسل کیا پانی کی ٹھنڈک اندر محسوس کی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ آنکھ میں دوا ڈالی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ اگرچہ اس کا مزہ حلق میں محسوس کرے اگر تھوکا۔ اور اس میں سرمہ کا اثر اور رنگ ملا تو عام مشائخ کا یہی مذہب ہے کہ روزہ نہیں ٹوٹا۔ اگر احلیل (پیشاب کی نلکی میں) ہی دوا ٹپکائی۔ امام اعظم، امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ نہیں ٹوٹتا۔ خواہ پانی ڈالیں خواہ تیل۔ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ یہ تیل اور پانی مثانہ میں پہونچ گیا اگر مثانہ تک نہیں پہنچا تو بالاتفاق روزہ نہیں توڑے گا اسی میں ہے:

و فی دواء الجائفة والآمة عامة المشائخ علی ان العبرة للوصول الی الجوف او الدماغ لا لکونه رطبا او یابسا حتی اذا علمه ان الیابس وصل یفسد صومه و لو علمه ان الرطب لم یصل لم یفسد اذا لم یعلم احدهما و کان الدواء رطبا فعند ابی حنیفة رحمه الله تعالی یفطر للوصول عادة و قالا، لا، لعدم العلم به فلا یفطر بالشك و ان کان یابسا فلا فطر اتفاقا

ترجمہ: (وہ زخم سر کا جو بھیجے کی جھلی تک گہرا ہو) اور جائفہ کہ (وہ پیٹ کا زخم جو معدہ تک گہرا ہو) دوا میں اکثر مشائخ کے نزدیک اعتبار معدہ یا دماغ

تک پہونچنے کا ہے۔ دوا کے تر یا خشک ہونے کا نہیں۔ یہاں تک کہ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خشک دوا پہونچ گئی روزہ ٹوٹ گیا اور اگر معلوم ہو کہ تر نہیں پہونچی تو نہیں ٹوٹا اور اگر پہنچنا اور نہ پہنچنا معلوم نہ ہو اور دوا تر ہو تو امام اعظم کے نزدیک روزہ توڑ دے گی اس لئے کہ تر دوا عادۃً پہنچ ہی جاتی ہے صاحبین نے فرمایا نہیں۔ اس لئے کہ پہونچنا معلوم نہیں شک سے روزہ نہیں ٹوٹے گا اور اگر خشک ہے تو بالاتفاق روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ نقایہ اور اس کی شرح ملا علی قاری میں ہے:

وصل من غير الفم دواء الى جوفه او دماغه بان داوى آمة و هى الشجة التى تبلغ ام الدماغ من غير المسام قيد به لانه لو وصل الى جوفه من المسام لايقضى كما لو اغتسل بالماء البارد و وجد برده فى كبده و كما لو ادهن فوجد اثر الدهن فى بوله او اكتحل فوجد طعم الكحل فى حلقه و لونه فى بزاقه.

ترجمہ: دوا اگر منہ کے علاوہ کسی اور راستے سے دماغ یا پیٹ میں گئی مثلاً آمہ میں دوا ڈالی تو روزہ ٹوٹ گیا قضا واجب ہے بہ شرطیکہ مسامات کے ذریعہ نہ گئی ہو یہ قید اس لئے لگائی کہ اگر دوا یا غذا مسامات کے ذریعہ پہنچی تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ جیسے ٹھنڈے پانی سے غسل کیا اور پانی کی ٹھنڈک کلیجے میں محسوس کی۔ یا تیل لگایا اور تیل کا اثر پیشاب میں پایا، یا سرمہ لگایا۔ اور سرمہ کا مزہ حلق میں یا رنگ تھوک میں پایا تو روزہ نہیں ٹوٹا۔ "تنویر الابصار۔ در مختار ردالمحتار میں ہے:

ادهن او اكتحل او احتجم ان وجد طعمه فى حلقه اى طعم الكحل او الدهن و كذا لو بزق فوجد لونه

فی الاصح. بحر قال فی النھر لان الموجود فی حلقه اثر داخل من المسام ھو خلل البدن و المفطر انما ھو الداخل من المنافذ بالاتفاق علی ان من اغتسل فی ماء فوجد برده فی باطنه لا یفطر.

ترجمہ: تیل ملا، یا سرمہ لگایا۔ یا سینگی لگوائی تو روزہ نہ ٹوٹا اگرچہ سرمہ یا تیل کا مزہ حلق میں محسوس کرے۔ یوں ہی تھوکا اور اسی کا رنگ تھوک میں ملا تو بھی مذہب اصح پر روزہ نہیں گیا۔ نہر میں فرمایا اس لئے کہ حلق میں موجود مسامات کے ذریعہ داخل شدہ کا اثر ہے اور مسام بدن کے خلل کا نام ہے اور روزہ توڑنے والی صرف وہ دوا یا غذا ہے جو منافذ کے ذریعہ داخل ہو اس لئے کہ اس پر اتفاق ہے کہ کسی نے پانی میں غسل کیا اور اندر ٹھنڈک محسوس کی تو روزہ نہیں ٹوٹا نہیں تینوں میں ہے:

داوی جائفة او آمة فوصل الدواء حقیقة) اشار الی ان ما وقع فی ظاھر الروایة من تقیید الا فساد بالدواء الرطب مبنی علی العادة من انه یصل و الا فالمعتبر حقیقة الوصول حتی لو علم وصول الیابس افسد او عدم وصول الطری لم یفسد و انما الخلاف اذا لم یعلم یقینا فافسد بالطری حکما بالوصول نظرا الی العادة و نفیاه کذا افاده فی الفتح قلت و لم یقیدوا الاحتقان والاستعاط والاقطار بالوصول الی جوف لظھوره فیھا و الا فلا بد منه حتی لو بقی السعوط فی الانف و لم یصل الی الراس لا یفطر و یمکن ان یکون الدواء راجعا الی الکل (قوله الی جوفه و دماغه) قال فی البحر

والتحقيق ان بين جوف الراس و جوف المعدة منفذا اصليا فما وصل الى جوف الراس يصل الى جوف البطن. (ص : ۱۰۲)

ترجمہ: جائفہ یا آمہ میں دوا ڈالی اور دوا یقینی طور پر پیٹ اور دماغ تک پہونچ گئی۔ یقینی طور پر پہونچنے کی قید سے یہ اشارہ ہے کہ ظاہر الروایہ میں جو یوں قید آئی ہے کہ "روزہ اس وقت ٹوٹے گا جب کہ دوا تر ہو۔" یہ عادت کی بنا پر ہے کہ تر دوا پہونچ ہی جاتی ہے معتبر حقیقت میں پہونچنا ہے یہاں تک کہ اگر خشک پہونچ گئی تو توڑ دے گی۔ تر نہیں پہونچی تو نہیں توڑے گی اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ معلوم نہ ہو کہ دوا ضرور پہونچ گئی۔ اس صورت میں عادت پر نظر رکھتے ہوئے یہ حکم ہوگا کہ تر دوا روزہ توڑ دے گی اور صاحبین نے نفی کی۔ جائفہ آمہ کی دوا کو جوف اور دماغ تک پہونچنے کے ساتھ مقید کیا اور احتقان، استعاط اور اقطار میں جوف تک پہنچنے کی قید نہیں لگائی کیوں کہ ان میں جوف تک پہونچنا ظاہر ہے ورنہ روزہ توڑنے کے لے یہ قید ضروری ہے یہاں تک کہ اگر ناک کی دوا نتھنوں میں رہ گئی اور سر تک نہیں چڑھی تو نہیں توڑے گی۔ ممکن ہے دوا سے اوپر ذکر کردہ تمام دوائیں مراد ہوں۔ بحر میں کہا کہ تحقیق یہ ہے کہ سر اور معدہ کے جوفوں کے مابین منفذ اصلی ہے تو جو سر میں گئی وہ پیٹ میں گئی۔

غور کریں یہ تمام اساطین ملت یہ تصریح فرمارہے ہیں کہ جو دوا مسامات کے ذریعہ اندرون جسم گئی اگرچہ دماغ تک پیٹ تک پہونچ جائے مگر روزہ نہیں توڑے گی روزہ توڑنے والی وہی دوا یا غذا ہے جو کسی منفذ اصلی کے ذریعہ پیٹ یا دماغ میں جائے۔ اس کلیہ پر جو جزئیات متفرع ہیں ان پر ایک گہری نظر پھر ڈال لیں۔

۱۔ پانی میں غسل کیا ٹھنڈک پیٹ اور جگر میں محسوس کی۔ ظاہر ہے کہ یہ ٹھنڈک پانی کے اندر پہونچنے کی بنا پر ہے مگر روزہ نہیں ٹوٹا۔ اگرچہ پانی پیٹ میں پہونچ گیا اس لئے کہ پانی مسامات کے ذریعہ پیٹ میں گیا۔ کسی منفذ کے ذریعہ نہیں۔

۲۔ آنکھ میں دوا ڈالی، سرمہ لگایا۔ دوا اور سرمہ آنکھ کے پردوں سے گزر کر دماغ میں گیا۔ دماغ سے حلق میں آیا۔ مگر روزہ نہیں ٹوٹا۔ حالانکہ اس مسافت میں اکثر راستہ منفذ ہے آنکھ کے پردوں کے بعد دماغ تک، دماغ سے حلق تک منفذ ہی کے ذریعہ گئی۔ پھر بھی روزہ نہیں ٹوٹا۔ اس لئے کہ داخلہ مسامات کے ذریعہ ہوا تھا۔ احلیل میں دوا ڈالی دوا مثانہ تک پہونچ گئی مگر روزہ نہیں ٹوٹا۔ حالانہ دو منفذ میں ڈالی گئی اس لئے کہ مثانہ تک پہونچ کر منفذ ختم ہو گیا مثانہ کی جھلی حائل ہو گئی اس کے آگے پیٹ تک جانے کے لئے مثانہ کے مسامات ہی واحد راستے ہیں۔

۳۔ سر کے ایسے گہرے زخم میں دوا ڈالی جو بھیجے کی جھلی تک گہرا ہو۔ اگر دوا دماغ تک نہیں پہونچی تو روزہ نہیں گیا کیوں کہ دماغ تک منفذ کے ذریعہ نہیں پہونچی حالانکہ مسامات کے ذریعہ پہونچنا یقینی ہے۔

۴۔ جائفہ پیٹ کے ایسے زخم میں دوا ڈالی جو شکم تک گہرا ہو مگر دوا شکم تک نہیں پہونچی روزہ نہیں گیا حالانکہ مسامات کے ذریعہ پیٹ تک جانا یقینی ہے اس لئے کہ منفذ کے ذریعہ نہیں پہونچی۔

۵۔ تیل ملا تیل کا اثر پیشاب میں ملا روزہ نہیں ٹوٹا حالانکہ تیل کو پیٹ میں پہنچے بغیر پیشاب میں اس کا اثر ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اس لئے کہ منفذ کے ذریعہ نہیں پہونچا بلکہ مسامات کے ذریعہ پہونچا مذکورہ بالا نصوص سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

فائدہ اولی: مسامات کے ذریعہ جو دوا یا غذا اندرون جسم داخل ہو وہ

مفسد صوم نہیں اگر چہ معدہ اور دماغ تک پہونچ جائے خواہ مدخل اور معدہ تک اور دماغ تک صرف مسامات ہوں کہیں کوئی منفذ نہ ہو جیسے نہایا اور پانی پیٹ میں پہنچا۔ خواہ معدہ اور دماغ تک پہونچنے میں مسامات اور منافذ دونوں کے ذریعہ ہوں۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔ اول ابتداً مسامات ہوں اور بعد میں معدہ اور دماغ تک منفذ۔ جیسے آنکھ میں دوا ڈالی یا سرمہ لگایا اور وہ حلق تک پہونچ گیا۔ ثانی ابتداً منفذ ہو۔ انتہا منفذ ہو۔ وسط میں مسامات ہوں جیسے احلیل میں دوا ڈالی اور مثانہ تک پہونچی کہ ادھر مثانہ تک منفذ سے اوپر مثانہ کے بعد منفذ ہے ثالث صرف منتہی پر مسامات ہوں دوا منفذ میں ڈالی اور منفذ ہی کے ذریعہ آگے بڑھی۔ مگر معدہ اور دماغ کے جوف سے پہلے مسامات ہوں اور اخیر میں جوف و معدہ و دماغ تک پہونچنے کا ذریعہ صرف یہی مسامات ہوں کوئی منفذ نہ ہو تو بھی مفسد صوم نہیں۔ اس لئے کہ علت افساد منحصر ہے منافذ کے ذریعہ وصول الی الجوف میں اور یہ علت یہاں منتفی ہے نقض صوم کی علت وصول بالمنافذ میں منحصر ہے اس پر صاحب نہر کا یہ ارشاد جسے علامہ شامی نے نقل فرما کر مقرر رکھا۔ دلیل ہے فرماتے ہیں: والمفطر انما هو الداخل من المنافذ. روزہ توڑنے والی صرف وہی دوا ہے جو منافذ کے ذریعہ داخل ہو اور جب منتہی پر صرف مسامات ہی رہ گئے تو صرف منفذ سے داخلہ نہیں ہوا۔

فائدہ ثانیہ : منفذ کے ذریعہ بھی کسی دوا یا غذا کا مطلقاً اندرون جسم جانا مفسد نہیں کہ کھال کے اندر گھسی اور روزہ گیا بلکہ مفسد اس وقت ہے جب کہ دوا یا غذا معدہ یا دماغ تک پہنچے اگر دوا اندرون جسم منفذ ہی کے ذریعہ گئی مگر دماغ یا معدہ کے جوف تک نہیں پہونچی، تو روزہ نہیں گیا۔ جیسے کلی کیا ناک میں دوا ڈالی مگر پانی حلق میں اور دوا دماغ تک نہیں چڑھی روزہ نہیں ٹوٹا۔ احلیل میں دوا ڈالی۔ اندرون جسم گئی۔ حتی کہ مثانہ تک پہونچ گئی۔ روزہ نہیں گیا آمہ جائفہ میں دوا ڈالی مگر دماغ اور معدہ تک نہیں گئی روزہ نہیں گیا اگر اندرون جسم دوا جانا مطلقاً مفسد ہوتا تو لازم تھا کہ کلی کرتے ہی ناک میں دوا

ڈالتے ہی احلیل میں ٹپکاتے ہی آمہ جائفہ میں ڈالتے ہی روزہ ٹوٹ جاتا۔ بلکہ آمہ جائفہ کی قید نہ تھی بلکہ یہ زخم میں دوا ڈالنا مفسد ہوتا۔

فائدہ ثالثہ: فقہاے کرام کے اس ارشاد (وصل الی الجوف) سے مراد مطلقاً اندرون جسم عروق اور ہر کھوکھلی جگہ نہیں بلکہ صرف دماغ اور معدہ ہے جس پر یہ جزیہ نص قاطع ہے کہ احلیل میں دوا ڈالی اور مثانہ میں گئی مگر روزہ نہیں گیا۔ مثانہ ایک کھوکھلا عضو ہے اور یقیناً جوف ہے اگر جسم کا ہر جوف مراد ہوتا تو یقیناً اسے مفسد صوم ہونا چاہیئے تھا۔ اس میں اگرچہ امام ابویوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اختلاف ہے مگر یہ اختلاف ہمارے معروضہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ اختلاف اس لئے نہیں کہ مطلقاً ہر جوف میں دوا جانا مفسد ہے یا نہیں بلکہ اس بنا پر ہے کہ مثانہ اور معدہ کے مابین کوئی منفذ ہے یا نہیں۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں یہ بات تھی کہ مثانہ اور معدہ کے مابین منفذ ہے اس لئے انہوں نے اسے مفسد کہا مگر امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ تعالی کے علم میں یہ بات تھی کہ مثانہ اور معدہ کے مابین منفذ نہیں۔ اس لئے انھوں نے یہ حکم دیا کہ مفسد نہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام ابویوسف بھی حضرات طرفین کے ساتھ اس بات پر متفق ہیں کہ مفسد وہی دوا اور غذا ہے جو معدہ تک پہونچے اب جب کہ مثانہ اور معدہ پھاڑ کر انسانی اعضا کی ہیئت و ماہیئت معلوم ہو گئی اور یہ ثابت ہو گیا کہ مثانہ اور معدہ کے مابین کوئی منفذ نہیں پیشاب مثانہ میں مثانہ کی جھلیوں کے سوراخوں سے ٹپکتا ہے تو یہ اختلاف باقی نہیں رہا۔ علامہ شامی فرماتے ہیں:

> والا ختلاف مبنی علی انه هل بین المثانة والجوف منفذ او لاوهو لیس باختلاف علی التحقیق والاظهر انه لامنفذ له وانما یجتمع البول فیها بالترشح کذا یقول الا طباء. (جلد دوم ص: ۳۹۹)

ترجمہ: یہ اختلاف اس پر مبنی ہے کہ مثانہ اور معدہ کے مابین منفذ ہے یا نہیں

اور یہ حقیقت میں اختلاف نہیں اور ظاہر تر یہ ہے کہ یہاں منفذ نہیں
پیشاب مثانہ میں ٹپک کر جمع ہوتا ہے جیساکہ اطبا کہتے ہیں۔

الغرض منفذ کے ذریعہ اندر داخل شدہ دوا اسی وقت مفسد ہے جب کہ معدہ اور دماغ تک پہونچے ان کے علاوہ دوسرے اجواف میں جانا قطعا مفسد نہیں بلکہ علامہ شامی وطحطاوی نے صاحب بحر کی اس تحقیق کو برقرار رکھا ہے کہ مفسد اصل میں جوف معدہ میں جانے والی دوا ہے۔ دماغ میں جانے والی دوا مفسد اسی بنا پر ہے کہ دماغ اور معدہ کے مابین منفذ براہ راست ہے یہ اس بات پر نص ہے کہ مفسد صرف معدہ میں جانے والی دوا ہے اس لئے جوف سے مراد صرف معدہ ہے اور دماغ مراد ہونا اس لئے ہے کہ دماغ اور معدہ میں براہ راست منفذ اصلی کے ذریعہ تعلق ہے۔ ہماری مراد پر اول دلیل یہ ہے جس کے بعد کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ جوف سے مراد اندرون جسم کے گوشت ہڈی دوسرے جوف نہیں صرف معدہ اور دماغ ہیں اوپر ذکر کردہ نصوص اور جزیات اور تینوں فوائد کو اچھی طرح ذہن میں رکھ لیں اور اب انجکشن کی ماہیت کو سامنے رکھ کر غور کریں انشاء اللہ تعالیٰ ہر منصف پر یہ بات واضح ہو جائے گی کہ انجکشن قطعی مفسد صوم نہیں خواہ وہ رگ کا ہو خواہ گوشت کا۔

اس کی تفصیل یہ ہے گوشت والے انجکشن کے جسم کے مختلف حصوں میں پہونچنے کی کیفیت یہ ہے کہ گوشت کے اندر بکثرت باریک باریک خلا ہوتے ہیں جنھیں مسامات کہا جاتا ہے ان میں ہر وقت خون بھرا رہتا ہے یہ خون اگرچہ خالص نہیں ہوتا بلکہ دیگر اخلاط کے ساتھ ممزوج ہوتا ہے مگر غلبہ خون ہی کو ہوتا ہے اس لئے ہم نے اسے خون ہی کہا جب یہ انجکشن لگتا ہے تو پچکاری کے دباؤ سے دوا بجبران مسامات میں گھس کر خون میں مل جاتی ہے خون کہیں بھی ٹھہرتا نہیں بلکہ ہر وقت جسم میں گردش کرتا رہتا ہے اس لئے یہ دوا خون کے ساتھ گردش کرتے کرتے وہاں پہونچ جاتی ہے جہاں اسے کام کرنا ہے چوں کہ دوا میں ایسی قوت ہوتی ہے کہ وہ مخصوص جگہ اثر انداز ہو اس لئے وہیں اثر ڈالتی ہے جیسے کھانے پینے والی دواؤں کا حال یہ ہے کہ سب کی سب

پہلے معدہ میں جاتی ہیں پھر ہضم ہو کر اخلاط میں ملتی ہیں اور جہاں ان کی ضرورت ہے وہاں پہونچ کر اپنا کام کرتی ہیں گوشت میں لگنے والی دوا انجکشن سے مسامات میں پہونچی پھر رگوں میں رفتہ رفتہ جہاں کے لئے تھی وہاں پہونچی معدہ یا دماغ کی دوا ہے تو دوا یا اس کا اثر دماغ یا معدہ تک ضرور پہونچے گا مگر چوں کہ دوا کا داخلہ مسامات کے ذریعہ ہوا ہے اس لئے روزہ نہیں توڑے گی۔ جیسا اوپر گذرا کہ مسامات کے ذریعے داخل شدہ دوا مفسد نہیں۔ اس کا جزیہ اوپر گذرا کہ آنکھ میں دوا ڈالی یا سرمہ لگایا۔ دوا یا سرمہ آنکھ سے حلق میں پہونچا مگر مفسد نہیں اس لئے کہ داخلہ مسامات کے ذریعہ ہوا تھا اگرچہ بعد میں منفذ سے حلق تک گیا اسی طرح یہاں بھی مسامات کے بعد اگرچہ منفذ سے دوا ابتدا رگ میں جاتی ہے جو ضرور منفذ ہے مگر رگوں کا تعلق براہ راست معدہ یا دماغ سے نہیں بلکہ دل سے ہے۔ علم تشریح میں اس کی پوری تفصیل دیکھی جاسکتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جگر میں اخلاط اربعہ علیٰ قدر مراتب ممزوج ہو کر شرائین اور اورطہ کے ذریعہ پورے جسم میں جاتے ہیں ان میں غلبہ خون ہی کو ہوتا ہے اس کا عمدہ حصہ اعضا کی غذا بنتا ہے بقیہ جسمانی فضلات کے مل جانے سے سیاہ اور کثیف ہو کر دل میں جاتا ہے۔ دل اسے پھیپھڑوں میں ڈھکیل دیتا ہے۔ پھیپھڑوں میں باہر سے گئی ہوئی صاف ہوا بھری ہوتی ہے جو پھیپھڑوں کے مسامات اور کیسوں میں موجود رہتی ہے۔ خون اس تازہ ہوا سے صاف ہوتا ہے اس کی کثافت اور دخانی مادہ ہوا میں رہ جاتا ہے جسے پھیپھڑے باہر پھینک دیتے ہیں اور خون صاف شفاف سرخ تازہ ہو کر پھر دل میں جاتا ہے اور دل شرائین اور اورطہ کے ذریعہ دوبارہ پورے جسم میں پہونچاتا ہے۔ اور پھر یہ خون کثیف دخانی مادوں سے سیاہ ہو کر دل میں اور دل سے پھیپھڑوں میں اور پھیپھڑے میں صاف اور تازہ ہو کر پھر دل میں جاتا ہے دل اسے پورے جسم میں پہونچاتا ہے۔ یہی چکر زندگی بھر چلتا رہتا ہے اور یہی انسانی نشو و نما بقاو قوت کا مدار ہے یہ انجکشن جب رگ میں لگا تو رگوں کے خون میں دوا مل گئی اور خون کے ساتھ دل میں اور پھر پھیپھڑے میں پھر دل میں اور دل

سے پورے جسم میں پہونچی رگ والا خون دوالے کر براہ راست نہ دماغ میں گیا نہ معدہ میں بلکہ دل میں گیا اور دل سے بھی براہ راست دوسرے اعضا میں نہیں گیا بلکہ پھیپھڑوں میں اور پھیپھڑوں سے واپس آکر پھر رگوں کے ذریعہ دوسرے اعضا حتی کہ دل اور معدہ میں گیا بہر حال پھیپھڑے بیچ میں ضرور آتے ہیں۔ اب پھیپھڑے کی ساخت اور ان میں خون کی جگہ معلوم کریں مسئلہ صاف ہو جائے گا۔ ماضی قریب کے مسلم الثبوت طبیب حاذق حکیم اجمل خاں اپنی مشہور و معروف کتاب حاذق میں لکھتے ہیں۔

پھیپھڑوں کی ساخت نرم اور متخلخل ہے ان میں نرم گوشت اور غضاریف اور قصبۃ الریہ اور شریانوں اور وریدوں کی شاخیں پائی جاتی ہیں۔ پھیپھڑے کی بالائی سطح پر آبدار جھلی اور باقی ساخت میں خانہ دار جھلی اور لچکیلے نرم ریشے اور ہوا کے چھوٹے چھوٹے خانے پائے جاتے ہیں جو باہم مل کر لوتھڑے بناتے ہیں انھیں ہوا کے کیسوں یا خانوں میں ہوا کی نالی یعنی قصبۃ الریہ کی باریک باریک شاخیں ختم ہوتی ہیں۔ پھیپھڑے کی شریان اور ورید کا جال بھی پھیپھڑے کے ہر حصے میں پھیلا ہوا ہے یہاں تک کہ ہر ایک ہوا کے کیسے یا تھیلی میں شریانی اور وریدی عروق کا جال پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ پھیپھڑے ایسے اعضا میں سے ہیں جو فضلات جسم کو خارج کرتے ہیں مگر ساتھ ہی ان کا یہ فعل بھی ہے کہ وہ خون کو صاف کرتے ہیں صاف اور سرخ خون جسم کی پرورش کے لئے براستہ شرائین تنفس کے ذریعہ تمام جسم میں چلا جاتا ہے۔ اور مختلف اعضا کی عروق شعریہ تک پہونچ کر وہ کثیف اور سیاہ ہو جاتا ہے جس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ اس میں جسمانی فضلات کے دخانی مادے مل جاتے ہیں جب کثیف وریدی خون پھیپھڑوں کے ہوائی کیسوں کے عروق شعریہ تک پہونچتا ہے تو اس کا رنگ فوراً ہی سرخ ہو جاتا ہے کیونکہ خون کا دخانی مادہ ہوائی کیسوں کے اندر آجاتا ہے اور ان ہوائی کیسوں کی لطیف ہوا خون میں مل کر اسے صاف اور سرخ بنا دیتی ہے۔

پھیپھڑوں کی اس تشریح سے کوئی یہ دھوکا نہ کھائے کہ دیگر اعضا سے

پھیپھڑے میں خون کی آمد و رفت براہ راست ہے۔ نہیں بلکہ بواسطہ دل ہے اسی کتاب میں۔دل۔کی تشریح میں ہے۔دل کے دونوں دائیں بائیں اُذن ایک ہی وقت میں پھیلتے ہیں اور دائیں بائیں بطن ایک ہی وقت میں سکڑتے ہیں جب دونوں اذن پھیلتے ہیں تو دائیں اذن میں بالائی اور زیریں وریدوں کے ذریعہ جسم کا کثیف اور سیاہ خون آجاتا ہے اور بائیں اذن میں پھیپھڑوں کی وریدوں کے ذریعہ صاف شدہ خون آجاتا ہے پھر دائیں اذن کا سیاہ خون درمیانی سوراخ کے راستے دائیں بطن میں اور بائیں اذن کا بائیں بطن میں چلا جاتا ہے اور جب دونوں بطن سکڑتے ہیں تو دائیں بطن کا خون بذریعہ شریان الریہ پھیپھڑوں میں چلا جاتا ہے اور بائیں بطن کا خون بذریعہ شرائین اورطہ تمام جسم میں چلا جاتا ہے۔

الغرض جملہ اطبا کا اس پر اتفاق ہے کہ رگوں سے خون براہ راست دل میں جاتا ہے اور دل ہی کے ذریعہ پھیپھڑوں میں جاتا ہے براہ راست پھیپھڑے میں نہیں جاتا۔اور نہ ایسا ہے کہ بغیر پھیپھڑوں میں گئے دل ہی سے واپس ہوتا ہو۔ پھیپھڑے میں ضرور جاتا ہے اور پھیپھڑوں میں صاف ہو کر پھر دل میں آتا ہے اور دل سے پھر پورے جسم میں جاتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ پھیپھڑوں کے جن ہوائی کیسوں میں جاتا ہے اس کی حیثیت جوف کی ہے یا مسامات کی۔ اوپر ذکر کردہ تشریح سے یہ بات ظاہر ہے کہ پھیپھڑے کی جن ہوائی کیسوں میں جاتا ہے ان کی حیثیت مسامات ہی کی ہے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ خون دل سے مسامات میں گیا اور مسامات سے واپس ہو کر پھر دل میں آیا۔اب اگر مان بھی لیا جائے کہ دل سے معدہ اور دماغ تک کوئی منفذ ہے تو بھی یہ دوا مفسد نہیں ہوگی اس لئے کہ اگرچہ ابتدا منفذ میں گئی اور انتہا پر بھی منفذ ہی سے پیٹ یا دماغ میں پہونچی مگر بیچ میں مسامات حائل ہیں تو جس طرح احلیل میں دوا ڈالی اور وہ مثانہ تک پہونچی مگر روزہ نہیں ٹوٹا اگرچہ دوا کا داخلہ بھی منفذ ہی میں ہوا اور مثانہ کے بعد بھی منفذ ہے مگر بیچ میں مثانہ کی

جھلی حائل ہے جس میں اگرچہ چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں مگر ان کی حیثیت مسامات ہی کی ہے منفذ کی نہیں اسی طرح رگ والے انجکشن میں اگرچہ دوا منفذ میں گئی مگر بیچ میں پھیپھڑے کے ہوائی کیسوں کی عروق شعریہ حائل ہیں جن کی حیثیت مسامات کی ہے اس لئے اس سے بھی روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ علاوہ ازیں دل سے دماغ یا معدے تک کوئی منفذ نہیں دل سے شرائین اور طہ نکل کر پورے جسم میں پھیلی ہیں جن کے ذریعہ خون تمام اعضا کی تغذیہ کے لئے جاتا ہے۔ مگر یہ شرائین دماغ یا معدہ میں کھلتی نہیں بلکہ ان سے نکلی ہوئی عروق شعریہ کے مبدا پر ختم ہو جاتی ہیں، عروق شعریہ ہی کے ذریعہ مسامات میں خون جاکر گوشت اور پوست کا جز بنتا ہے تو اگر ہوائی کیسوں کے عروق شعریہ کو بطور مجادلہ کوئی منفذ مانے بھی تو چوں کہ منتہا پر مسامات ہیں اور دماغ اور معدہ میں انہیں مسامات ہی کے ذریعہ پہونچے گی اس لئے اب بھی مفسد نہ ہوئی اس لئے کہ ہم اوپر ثابت کر آئے کہ اگر منتہی پر بھی مسامات ہی کے ذریعہ داخل ہیں تو مفسد صوم نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ رگ والے انجکشن میں بھی دوا کسی منفذ سے گئی مگر معدہ اور دماغ تک نہیں پہونچتی بلکہ وسط میں یا انتہا پر منفذ ختم ہو کر صرف مسامات ہی کے ذریعہ دوا دماغ یا معدہ میں جائے گی۔ اس لئے مفسد صوم نہیں۔ مگر چوں کہ انجکشن کی تقریبا تمام دواؤں میں اسپرٹ ہوتی ہے اور یہ بدترین قسم کی شراب ہے اور شراب نجس العین ہے اس لئے روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا مکروہ ضرور ہے اس لئے کہ روزہ سے مقصود طہارت وتزکیہ باطنی ہے اور یہ انجکشن جس میں نجس العین دوا ہے باطن کو نجس کرنے والی ہے اس لئے روزہ میں کسی قسم کے انجکشن ہرگز نہ لگوائے جائیں۔ اور ان سے اجتناب کیا جائے ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ دوا اسپرٹ اور ہر قسم کی شراب اور نجاست سے پاک ہے اور خارجی طور پر بھی اسپرٹ استعمال نہ کریں تو کراہت بھی نہیں۔ واللہ تعالی اعلم۔

۷۸۶/ ۹۲ لکھنے کا حکم

سوال : کیا فرماتے ہیں علماے دین اس مسئلے میں اپنے خطوط وغیرہ کے اوپر ۷۸۶ لکھتے ہیں جب کہ سنت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنا ہے جیسا کہ ان دعوت ناموں سے ظاہر ہے جو حضور اقدس ﷺ نے اطراف وجوانب کے سلاطین کے نام بھیجے تھے ۷۸۶ ایک گنتی ہے یہ بسم اللہ کی جگہ نہیں لے سکتی، اور یہ کہنا کہ ۷۸۶ بسم اللہ کا عدد ہے اس لئے ہم اس کو بسم اللہ کی جگہ لکھتے ہیں اس لئے صحیح نہیں کہ یہی اعداد "ہری کرشنا" کے بھی ہیں۔ آج کل وہابی لوگ اس پر اعتراض کر رہے ہیں۔

الجواب: یہ صحیح ہے کہ خطوط وغیرہ کی ابتدا تسمیہ سے کرنا سنت ہے مگر یہ سنت موکدہ نہیں کہ اس کا چھوڑنا ممنوع ہو اور اس کی عادت گناہ ہو، سنت غیر موکدہ ہے کہ اگر کوئی اس پر عمل کرے تو ثواب پائے گا لیکن خطوط وغیرہ کو لوگ لاپرواہی سے ادھر ادھر پھینک دیتے ہیں جس سے بے ادبی ہوتی ہے اور بسم اللہ شریف قرآن مجید کی آیت ہے جسے بے وضو چھونا بھی جائز نہیں۔ ارشاد ہے: **لا یمسه الا المطهرون**۔ اسے صرف وہی لوگ چھوئیں جو خوب پاک ہوں۔

جس پر غسل واجب نہ ہو وہ بھی خوب پاک نہیں، خوب پاک اس وقت ہو گا جب کہ باوضو ہو خطوط کے سرنامے پر بسم اللہ شریف لکھی ہوگی تو بے وضو لوگوں کا ہاتھ پڑ جائے گا۔ پھر ڈاک خانہ کے ذریعے جو خطوط بھیجے جاتے ہیں ان خطوط کی کیا درگت بنتی ہے وہ سب کو معلوم ہے، ڈاک خانے والے ان پر پاؤں بھی رکھ دیا کرتے

ہیں پھر عموماً وہ مشرکین ہوتے ہیں یہ مشرکین لیٹر بکس سے نکالتے ہیں انتہائی بدتمیزی سے اس پر مہریں مارتے ہیں تھیلوں میں بند کرتے ہیں گھسیٹتے ہوئے جہاں چاہتے ہیں لے جاتے ہیں حتی کہ اس پر بیٹھتے بھی ہیں پھر یہی مشرکین اپنے ہاتھوں سے اسے چھانٹتے ہیں اور کئی بار میں نے دیکھا ہے کہ خطوط کو مکتوب الیہ کے سامنے پھینک دیتے ہیں، کیا یہ سب اللہ عزوجل کے اسمائے مبارکہ اور قرآن مجید کی آیتوں کی بے ادبیاں نہیں، کیا کسی مسلمان کو یہ جائز ہے کہ یہ جانتے ہوئے کہ قرآن مجید کی ضرور توہین ہوگی اس کی اجازت ہے کہ اللہ عزوجل کے اسمائے مبارکہ یا قرآن مجید کو اس طرح غیر کے ہاتھوں میں دیدے علمانے تو یہاں تک لکھا ہے کہ قرآن مجید کو کفار کی بستیوں میں نہ لے جائیں کہ اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں دشمن کے ہاتھ نہ لگ جائے اور کفار اس کی بے حرمتی نہ کرنے لگیں تو جب خطوط میں اس کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ ضرور اس کی بے حرمتی ہوگی اس لئے اہل سنت نے خطوط پر بسم اللہ شریف لکھنے کو پسند نہیں فرمایا، یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ کسی چیز میں نفع و نقصان دونوں ہوں تو اس کو ترک کر دیا جائے جلب منافع پر دفع مضرت مقدم ہے۔

۷۸۶ بقاعدۂ جمل بسم اللہ کا عدد ہے علمانے اس کا لحاظ کرتے ہوئے خطوط کی ابتدا میں اسے لکھنے کا رواج دیا تا کہ من وجہ بسم اللہ شریف نہ لکھنے کی مکافات ہو جائے، اسمائے مبارکہ کو ان کے اعداد کے ساتھ خاص مناسبت ہے اور ان اعداد میں فوائد بھی ہیں جس پر تجربہ شاہد ہے دیوبندی اکابر تعویذیں لکھتے تھے اور ان تعویذوں کے اوپر ۷۸۶ لکھتے تھے اور تعویذوں میں بھی صرف اعداد لکھتے تھے اگر اسمائے مبارکہ کے اعداد میں کوئی اثر و فائدہ نہ ہوتا تو دیوبندی اکابر اسے کیوں لکھا کرتے تھے۔ پھر یہ چیز مسلم الثبوت مشائخ سے متوارث چلی آرہی ہے حتی کہ دیوبندی اور غیر مقلدین کے مشترکہ پیشوا اور مستند شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالی علیہما بھی تعویذیں لکھا کرتے تھے جو صرف اعداد ہی سے پر ہوتی تھیں ہر حرف کو اس

کے عدد کے ساتھ ایک باطنی ربط ہے جسے اہل کشف نے دریافت کیا۔ یہ ایسا نہیں کہ کسی نے اٹکل پچھو سے اسے بنالیا ہو یہی وجہ ہے کہ حروف کے اعداد حروف تہجی کی ترتیب سے نہیں بلکہ اس کی ترتیب الگ ہے جو ابجد، ہوز، حطی میں مذکور ہے بلکہ علامہ قاضی بیضاوی کے ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ عزوجل اور حضور اقدس ﷺ نے بھی ان اعداد کا اعتبار فرمایا۔

الم مقطعات قرآنیہ کی بحث میں لکھتے ہیں:

اوالی مدد اقوام وآجال بحساب الجمل کما قاله ابو العالية متمسکابماروی انه علیه الصلاة والسلام لما اتاه الیهود تلا علیهم الم بقرة فحسبوه وقالوا کیف ندخل فی دین مدته احدی وسبعون سنة فتسبم رسول الله ﷺ وقالوا فهل غیره فقال المص والر والمر فقالوا خلطت علینا فلا ندری بایهانا خذ فان تلاوته ایاها بهذا الترتیب علیهم وتقریر هم علی استنباطهم دلیل علی ذلك.

ترجمہ: یا یہ حروف قوموں کی مدت اور میعاد کی طرف اشارہ ہے جمل کے حساب سے جیسا کہ اس کو ابو العالیہ نے کہا اس حدیث سے دلیل لاتے ہوئے کہ یہود حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور نے سورۂ بقرہ کا الم پڑھ کر سنایا انھوں نے اس کا حساب لگایا اور کہا ہم اس دین میں کیسے داخل ہوں جس کی مدت ۷۱ سال ہے، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے جس پر یہود نے کہا کیا اس کے علاوہ بھی کچھ اور ہے؟ تو حضور ﷺ نے پڑھا: **المص، الرا، المرا۔** یہ سن کر یہود نے کہا آپ نے ہماری سوچی ہوئی بات کو خلط ملط کر دیا ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کس کو لیں۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں حضور اقدس ﷺ کا اس ترتیب سے پڑھ کر یہود کو سنانا اور انھوں نے جو حساب لگایا تھا رد نہ کرنا اس کی دلیل ہے کہ یہ قوموں کی میعاد بتانے کے لئے ہے۔

اس کے تحت شیخ زادہ میں ہے:

فان تلاوته عليه الصلاة والسلام تلك الفواتح بهذا الترتيب وهو ذكرا لاكثر بعد الاقل فى معرض الجواب عن قولهم فهل غيره وكذا تقريره عليه الصلاة والسلام ايا هم على استنباطهم ذالك وعدم انكاره عليهم فى تسليم ذالك يدل على انه سلم ان المراد منها الاشارة الى المدة.

ترجمہ: حضور علیہ الصلاۃ والتسلیم کا ان فواتح سور کا یہود کے سامنے اس ترتیب سے پڑھنا کہ اکثر کو اقل کے بعد پڑھا اور ان کے اس قول کے جواب میں کہ کیا اس کے علاوہ کچھ اور ہے؟ اور ایسے ہی حضور علیہ الصلاۃ والتسلیم کا ان کے استنباط کو مان لینا اور اس پر انکار نہ کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضور کے نزدیک بھی اس سے اشارہ مدت کی طرف ہے۔ (اگرچہ وہ مدت صحیح نہیں جو یہود نے سمجھی)۔

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ الٓمٓ کے عدد "۷۱" ہیں جب حضور نے یہ تلاوت کی تو اس عدد کا لحاظ کر کے یہود نے کہا اس دین کی مدت "۷۱" سال ہے اس لئے کہ جمل کے حساب سے الٓمٓ کے '۷۱' عدد ہیں اگر اعداد کا اعتبار کچھ نہیں تھا تو حضور اقدس ﷺ فرمادیتے کہ تم کیا بکتے ہو حروف کے اعداد کا کوئی اعتبار نہیں یہ کالعدم ہیں بلکہ حضور اقدس ﷺ نے ترتیب وار دوسرے مقطعات پڑھے وہ بھی اس ترتیب سے کہ پہلے چھوٹے اعداد کے پڑھے پھر بڑے اعداد کے 'مثلاً المص، اس کے عدد "۱۶۱" ہیں پھر الر، جس کے اعداد "۲۳۱" ہیں پھر المر، جس کے اعداد "۲۷۱" ہیں اور یہ قاعدہ

مقررہ ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کے سامنے کوئی بات کہی جائے اور اسے حضور ردنہ فرمائیں تو وہ حدیث مرفوع ہے اور یہاں صرف سکوت ہی نہیں بلکہ انھیں الزام دینے کے لئے ترتیب وار مقطعات کی تلاوت بھی ہے اس سے ثابت ہو گیا کہ حروف کے ان مخصوص اعداد کا اعتبار خود حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے اور یہ منزل من اللہ بھی ہے۔ نیز ملا عبدالحکیم خیالی لکھتے ہیں:

والمقصود منها الاشارة باعتبار مسمياتها الى مدد بقاء اقوام واجال امور قال الجوينى قداستخرج بعض الائمة من قوله تعالى" الم غلبت الروم" ان البيت المقدس يفتتح المسلمون فى سنة ثلاث وثمانين وخمسمائة ووقع كما قال وقال السهيلى لعل عدد الحروف التى فى اوائل السورمع حرف المكرر للاشارة الى مدة بقاء هذه الامة.

ترجمہ: ان امور سے مقصود ان کے مسمیات کے اعتبار سے کچھ قوموں کے بقاء کی مدت اور کچھ امور کی میعاد کی طرف اشارہ ہے جوینی نے کہا آیۂ کریمہ "الم غلبت الروم" سے بعض ائمہ نے یہ استخراج فرمایا کہ بیت المقدس کو مسلمان ۵۸۳ھ میں فتح کریں گے جیسا انہوں نے کہا تھا ویسے ہی ہوا۔ سہیلی نے کہا ہو سکتا ہے ان حروف کے عدد جو سورتوں کے اوائل میں ہیں مع حرف مکرر کے اس امت کے بقا کی مدت کے اشارے کے لئے ہوں۔

بیت المقدس ۵۸۳ھ میں فتح ہوا۔ اور خود امام جوینی کی وفات اس سے تقریبا ڈیڑھ سو سال پہلے ہوئی۔ جس امام سے انہوں نے وہ استخراج ذکر کیا وہ اور پہلے کے ہوں گے۔ ابن خلکان نے ذکر کیا کہ ابو محمد جوینی کی وفات ذی قعدہ ۴۳۸ھ میں یا ۴۳۴ھ میں ہے۔ (الفیوضات الملکیہ)

حاصل یہ نکلا کہ جمل کے حساب سے حروف کے اعداد کا اعتبار خود حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے اور اس وقت سے اس وقت سلف سے لے کر خلف تک اس کا اعتبار رہا ہے اور نہ یہ بدعت ہے اور نہ لغو و مہمل، اس لئے خطوط کی ابتدا میں ۷۸۶ لکھنا یا اس کے ساتھ ۹۲ لکھنا لغو و مہمل نہیں بلکہ سلف کے طریقوں سے متخرج و مستحسن ہے۔

وہابیوں کا یہ کہنا کہ یہ ہری کرشنا کا عدد ہے ان کی جہالت اور شرارت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جمل کا حساب عربی حروف کے ساتھ خاص ہے ہندی یا سنسکرت میں نہ یہ طریقہ رائج نہ ان کے حروف تہجی کے مطابق۔ غور کیجئے جمل کے حساب میں جو گنتیاں ہیں وہ بھی ۲۸ ہیں اور عربی کے حروف، تہجی بھی ۲۸ ہیں۔ اور سنسکرت کے حروف تہجی ۳۶ ہیں جس میں سرے سے الف ہے ہی نہیں الف کو یہ شبد (حرف) نہیں مانتے، ماترا مانتے ہیں جب کہ جمل کے حساب میں پہلا حرف الف ہے جس کا عدد ایک ہے نیز جمل کے بہت سے حروف سنسکرت میں غائب ہیں مثلاً، ثا، حا، خا، ذ، زا، ص، ض، طا، ظا، ع، غ، فا، ق،۔ اور بہت سے ایسے حروف سنسکرت کے حروف تہجی میں ہیں جو جمل میں نہیں۔ مثلاً بھ، پ، پھ، ٹ، ٹھ، جھ، چ، چھ، دھ، ڈ، ڈھ، کھ، گھ۔ وغیرہ اگر جمل کا حساب سنسکرت ہندی وغیرہ عربی کے علاوہ دوسری زبانوں کے لئے ہوتا تو ان کے ہر حرف تہجی کا کوئی نہ کوئی عدد ہوتا سنسکرت اور ہندی کے تمام حروف تہجی کا عدد نہ ہونا اور عربی کے ہر ہر حرف تہجی کا عدد ہونا اس کی دلیل ہے کہ جمل کا حساب صرف عربی کلمات اور حروف میں معتبر ہے دیگر زبانوں کے کلمات اور حروف میں اس کا اعتبار نہیں اس لئے یہ کہنا کہ ۷۸۶ ہری کرشنا کے بھی عدد ہیں فریب دینا ہے، اعداد کی مطابقت سے کچھ نہیں ہوتا جس زبان میں اور جس زبان کے کلمات کے لئے ان اعداد کا اعتبار رسول اللہ ﷺ نے اور اسلاف نے فرمایا وہ صرف عربی ہے اس لئے صرف عربی کلمات کے جو اعداد ہیں ان کا اعتبار ہے۔ اس سے بھی قطع نظر اعتبار ان

حروف کا ہوتا ہے جو لکھے جائیں خواہ پڑھے جائیں یا نہ پڑھے جائیں اگر کچھ الفاظ پڑھے جارہے ہیں مگر لکھے نہیں جارہے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں مثلاً اسم جلالت اللہ کے عدد ۶۶ ہیں حالانکہ جب لام کے بعد الف پڑھا جارہا ہے تو ۶۷ ہونا چاہیئے مگر چوں کہ درمیانی الف لکھا نہیں جاتا اس لئے اس کا جمل کے حساب میں اعتبار نہیں نیز اسم کریم "الرحمٰن" کے اعداد ۳۲۹ ہیں حالانکہ لام پڑھا نہیں جاتا مگر چوں کہ لام لکھا جاتا ہے اس لئے اس کے عدد کا اعتبار ہے اور درمیانی الف پڑھا جاتا ہے مگر چوں کہ لکھا نہیں جاتا اس لئے اس کے عدد کا اعتبار نہیں۔ چنانچہ اپنی جہالت اور جمل کے حساب سے ناواقفی یا شرارت کی وجہ سے وہابیوں کو یہ دھوکا لگا اور انہوں نے کہہ دیا کہ بسم اللہ شریف کے اعداد ۷۸۶ نہیں ۷۸۷ ہیں۔ جمل کے اس قاعدے کی رو سے ہری کرشنا کے اعداد "۷۸۶" ہرگز نہیں اس لئے کہ اعتبار اسی رسم الخط کا ہوگا جس زبان کا وہ کلمہ ہے۔

ہری کرشنا سنسکرت کا لفظ ہے سنسکرت میں اسے یوں لکھتے ہیں हरि कृष्ण اس میں حروف یہ ह، र، क، ष، ण ہیں۔

اب آپ خود جوڑیئے ह کو "ہ" مانئے اس کے عدد ۵۔ ر کے ۲۰۰، ی کے ۱۰، ک کے ۲۰، اور اس ृ کے مماثل ابجد میں کوئی حروف نہیں۔ ष کو زبردستی "ش" مان کر اور ण کو "ن" مان کر ۷۸۶ عدد پورا کرنا جمل کے حساب سے خارج ہے اور وہابی شرارت۔ نہ یہ لفظ اردو کا ہے اور نہ اردو رسم الخط کا اعتبار ہوگا جس زبان کا لفظ ہے اسی زبان کے رسم الخط کا اعتبار لازم ہے اور اس لحاظ سے हरि कृष्ण کے اعداد ۷۸۶ نہیں بلکہ ۴۳۶ ہیں۔ بلکہ "ی" اور "الف" کی جگہ ہندی میں ماترا ہے جو حرف نہیں۔ اس لحاظ سے اعداد اور کم ہوں گے تو صرف ۴۲۵ بچیں گے۔

دوسری خاص بات یہ ہے کہ اہل سنت خطوط کے سرنامے پر ۷۸۶ لکھتے ہیں تو نہ اسے فرض جانتے ہیں نہ واجب نہ سنت بلکہ مستحسن۔ اور استحسان کے لئے یہی کافی ہے کہ امت کے معتمد علما اور مشائخ کا اس پر عمل ہے اس کے لئے نہ قرآن سے ثبوت کی

حاجت ہے اور نہ حدیث سے۔ صرف یہ کافی ہے کہ قرآن وحدیث میں اس سے ممانعت نہیں اور امت کے عوام وخواص کا اس پر عمل در آمد ہے۔ اگر ہر چیز کے لئے قرآن واحادیث میں تصریح تلاش کی جائے تو چلنا پھرنا جینا مشکل ہو جائے گا۔

وہابی کہتے ہیں کہ ۷۸۶ نہ رسول اللہ نے لکھا (ﷺ) نہ صحابہ کرام نے اس لئے یہ بدعت ہے تو لازم آئے گا کہ اردو لکھنا بھی بدعت نہ صحابہ کرام نے لکھا نہ رسول اللہ ﷺ نے لکھا جو جواب وہابی اس کا دیں گے وہی جواب ۷۸۶ کے سلسلے میں ہمارا بھی ہو گا۔

۹۲/۷۸۶ لکھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال: کچھ لوگ ۷۸۶ کے نیچے لکیر دے کر "۹۲" لکھتے ہیں یہ حضور اقدس ﷺ کے نام نامی کا عدد ہے اس پر خصوصیت سے دیوبندیوں کا اعتراض یہ ہے کہ کسی عدد کے نیچے لکیر کھینچ کر اس لکیر کے نیچے کوئی عدد لکھنا بٹے کی علامت ہے جیسے ۲/۱، اس تقدیر پر ۷۸۶ اگر بسم اللہ کا عدد ہو بھی تو اس کے نیچے ۹۲ لکھنے کے بعد وہ ۷۸۶، نہیں رہتا۔

الجواب: ۷۸۶ کے ساتھ لکیر دے کر بعض لوگ ۹۲ لکھ دیتے ہیں جو نام نامی محمد ﷺ کا عدد مبارک ہے اس طرح ۹۲/۷۸۶ اس پر وہابیوں کا اعتراض یہ ہے کہ دو اعداد کے درمیان لکیر ڈالنا بٹے کی علامت ہے جیسے لکھتے ہیں ۲/۱ اور جب ۷۸۶ کو ۹۲ سے تقسیم کر کے اس کا ایک حصہ لیں گے تو نہ ۹۲ رہے گا اور نہ ۷۸۶ رہے گا۔ اس سلسلے میں گزارش یہ کہ دو اعداد کے درمیان لکیر دینا ہمیشہ بٹے کی علامت

نہیں بھی بھی فصل وامتیاز کے لئے لکیر دیتے ہیں جیسے کہ بہت سے لوگ خطوط میں تاریخ اس طرح لکھتے ہیں ۵ر ۸/۹۹ یہ بٹے کے لئے نہیں صرف فصل اور امتیاز کے لئے ہے لیکن دیوبندی وہ قوم ہے کہ جب تک ان کو ان کے مولویوں کا جلوہ نہ دکھایا جائے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتی، اس لئے دیوبندیوں کو ان کے گھر تک پہونچانے کے لئے ان کے بہت بھاری بھر کم مولوی ان کے شیخ الاسلام اور ان کے عقیدے کے مطابق مقام محمدی پر محکم جناب مولوی حسین احمد ٹانڈوی کے خط کا حوالہ دیا جاتا ہے ان کا ایک خط نئی دنیا کے عظیم مدنی نمبر ص ۲۱۸ میں ہے اس میں تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے'' ۔ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے ۲ تاریخ ساتواں مہینہ ۵۳ھ کو لکھا گیا ہے اس میں لکیر بٹے کا نشان نہیں صرف فصل اور امتیاز کا نشان ہے۔ اسی طرح ۷۸۶ کے ساتھ لکیر دے کر ۹۲ لکھنا بٹے کے لئے نہیں بلکہ صرف فصل وامتیاز کے لئے ہے۔ کتابوں کے اشتہارات میں سب نے دیکھا ہوگا سائز ۲۰ x ۳۰/۱۶ وغیرہ لکھا رہتا ہے کیا یہ بٹے کے لئے ہے کون احمق کہہ سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ خطوط کی ابتدا میں بسم اللہ لکھنے سے اس نیت سے بچنا چاہیئے کہ کہیں اس کی بے حرمتی نہ ہو۔ علمائے وہابیہ کے میں نے سیکڑوں خطوط بڑے بڑوں کے دیکھے ہیں کسی خط کی ابتدا بسم اللہ سے نہیں۔ اسی طرح اگر آپ خطوط کے سرنامے پر ۷۸۶ نہ لکھیں تو کوئی حرج نہیں لیکن اگر لکھیں تو بہتر ہے مستحسن ہے اسی طرح اگر اس کے ساتھ ۹۲ لکھیں تو اور بہتر ہے، عربی اسما کے بحساب جمل اعداد کا اعتبار عند اللہ بھی ہے اور عند الرسول بھی ہے جیسا کہ گزرا اور اسمائے مبارکہ کے بحساب جمل اعداد کے خاص فوائد اور تاثیرات ہیں جو سلف وخلف کے عمل اور تجربے سے ثابت ہیں۔ وہابیوں کی باتوں نہ جائیں وہ صرف عوام کو الجھانے کے لئے یہ جانتے ہوئے کہ ہم جو بات کہہ رہے ہیں غلط ہے نئے نئے شگوفے چھوڑتے رہتے ہیں ان کا مقصد صرف عوام میں انتشار وفساد پھیلانا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور -- مارچ ۱۹۹۹ء -- ص: ٦ تا ۱۰)

قضا وافتا کا فرق

سوال : بہت دنوں سے یہ سوال میرے لئے روحانی اذیت کا باعث ہے کہ شریعت مطہرہ میں قضا وافتا کا فرق و امتیاز کیا ہے۔ ان دونوں اداروں کی اسلامی اقدار و روایات میں کیا قدر و قیمت ہے۔ ان دونوں الفاظ کی لغوی تشریح اور اصطلاحی تعریف کیا ہے۔ ان دونوں کے تقاضے اور دائرہ کار میں تعلق کی نوعیت کیا ہے وغیرہ وغیرہ، علوم شریعت پر جو گہری بصیرت منجانب اللہ آپ کو ودیعت کی گئی ہے، اسی کا واسطہ دے کر میری آپ سے بڑی ہی مخلصانہ اور دردمندانہ اپیل ہے کہ مندرجہ بالا سوالات کا اطمینان بخش جواب "ماہنامہ اشرفیہ" میں جتنی جلد ممکن ہو دیں تاکہ میرے لئے باعث طمانیت ہو۔ اور رسالہ مذکور کے قارئین کے علم میں بھی اضافہ ہو۔

(نجم الدین انصاری، ٹیچرس فلیٹ نمبر ۱۱، ہندو یونیورسٹی بنارس)

الجواب: "افتا" باب افعال کا مصدر ہے۔ اس کے عرفی اور شرعی معنی کسی سوال کا جواب دینا ہے۔ اور اب اس کا غالب معنی کسی کے پوچھنے پر سائل کے سوال کے مطابق حکم شرعی بیان کرنا ہے۔ فتویٰ۔ فتیا۔ وہ حکم شرعی ہے جو کوئی ماہر شریعت واقع کے مطابق بیان کرے۔ مفتی کا کام صرف یہ ہے کہ اس کے سامنے جو سوال پیش کیا جائے اس پر حکم شرعی زبانی یا تحریری بیان کردے۔ اسے اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ یہ واقعہ صحیح ہے یا غلط، نیز اس کا یہ کام نہیں کہ سوال کی رو سے جو ملزم ٹھہرتا ہے اسے سزا دے یا مجبور کرے کہ اسے ضرور تسلیم کرے۔ مفتی کا کام صرف

حکم شرعی بیان کرنا ہے اور بس،

"قضا" کے معنی ہیں فیصلہ کرنا، قاضی کا کام یہ ہے کہ جب اس کے یہاں کوئی دعویٰ کرے تو مدعا علیہ سے جواب طلب کرے۔ اور شریعت کے مقررہ اصول کے مطابق دونوں کا بیان لے کر فیصلہ کرے۔ قاضی کی یہ ذمہ داری ہے کہ شرعی حدود میں رہ کر شرعی اصول کے مطابق متنازعہ امور میں سچی بات کا پتہ لگاء اور جب اس کو اس کا ظن غالب شرعی ہو جائے تو اس کے مطابق فیصلہ کرے اور فریقین کو اپنا فیصلہ ماننے پر مجبور کرے۔ اور فریقین پر شرعا واجب ہے کہ قاضی کے فیصلے کو مانیں۔ قاضی کی حیثیت وہ ہوتی ہے جو آج کل جج کی ہے۔ قاضی شرعا وہی ہو گا جسے حاکم اسلام نے مقرر کیا ہو۔

مفتی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اسے حاکم اسلام مقرر کرے۔ ہر فقہ کا ماہر فتویٰ دے سکتا ہے۔ مفتی کے لئے ضروری ہے کہ عالم متبحر، ذہین، دیانت دار اور فقہ کا ماہر اسپشلسٹ ہو۔ قاضی کے لئے یہ ضروری نہیں قاضی اگر خود عالم متبحر فقہ کا ماہر ہے فبہا اور اگر وہ ایسا نہیں تو اس پر واجب ہے کہ مفتی کی طرف رجوع کرے اس کے بتائے ہوئے حکم کے بموجب فیصلہ کرے۔ آپ کی تسلی کی خاطر بالاختصار قاضی اور مفتی کے فرق کو تحریر کرا دیا ہے۔

قاضی مقرر کرنے کا اختیار سلطان اسلام کو ہے یا اس کے نائب کو، اس زمانے میں ہندوستان میں سلطان اسلام نہیں۔ اس لئے شہر کا سب سے بڑا سنی صحیح العقیدہ عالم جو مرجع فتاویٰ ہو قاضی کے حکم میں ہے۔ نیز عام مسلمانوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی صواب دید سے کسی کو قاضی مقرر کر لیں۔

(ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور -- جنوری ۱۹۹۲ء -- ص:۹ تا ۱۰)

محدث کہے جانے کا استحقاق

سوال : مولوی سردار احمد صاحب جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے بریلی کے مدرسہ کے بعد لائل پور کے مدرسہ میں شیخ الحدیث کہلاتے تھے، درس کیا کرتے تھے، مسلسلات سے انھیں کوئی حدیث نہیں پہونچی تھی، اور کوئی استاد ان فن حدیث نے ان کو ان کی حیات میں نہ محدث کی سند دی تھی نہ کسی نے ان کو کبھی محدث کہا یا لکھا، محدث تو وہ مشاہیر علما دین کہلائے جنہوں نے زمانہ تابعین و تبع تابعین میں بڑی محنت و مشقت و احتیاط سے احادیث شریفہ جمع کئے اور نشر کیے۔ بر صغیر ہند میں مشاہیر علما کرام جیسے حضرت مولانا عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم پایہ علما احادیث محدث کہلائے ہیں۔ اور چودھویں صدی ہجری میں ہمارے بر صغیر ہند میں حضرت مولانا امیر الملۃ حافظ پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری نور اللہ مرقدہ جن کو مسلسلات سے احادیث بھی پہنچے تھے اور جن کو چودھویں صدی کے پہلے ربع میں مشاہیر محدثین مکہ مکرمہ نے احادیث کی اجازت اور محدث کا خطاب مع سند عطا فرمایا تھا۔

امام دار الہجرہ امام اہل سنت والجماعت و تابعی و جامع و ناشر احادیث میں تابعین و تبع تابعین (یعنی مصنف کتاب احادیث مسمی موطا) و حرم شریف نبوی میں علی صاحبہا الوف التحیۃ والصلوۃ والسلام علم فن حدیث کے بے نظیر استاد یعنی حضرت امام مالک (مدفون جنۃ البقیع) رضی اللہ تعالی عنہ کو محدث اعظم کہنے کی کسی کو آج تک جرأت نہ ہوئی تو چہ نسبت خاک را با عالم پاک، مولوی سردار احمد صاحب (مدفون لائل پور) کو محدث اعظم لکھنا اور محدث اعظم کے خطاب ناصواب کی تشہیر مختلف جرائد سے جیسے انوار الصوفیہ قصور۔ و رضائے مصطفیٰ گجرانوالہ وغیرہ سے کروانا ایسے القاب و خطاب بخشنے

اور ان کی تشہیر کرنے والوں کے حق میں مطابق شریعت سنت والجماعت کیا حکم ہے؟ مفصل ومدلل جواب باصواب سے جلد ممنون فرمائیں۔ بینوا وتوجروا عنداللہ وعندالناس.

السائل احقرالعباد بخشی مصطفیٰ علی خاں مہاجر مدینہ منورہ ازباب الحمام مدینۃ المنورۃ۔

الجواب : عمدۃ المتاخرین بقیۃ المتقدمین استاذ العلما سند المحدثین حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ یقیناً حتماً محدث تھے۔ علما کی اصطلاح میں محدث وہ ہے جو حدیث کی تعلیم و تعلم میں مشغول ہو۔ سید الحفاظ علامہ ابن حجر عسقلانی قدس سرہ نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں: **ولمن یشتغل بالسنۃ المحدث۔**

خود سائل کے مستند اس کے نزدیک مسلم الثبوت محدث حضرت سیدنا وسندنامحقق مدقق آیۃ من آیات حبیب اللہ برکۃ من برکات رسول اللہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ مقدمہ لمعات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: **ولھذا یقال لمن یشتغل بالسنۃ محدث۔** ان دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص سنت یعنی حضور سید عالم ﷺ کے قول و فعل تقریر کے ساتھ مشغول ہو یعنی اسے پڑھتا ہو پڑھاتا ہو، نشرواشاعت کرتا ہو وہ محدث ہے۔

حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کریمہ سبقاسبقا اپنے استاذ حضرت صدرالشریعہ بدرالطریقہ مولانا مرشدنا حکیم ابوالعلا محمد امجد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا، پڑھنے کے بعد تیس سال سے زائد عرصہ تک احادیث کریمہ کا درس دیا جس کا سائل کو خود اقرار ہے۔ لکھتا ہے پہلے بریلی میں بعدہ لائل پور کے مدرسہ میں شیخ الحدیث کہلاتے ہوئے درس حدیث دیا کرتے تھے۔ اس لئے حسب اصطلاح محدثین وہ یقیناً محدث تھے۔

سائل نے یہ غلط کہا کہ مسلسلات سے انہیں کوئی حدیث نہیں پہنچی تھی اور کوئی استاذان فن حدیث نے ان کو ان کی حیات میں نہ محدث کی سندی تھی نہ کسی نے ان کو کبھی محدث کہا لکھا۔ جہاں تک اس خادم کو معلوم ہے۔ حضرت موصوف رحمۃ اللہ علیہ کو ایک سند ان کے استاذ حضرت صدر الشریعہ قدس سرہ نے دی۔ دوسری سند حضرت حجۃ الاسلام مولانا شاہ حامد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور تیسری سند حضور سیدی وسندی أعلم علما مرجع فضلا کہف فقرا شہزادۂ امام اہل سنت حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ مفتی اعظم ہند نے ان تمام سلاسل اولیاء وقرآن وحدیث کی عطا فرمائی جو انھیں اپنے والد محترم مجدد دین وملت شیخ الاسلام والمسلمین مولانا الحاج حافظ قاری عبد المصطفیٰ احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور سراج العارفین قدوۃ السالکین عارف ربانی مولانا سید شاہ ابو الحسین احمد نوری میاں رحمۃ اللہ علیہ سے ملی تھی جن میں ایک دو نہیں کئی سندیں مسلسل بالاضافت مسلسل بالمصافحہ وغیرہ کی ہیں۔ ان سندوں کا دیا جانا ہی کسی کے محدث ہونے کے لئے کافی ہے۔ کسی کو محدث ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کوئی محدث اسے لکھ کر دے کہ یہ محدث ہے بلکہ یہ بھی ضروری نہیں کہ سند اجازت لکھ کر دے اگر یہ ضروری قرار دیا جائے تو لام آئے گا کہ ائمہ محدثین مثلاً امام بخاری امام مسلم وغیرہ وغیرہ محدث نہ ہوں کہ کہیں ثابت نہیں کہ انھیں کسی محدث نے سند لکھ کر دیا ہو چہ جائے کہ یہ لکھ کر دیا ہو کہ یہ محدث ہے کہ اس زمانہ میں تحریری سندوں کا رواج ہی نہ تھا بلکہ سند دینے ہی کا رواج نہ تھا صرف کسی محدث سے حدیث سن لینا کافی ہوتا تھا۔ حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے عہد ہی میں تمام علمائے اہل سنت نے محدث اعظم پاکستان لکھا، کہا، چھاپا، جس پر سیکڑوں خطوط ہزاروں اشتہارات پیش کئے جاسکتے ہیں۔ سائل کو خبر نہیں تو اس کا ہمارے پاس کیا علاج اور اگر سائل کے زعم میں حضرت صدر الشریعہ، حضرت حجۃ الاسلام، حضرت مفتی اعظم ہند اور پاکستان وہندوستان کے

موجودہ علماے اہل سنت علما نہیں اور استادان فن نہیں تو وہ اپنی دل کی بیماری کا علاج کرائے اگر آج حضرت سید پیر جماعت علی صاحب محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ حیات ہوتے تو وہ بھی شہادت دیتے کہ حضرت مولانا سردار احمد صاحب ضرور بالضرور محدث تھے نہ صرف محدث بلکہ عصر حاضر کے محدث اعظم۔ حضرت محدث اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ کو علماے حرمین طیبین نے بھی سندیں عطا کی تھیں۔ لہذا سائل کے اس معیار پر بھی وہ ضرور بالضرور محدث تھے۔ سائل نے جوش عناد میں ایسی باتیں لکھ دیں ہیں جس کی رو سے امت کے کتنے مسلم الثبوت محدثین بلکہ خود سائل کے بھی مسلم محدث زمرۂ محدثین سے نکل جاتے ہیں۔ لکھتا ہے محدث تو مشاہیر علماے دین کہلائے، جنھوں نے زمانہ تابعین وتبع تابعین میں بڑی محنت ومشقت واحتیاط سے احادیث شریفہ جمع کئے اور نشر کئے سائل نے صرف انھیں مشاہیر کے ساتھ محدث ہونے کو خاص کیا جو زمانہ تابعین وتبع تابعین میں جامع حدیث وناشر حدیث تھے۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو حضرات زمانہ تابعین وتبع تابعین میں گزرے نہیں وہ محدث نہیں۔ اب ذرا سوچئے کہ ایک قینچی سے اس نے کتنے محدثین کو زمرۂ محدثین سے کتر دیا۔ حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام حاکم، حضرت امام بیہقی ابی شیبہ عبدالرزاق ابو نعیم وغیرہ وغیرہ سب کے سب نکل گئے کہ یہ نہ تابعی نہ تبع تابعی نیز حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور حضرت پیر جماعت علی محدث علی پوری بھی نکل گئے۔ جنھیں سائل خود محدث مان رہا ہے اور لکھ رہا ہے کہ حضرت شیخ گیارہویں صدی میں گزرے ہیں اور محدث علی پوری چودھویں صدی میں یہ جوش عناد ہی کا نتیجہ ہے کہ حضرت محدث اعظم پاکستان کو زمرۂ محدثین سے نکالنے کے لئے ایسی بات لکھ گیا جس سے خود اس کے مسلم الثبوت محدثین بھی اس زمرہ سے نکل گئے۔ بات یہی ہے کہ محدثین متقدمین ہوں یا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی ہوں، ان سب کا محدث ہونا اس بنا پر ہے کہ ان حضرات نے احادیث کا درس دیا ان کی نشر واشاعت کی

بحمدہ تعالیٰ حضرت مولانا سردار احمد صاحب محدث اعظم پاکستان میں بھی یہ بات بدرجہ اتم موجود تھی کہ آپ نے کم وبیش تیس سال تک ہزاروں کو علم حدیث کا درس دیا لاکھوں احادیث کی عوام وخواص میں اشاعت کی۔

اشاعت کا مطلب صرف یہی نہیں کہ فن حدیث میں کوئی کتاب لکھی جائے ورنہ لازم آئے گا کہ محدث علی پوری محدث نہ ہوں کہ ان کی بھی فن حدیث میں کوئی کتاب نہیں بلکہ پڑھانا وعظ میں احادیث بیان کرنا، خصوصی مجالس میں ذکر کرنا، فتاویٰ میں لکھنا مناظروں میں پیش کرنا اشاعت ہے، یوہیں جمع کرنے کا مطلب یہی نہیں کہ احادیث زبانی سن کر یاد کی جائیں، کتب حدیث کا پڑھنا، مطالعہ کرنا بھی جمع ہے، بحمدہ تعالیٰ یہ دونوں باتیں محدث اعظم پاکستان میں بدرجہ اتم موجود تھیں، اس لئے یہ ضرور بالضرور محدث ہوئے۔ اعظم یوں کہا کہ جو لوگ حضرت موصوف علیہ الرحمہ سے واقف ہیں انھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ احادیث کی اشاعت بذریعہ تدریس و تبلیغ وافتا جتنی حضرت موصوف نے کی ان کے عہد میں کسی دوسرے نے نہیں کی۔ نیز احادیث کی صحت وضعف علت وشذوذ وغیرہ عوارض کی معرفت، تعارض میں تطبیق، معانی کی تشریح میں جو ید طولی آپ کو حاصل تھا ان کے عہد میں کسی کو نہیں تھا، اس لئے مسلمانوں نے انھیں محدث اعظم پاکستان کہا۔ محدث اعظم یہ خطاب ہے، خطاب علم ہے اور اعلام میں الفاظ کے معانی لغویہ کا بتمامہا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ ادنیٰ سی مناسبت کافی ہوتی ہے۔

ردالمحتار میں خزائن الاسرار و بدائع الا فکار فی شرح تنویر الابصار کے تحت فی کی توجیہ میں فرماتے ہیں:

ان کان من جز العلمیة فلا یبحث عن الظرفیة والا فالاولی حذف فی لان خزائن الاسرار هو نفس الشرح وظاهر الظرفیة یقتضی المغایرة.

پھر ظرفیت کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لایمکن تعلقه بمذ کور نظرا الی المعنی الاصلی قبل العلمية فان الاعلام وان كان المراد بها اللفظ قد يلاحظ معها المعانی الاصلية بالتبعية.

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ اعلام میں ان کے معنی قبل علمیت کا اعتبار من کل الوجوہ ضروری نہیں، صرف وضع واضع وتعین لفظ کا اعتبار ہے۔

اسی میں دوسری جگہ ابی شارح مسلم سے ہے:

التسمية سلبت کلا من جزئيه عن معناه الافرادی.

علامہ شامی فرماتے ہیں:

واما توقف فهم معناه العلمی علی فهم جزئيه ففی حيز المنع فان فهم المعنی العلمی من امرئ القيس مثلا يتوقف علی فهم ما وضع ذالك اللفظ بازائه و هوالشاعر المشهور وان جهل معنی کل من مفرديه.

دیکھئے صاف تصریح ہے کہ اعلام کے معنی سمجھنے کے لئے اس کے معنی لغوی کا جاننا ضروری نہیں ہے صرف اس موضوع لہ کا جاننا کافی ہے جس کے مقابلہ میں یہ وضع کیا گیا ہے۔ اسی طرح محدث اعظم جب کہ خطاب ہے جو اعلام میں سے ہے تو اس کی صحت کے لئے اتنا کافی ہے کہ عرف میں حضرت مولانا سردار احمد صاحب کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ عوام وخواص سب نے یہ لفظ ان کے لئے استعمال کیا، اس کی صدہا نظیریں ہیں۔

فاروق اعظم، سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خطاب ہے، حالاں کہ معنی لغوی کے اعتبار سے فاروق اعظم صرف حضور سید عالم ﷺ ہیں۔ امام اعظم، امام الائمہ

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کا لقب ہے۔ حالاں کہ یہ لفظ بھی اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے صرف حضور سید عالم ﷺ ہی پر صادق ہے۔ غوث الثقلین۔۔۔ حضور شیخ محی الدین عبد القادر رضی اللہ تعالی عنہ کا لقب ہے۔ حالاں کہ ان کے معنی لغوی حضور سید عالم ﷺ کے ساتھ مختص ہیں صاحب شرح وقایہ کا لقب صدر الشریعہ ہے، حالانکہ اس کا بھی معنی لغوی ایسا ہے جو سوائے حضور سید عالم ﷺ کے اور کسی پر صادق نہیں، ان سب کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ یہ تمام القاب وخطابات ہیں جن کے حقیقی لغوی معنی پورے طور سے ملحوظ نہیں بلکہ صرف وضع وتعین کے اعتبار سے جس کے لئے معروف ہو گیا اس پر بولا جائے گا اور یہ خطاب اپنے عصر وزمانہ کے اعتبار سے مقرر ہوئے ہیں۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ یقیناً حتماً حضرت مولانا سردار احمد صاحب محدث اعظم پاکستان سے بدرجہا افضل واعلی وبرتر وبالا ہیں۔ اگر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نعلین مبارک کی خاک انہیں مل جاتی تو وہ سرمہ بناتے لیکن محدث اعظم ان کا لقب ہونا اس کا مقتضی نہیں کہ اب یہ کسی کا خطاب ہو ہی نہیں سکتا اور اگر سائل اس کا التزام کرے کہ جو القاب حضرت امام مالک کے ہیں وہ ان سے کم درجہ والوں کے لئے نہیں ہو سکتے تو پھر حضرت امام مالک کا خطاب محدث نہیں یہ دوسروں کو جو حضرت امام مالک سے بدرجہا فروتر ہیں کیوں محدث کہتا ہے۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی اور حضرت پیر سید جماعت علی صاحب کو اس نے محدث مانا اور یہ حضرات کبھی بھی حضرت امام مالک کے برابر نہیں یہ بہت بڑا مغالطہ ہے جو سائل نے سمجھ رکھا ہے کہ جو خطاب افضل کا نہ ہو وہ مفضول کا نہیں ہو سکتا۔ اگر سائل کے سمجھے ہوئے اس قاعدہ کو درست مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ حضرت عمر کا جو خطاب فاروق اعظم ہے، حضرت عثمان کا غنی ہے، حضرت علی کا شیر خدا حضرت امام اعظم کا امام اعظم امام الائمہ، حضرت غوث اعظم کا غوث الثقلین ہے، صاحب شرح وقایہ کا صدر الشریعہ ہے، ان کے دادا کا تاج الشریعہ ہے، یہ سب ناجائز یا کم از کم نادرست ہوں

کہ حضرت عمر سے حضرت ابو بکر افضل ہیں ان کا خطاب فاروق اعظم نہیں، حضرت عثمان سے حضرت عمر و حضرت ابو بکر دونوں افضل ان کا خطاب غنی نہیں، پھر یہ تینوں حضرات حضرت علی سے افضل ان تینوں کا لقب شیر خدا نہیں، یہ سب حضرات حضرت امام اعظم سے بدرجہا افضل مگر کسی صحابی کا خطاب امام اعظم اور امام الائمہ نہیں، یہ تمام حضرات صاحب شرح وقایہ اور ان کے دادا سے بدرجہا افضل ہیں مگر ان میں کسی کا خطاب صدر الشریعہ و تاج الشریعہ نہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سائل کا سمجھا ہوا قاعدہ درست نہیں اور اس میں کوئی حرج نہیں کہ مفضول کا لقب ایسا رکھا جائے جو افضل کا نہ ہو۔

خلاصہ جواب یہ ہے کہ محدث اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد صاحب کا لقب ہے جو ان کی خدمت حدیث سے متاثر ہو کر اہل سنت کے عوام و خواص نے دیا اس کے لئے نہ نص قرآنی کی حاجت ہے نہ ارشادات حدیث کی نہ اقوال سلف کی، لقب رکھنے کے لئے معنی لغوی کے ساتھ ادنی مناسبت کافی ہوتی ہے۔ من کل الوجوہ اس کا صدق لازم نہیں، اس سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر محدث کے معنی مصطلح عند الشرع دیکھا جائے تو یہ معنی یقیناً حتماً حضرت مولانا سردار احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں پائے جاتے ہیں کہ آپ کی عمر مبارک کا کثیر حصہ احادیث نبویہ کی نشر و اشاعت، تعلیم و تدریس میں بسر ہوا، جس کے نتیجہ میں پاکستان و ہندوستان کے علاوہ ممالک غیر میں بھی حضرت والا کے سیکڑوں وہ تلامذہ موجود ہیں جنہوں نے آپ سے احادیث پڑھیں اور سندیں لیں، ہندوستان رہے تو یہاں کے حلقہ درس میں ہندوستان کے تمام سنی مدارس سے زیادہ آپ کے یہاں دورۂ حدیث میں طلبہ رہا کرتے، پاکستان گئے تو تھوڑی مدت میں تشنگان علم حدیث کے مرجع اعظم بن گئے اس لئے آپ کی ذات یقیناً اس کی مستحق تھی کہ محدث اعظم کا لقب پاتی۔ اس پر اعتراض کرنا حضرت والا درجت کے احوال سے ناواقفی کی بنا پر ہو سکتا ہے۔ جو آپ کے تبحر علمی سے خصوصاً علم حدیث میں واقف

ہے وہ تسلیم کرے گا کہ آپ کا لقب بالکل درست اور صحیح ہے۔ امید ہے کہ آپ کو اب ہر طرح اطمینان ہو گیا ہو گا۔ اور اب کوئی شک وشبہ نہ رہا ہو گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبہ محمد شریف الحق امجدی اعظمی غفرلہ

خادم رضوی دار الافتا۔ محلہ سوداگران بریلی۔

الجواب صحیح واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر مصطفیٰ رضا خاں غفرلہ۔

(ماہنامہ پاسبان، الہ آباد -- دسمبر و جنوری ۷۶-۱۹۷۵ء -- ص: ۱۵ تا ۱۸)

نمونہ مضامین و مقالات

۱۔ محمد رسول اللہ! قانون داں اور قانون ساز
۲۔ حضرت اسمعیل کی جائے ولادت اور قربانی
۳۔ یہود کے بارے میں ایک آیت کی تشریح
۴۔ کنکری مارنے کے اوقات میں تبدیلی
۵۔ رویت ہلال اور توقیت
۶۔ شرعی عید اور عرفی عید
۷۔ معمولات اہل سنت

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض قانون داں ہیں ! یا قانون ساز بھی ؟

قانون ساز و قانون داں یہ دونوں لفظ عرف میں الگ الگ معنی کے لئے آتے ہیں۔ قانون داں کے معنی ہیں۔ قانون جاننے والا۔ جس کی حیثیت صرف قانون کے کلیات و جزیات کے معتد بہ حصے پر عبور کی ہوتی ہے ساتھ ہی ساتھ اس کے اندر اتنی مہارت ضروری ہے کہ وہ ہر نئے پیش آنے والے حادثہ کا حکم قانون کی کلیات سے یا اس کے مثل و نظیر دوسری جزئی سے قیاس کر کے نکال سکے جس کی مثال وکیل اور بیرسٹر ہیں کہ یہ لوگ صرف قانون داں ہوتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی قابل ذہین فطین ہوں یہ لوگ قانون کی دفعات یا اس کی عبارت میں کوئی ادنی سا رد و بدل نہیں کر سکتے۔ قانون کے اصطلاحی معنوں میں کوئی تغیر نہیں کر سکتے اگر چہ ان میں اتنی صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ نئے مقدمات کے لئے قانون کی دفعات سے احکام نکال لیتے ہیں اور اسے اپنے دعوی کے مطابق کرنے کے لئے ہفتوں، مہینوں بحث و تمحیص کر سکتے ہیں۔ مگر قانون میں کوئی ترمیم نہیں کر سکتے ہیں۔

شریعت اسلامیہ میں ان کی نظیر علمائے دین ہیں جو شریعت کے اصول و فروع پر حاوی ہوتے ہیں۔ اتنی استعداد رکھتے ہیں کہ کوئی نیا واقعہ رونما ہو تو اس کا حکم استخراج کر لیتے ہیں۔ حتی کہ مسائل شرعیہ پر اعتراض کرنے والوں کو دندان شکن جواب دے لیتے ہیں۔ مگر شریعت کے کسی حکم کو بدل نہیں سکتے۔ اس میں کوئی ترمیم نہیں کر سکتے۔ اس کے الفاظ کو نیا معنی نہیں پہنا سکتے۔

رہ گیا قانون ساز تو یہ لفظ اس با اختیار ہستی پر اطلاق کیا جاتا ہے جو جب چاہے خواہ بہ اختیار خود یا باذن مختار مطلق قانون کی جس دفعہ کو چاہے منسوخ کر دے اس میں

ردو بدل کردے۔ الفاظ کے نئے معنی معین کردے جن افراد کو چاہے جس قانون سے چاہے مستثنے کردے۔ اس کی ایک مثال ہمارے معاشرہ میں شہنشاہ کی ہے کہ وہ اپنی مملکت کا آمر مطلق ہوتا ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے، جو قانون چاہتا ہے ختم کردیتا ہے جسے چاہتا ہے جس قانون سے چاہتا ہے مستثنے کردیتا ہے دوسری مثال وزیر قانون کی ہے کہ وہ شہنشاہ کے اذن واختیار سے قانون بناتا ہے۔ اس میں ترمیم وتبدیل کرتا ہے۔

اب جب قانون داں و قانون ساز دونوں الفاظ کے معانی ذہن نشین ہو گئے تو آیئے شریعت اسلامیہ کی تاسیس کا ایک تحقیقی جائزہ لیں اور یہ تلاش کریں کہ حضور سید عالم ﷺ کی حیثیت صرف قانون داں کی تھی یا یہ کہ آنحضور ﷺ باذن اللہ قانون ساز بھی تھے۔ اس بحث کے چند پہلو ہیں:

۱۔ آنحضور ﷺ باذن اللہ قانون ساز ہیں۔ قرآن کی روشنی میں۔
۲۔ آنحضور ﷺ قانون ساز ہیں احادیث کی روشنی میں۔
۳۔ آنحضور ﷺ قانون ساز ہیں شواہد کی روشنی میں۔
۴۔ اس بارے میں امت کا عقیدہ آج سے پہلے کیا رہا اور کیا ہے۔

۱- آیات

قرآن کریم پر اگر کوئی تحقیقی نظر ڈالے تو اسے اس بارے میں صدہا نصوص مل جائیں گی۔ سرسری نظر ڈالنے پر بھی جو نصوص سامنے ہیں وہ کم نہیں آپ قرآن مجید کی تلاوت کریں جگہ جگہ ملے گا اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو جس نے اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی وہ فاسق و ظالم ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ اللہ عزوجل کے مختار مطلق ہونے کے بارے میں کسی مدعی اسلام کو ادنی شبہہ نہیں ہو سکتاہے۔ اس کی شان تو **فعال لما یرید** اور **یحکم ما یشاء** ہے۔ اللہ عزوجل کی اطاعت و عصیان کے موازی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم اور عصیاں کی ممانعت

اس کی دلیل ہے کہ اس باب میں مختار و ماذون، عطائی و ذاتی، وجوب و امکان، حدوث و قدم وغیرہ کا فرق تو ہے مگر واجب الاتباع و مطاع رسول بھی ہیں۔ اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ جس طرح اللہ عزوجل شریعت میں نسخ و ترمیم و تبدیل و تخصیص و تقیید کر سکتا ہے اس کے اذن سے اس کے رسول علیہ ﷺ بھی یہ سب اختیار رکھتے ہیں اور یہی معنی قانون ساز کے ہیں۔ ان عمومی ارشادات کے علاوہ آیئے چند خصوصی ارشادات ملاحظہ کریں۔ ارشاد ہے :

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

ترجمہ : فرمادو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم کو محبوب بنالے گا۔

اور ہر شخص جانتا ہے کہ اتباع کا یہی مطلب ہے کہ جو حکم دیا جائے اس کو مانا جائے اس پر عمل کیا جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہو گیا کہ رسول جو حکم دیں اس کا ماننا لازم ہے تو ثابت ہو گیا کہ رسول کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ امت کو جو چاہیں حکم دیں یہی قانون ساز کے معنی ہیں اور فرمایا گیا:

"و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی و نصلہ جھنم و سآءت مصیرا"

ترجمہ : حق ظاہر ہو جانے کے بعد جو بھی رسول کے خلاف کرے اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ پکڑے ہم اس کو اسی طرف پھیر دیں گے جدھر وہ مڑا اور اسے جہنم میں ڈالیں گے اور یہ برا ٹھکانا ہے۔

رسول کا خلاف یہی ہے کہ وہ جو فرمائیں نہ مانا جائے اس پر عمل نہ کیا جائے یہ اسی بنا پر ہے کہ ان کا ہر حکم قانون شریعت ہے اور جس کا ہر حکم قانون شریعت ہوتا ہے۔ وہ قانون ساز ہوتا ہے صرف قانون داں نہیں۔ اور سنئے سورۂ نور میں ہے:

فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم.

ترجمہ: جولوگ رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں وہ ڈریں کہیں ان کو فتنہ نہ آئے یادردناک عذاب نہ پہونچے۔

رسول کے حکم کے خلاف کرنے والے پر یہ وعید اسی لئے ہے کہ ان کے کسی حکم کی خلاف ورزی شریعت کی خلاف ورزی ہے اور یہ حیثیت شریعت ساز کی ہو سکتی ہے صرف شریعت داں کی نہیں۔ لیجئے سورۂ احزاب کی آیت ہے:

وما كان لمؤمن و لا مؤمنة اذا قضى الله و رسوله امرا ان يكون لهم الخيرة من امرهم و من يعص الله و رسوله فقد ضل ضلالا مبينا.

ترجمہ: کسی مسلمان مرد یا مسلمان عورت کی مجال نہیں کہ اللہ ورسول کوئی حکم فرمائیں تو انہیں اپنے معاملہ کا اختیار رہے اور جو اللہ ورسول کا حکم نہ مانے وہ بلاشبہ کھلے بند گمراہ ہو گیا۔

اس آیت کریمہ کی مراد کی توضیح کے لئے اس کی شان نزول بھی سنتے چلئے۔ حضور سید عالم ﷺ نے اپنے متبنٰے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح کا پیغام زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا اوران کے بھائی کو دیا ان لوگوں نے نامنظور کیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ غور کیجئے زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت زینب کا نکاح ہونا حضور ﷺ ہی نے بہ نفس نفیس طے فرمایا۔ خود ہی پیغام دیا۔ اس بارے میں کوئی آیت نہیں اتری تھی۔ مگر اسے نامنظور کرنے پر اتنی سخت وعید آئی اور اسے اللہ کا بھی حکم فرمایا گیا اس کی نافرمانی اللہ کے حکم کی نافرمانی قرار دی گئی۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آں حضور ﷺ کی حیثیت صرف قانون داں کی نہیں قانون ساز کی بھی ہے۔

۲- احادیث

۱۔ ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسولہ.

ترجمہ: میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں جب تک ان دونوں کے پابند رہو گے ہر گز گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔

کتاب اللہ کے قانون شریعت ہونے میں کسی کو انکار کی گنجائش نہیں۔ اس کے مقابل آں حضور ﷺ نے سنت رسول اللہ کو بھی رکھا جس سے معلوم ہوا کہ سنت رسول اللہ بھی قانون شریعت ہے اور یہ اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ حضور سید ﷺ کو قانون ساز تسلیم کیا جائے۔ جن کے ارشاد، کردار اور تقریر کا نام سنت ہے۔

۲۔ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے جسے ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی نے نقل فرمایا۔ ارشاد ہے:

الا یوشك رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن ماوجدتم فیہ من حلال فاحلوہ و ماوجدتم فیہ من حرام فحرموہ و ان ماحرم رسول اللہ کما حرم اللہ.

ترجمہ: کوئی پیٹ بھرا اپنی مسند پر بیٹھا یہ نہ کہنے لگے کہ تم صرف قرآن کے پابند رہو اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال جانو اور اس میں جو حرام پاؤ اسے حرام جانو حالانکہ رسول اللہ نے جسے حرام فرمایا وہ اسی کے مثل ہے جسے اللہ نے حرام فرمایا۔

۳۔ امام ابوداؤد نے حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کے ہم معنی روایت کی اس میں یہ ارشاد فرمایا:

الا وانی واللہ قد امرت و نھیت عن اشیا انھا لمثل

القرآن.

ترجمہ: سنو! قسم خدا کی میں نے کچھ چیزوں کا حکم فرمایا ہے اور کچھ چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ بے شک وہ قرآن کے مثل ہے۔

۴۔ امام ترمذی، ابوداؤد وابن ماجہ اور امام احمد و بیہقی نے حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسی کے مثل روایت فرمائی۔ اس میں ارشاد ہے:

لا الفین احدکم متکئا علی اریکته یاتیه الامر من امری مما امرت او نهیت عنه یقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب الله اتبعناه.

ترجمہ: اپنی مسند پر ٹیک لگائے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ جب اس کے پاس کوئی چیز میری فرمودہ یا میری منع کردہ آئے تو یہ کہہ دے میں نہیں جانتا۔ ہم نے جو کتاب اللہ میں پایا اس کی اتباع کی۔

ان احادیث کو پڑھئے اور دیکھئے جن لوگوں نے صرف اللہ کے حلال کئے ہوئے کو حلال جانا اور اللہ کے حرام کئے ہوئے کو حرام جانا اور رسول اللہ ﷺ کے حلال کئے ہوئے کو حلال، اور حرام کئے ہوئے کو حرام نہیں جانا ان پر کتنا شدید غضب فرمایا۔ اور بلا کسی اشتباہ کے فرمایا کہ میری حلال کردہ اشیا اور حرام کردہ اشیا اسی کے مثل ہے جنہیں اللہ نے حلال یا حرام فرمایا۔ کیا کسی قانون داں کا قول۔ قانون ساز کے مثل ہو سکتا ہے؟ کیا جو قانون داں یا قانون ساز کے اقوال میں تفریق کرے وہ اس شدید غضب کا مستحق ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے اور ضرور نفی میں ہے تو جو لوگ اللہ عزوجل کو قانون ساز مانتے ہیں انہیں ماننا پڑے گا کہ حضور سید عالم ﷺ بھی ضرور بالضرور قانون ساز ہیں۔

۵۔ امام مالک واحمد و بخاری و مسلم و نسائی وابن ماجہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں۔ کہ ارشاد فرمایا:

لو لا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواك عند کل

صلوٰۃ

ترجمہ: اگر میری امت پر شاق نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کا حکم فرمادیتا۔

تیسیر وغیرہ میں اس حدیث کو متواتر بتایا ہے انھیں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد و نسائی نے یوں روایت فرمائی کہ ارشاد ہوا:

لولا ان اشق علی امتی لامرتهم عند کل صلوٰة بوضوء ومع کل وضوء بسواك.

ترجمہ: اگر اس کا لحاظ نہ ہوتا کہ میری امت پر شاق ہوگا تو انہیں حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت وضو کریں اور ہر وضو کے ساتھ مسواک کریں۔

۶۔ ابن ماجہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی کہ یوں ارشاد ہوا:

لولا ان اشق علی امتی لفرضته علیهم.

ترجمہ: اگر میری امت کی مشقت کا خوف نہ ہوتا تو مسواک ان پر فرض کردیتا

۷۔ امام ابونعیم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ ارشاد فرمایا:

لولا ان اشق علی امتی لامرتهم ان یستاکوا بالاسحار.

ترجمہ: اس کا لحاظ نہ ہوتا کہ میری امت پر شاق ہوگا تو میں حکم فرمادیتا کہ ہر پچھلے پہر مسواک کیا کریں۔

۸۔ امام بخاری و مسلم و نسائی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

لولا ان اشق علی امتی لامرتهم ان یصلوها هکذا یعنی العشاء نصف اللیل.

ترجمہ: اگر میری امت پر شاق ہونے کا خیال نہ ہوتا تو میں حکم دیتا کہ اسے

یعنی عشا کو اسی وقت یعنی آدھی رات کو پڑھیں۔

غور کیجئے۔ ہر نماز کے وقت وضو یا مسواک یا ہر وضو کے ساتھ مسواک یا ہر صبح کو مسواک یا نماز عشا کا نصف لیل تک موخر کرنا فرض نہیں مگر حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں کہ اس کا لحاظ ہے کہ ان چیزوں کے فرض فرمادینے سے امت مشقت میں پڑجائیگی ورنہ ان چیزوں کو فرض کردیتا، اس لئے میں نے ان کو فرض نہیں فرمایا۔

یہ قول کسی قانون داں کا نہیں ہوسکتا یہ قول صرف قانون ساز کا ہوسکتا ہے۔

۹۔ فرماتے ہیں:

انی احرم علیکم حق الضعیفین الیتیم والمراۃ.

ترجمہ: میں دو کمزوروں کی حق تلفی تم پر حرام کرتا ہوں۔ یتیم اور عورت۔ متفق علیہ۔

۱۰۔ ارشاد ہے:

لاتشرب مسکرا فانی حرمت کل مسکر.

ترجمہ: نشہ کی کوئی چیز نہ پی میں نے ہر نشہ آور کو حرام فرمادیا۔

۳- شواہد

شواہد و نظائر بھی اس باب میں اتنے کثیر ہیں کہ ان سب کا احاطہ دشوار ہے۔ بلکہ جو فقیر کے علم میں اس وقت ہیں ان سب کا بھی یہ نمبر متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے چند پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ صحاح ستہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے ایک صاحب حاضر ہوئے۔ عرض کی میں ہلاک ہوگیا۔ فرمایا۔ کیا بات ہے۔ عرض کی میں نے رمضان میں اپنی بیوی سے ہمبستری کرلی ہے۔ فرمایا۔ ایک غلام آزاد کر

سکتا ہے؟ عرض کی۔ نہیں۔ فرمایا کیا اس کی طاقت ہے کہ مسلسل ساٹھ روزے رکھے عرض کی۔ نہیں۔ فرمایا۔ کیا اتنی استطاعت ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ عرض کی۔ نہیں۔ اتنے میں سوا دو من خرمے کسی نے پیش کیے فرمایا انہیں خیرات کر دے۔ عرض کی۔ اپنے سے زیادہ محتاج پر نا؟ مدینہ بھر میں کوئی گھر ہمارے برابر محتاج نہیں۔

یہ سن کر حضور سید عالم ﷺ اتنا ہنسے کہ دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ فرمایا۔ جا۔ اپنے گھر والوں کو کھلا دے۔

۲۔ اسی کے مثل کفارۂ ظہار میں بھی وارد ہے۔

ظہار اور روزے کا کفارہ یہ مقرر ہے کہ غلام آزاد کرے اس کی استطاعت نہ ہو تو دو مہینے لگا تار روزے رکھے۔ اس کی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلائے۔ مگر یہ حضور سید عالم ﷺ کی شان قانون سازی ہے کہ ان دونوں صاحبوں کو اس کفارہ سے مستثنیٰ فرمادیا نہ صرف یہ کہ مستثنے فرمادیا بلکہ انہیں اتنے کثیر خرما عطا فرمائے۔

۳۔ امام احمد مسند میں ثقات رجال صحیح مسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص آئے اور اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو ہی نماز پڑھوں گا نبی کریم ﷺ نے قبول فرمالیا۔ کیا صرف قانون داں کی یہ حیثیت ہے کہ وہ اللہ کی فرض کی ہوئی تین نمازوں کو معاف کر دے۔ یہ صرف قانون ساز کا عہدہ ہے۔

۴۔ حارث بن اسامہ بن نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اور خود حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالی عنہ سے، مصنف ابی شیبہ و تاریخ بخاری و مسند ابو یعلی و صحیح ابن خزیمہ اور معجم کبیر طبرانی میں مروی ہے کہ فرمایا:

من شهد له خزيمة او شهد عليه فحسبه.

ترجمہ: خزیمہ کسی کے موافق یا مخالف گواہی دیں تو ان کی تنہا گواہی کافی ہے۔

حالانکہ قرآن کریم میں ہے:

واشهدوا ذوی عدل منکم. اپنے میں سے دو عادلوں گواہ بناؤ۔

مگر آنحضور ﷺ نے حضرت خزیمہ کی تنہا شہادت کو دو کے برابر فرمادیا یہ دلیل ہے کہ آنحضور ﷺ قانون ساز ہیں۔

۵۔ سونا اور ریشمی کپڑا مردوں کو حرام ہے۔ مگر حضور ﷺ نے حضرت براء کے لئے سونے کی انگوٹھی اور حضرت سراقہ کے لئے کسریٰ کے زریں کنگن اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف وزبیر رضی اللہ عنہما کے لئے خارش کے وقت ریشمی لباس حلال فرمایا۔

۶۔ حکام کے لئے تحفے قبول کرنا جائز نہیں۔ مگر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے حلال فرمایا۔ (سیف فی کتاب الفتوح)

۷۔ فرماتے ہیں:

قد عفوت عن الخیل والرقیق فهاتوا صدقة الرقة من کل اربعین درهما درهم.

ترجمہ: میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوۃ معاف کردی روپیوں کی زکاۃ دو ہر چالیس درہم میں ایک درہم۔

۸۔ صحیحین اور مسند امام احمد اور شرح معانی الآثار میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا:

اللهم ان ابراهيم حرم مكة انی احرم مابین لابتیها.

ترجمہ: اے اللہ ابراہیم نے مکہ کو حرم کردیا اور میں (مدینہ کی) ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان کو حرم بناتا ہوں "یعنی مدینہ طیبہ کو"۔

۹۔ حجۃ الوداع کا موقعہ ہے حرم مکہ کے احکام بیان فرمارہے ہیں ارشاد ہوا۔ اس کا میدان نہ صاف کیا جائے یعنی گھاس نہ چھیلی جائے۔ حضرت عباس رضی اللہ

تعالی عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کی:

الا الا ذخر فانه لقينهم وبيوتهم.

ترجمہ: سوائے اذخر کے یا رسول اللہ؟ اس لئے کہ یہ ان کی بھٹی کے لئے ہے اور ان کے گھروں کے لئے ہے۔

فورا بلا تاخیر اس کا استثنا فرمادیا۔

۱۰۔ حجۃ الوداع کا موقعہ ہے۔ حضور ﷺ حج کی فرضیت بیان فرمار ہے ہیں کہ اقرع بن حابس رضی اللہ تعالی عنہ کھڑے ہوئے عرض کیا:

العامنا هذا ام للابد.

ترجمہ: کیا اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے۔

فرمایا۔ اسی سال کے لئے اگر میں ہاں کہہ دوں تو ہر سال کے لئے واجب ہو جائے۔

ان شواہد کو دیکھئے کیا یہ سب پکار پکار کر نہیں بتار ہے ہیں کہ آنحضور ﷺ قانون ساز ہیں۔ صرف قانون داں نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ احناف کے نزدیک حدیث سے قرآن مجید کا نسخ جائز ہے۔ مرقاۃ میں ہے:

قد ثبت عندالحنفية ان الحديث يكون ناسخا للكتاب.

ترجمہ: حنفیہ کے نزدیک ثابت ہے کہ حدیث کتاب اللہ کی ناسخ ہو سکتی ہے۔

اور یہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ ارشاد فرمایا:

كلامي ينسخ بعضي بعضنا كنسخ القرآن.

ترجمہ: میرا کلام بعض بعض کو منسوخ فرمادیتا ہے جیسے قرآن کو منسوخ کرتا ہے۔

۴- امت کا عقیدہ

حضور سید عالم ﷺ قانون ساز ہیں اس بارے میں امت کا عقیدہ عہد صحابہ سے لے کر یہی رہا ہے کہ حضور سید عالم ﷺ قانون ساز ہیں صرف قانون داں نہیں۔

۱۔ سنن ابی داؤد وابن ماجہ ومسند امام طحاوی ومعجم طبرانی وبیہقی وغیرہ میں حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

جعل رسول الله ﷺ للمسافر ثلثا ولو مضى السائل على مسئلته لجعلها خمسا.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے مسافر کے لئے موزوں پر مسح کی مدت تین دن مقرر فرمائی اگر مانگنے والا مانگے جاتا تو ضرور پانچ دن کر دیتے۔

۲۔ بخاری میں زید بن ثابت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

وجدتها مع خزيمة الذى جعل رسول الله ﷺ شهادته بشهادتين.

ترجمہ: میں نے یہ آیت خزیمہ کے پاس پائی جن کی شہادت رسول اللہ ﷺ نے دو گواہوں کے برابر فرمائی۔

۳۔ حرم مدینہ کے سلسلے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

نهى النبى ﷺ ان يعضد شجر ها اويخبط اويوخذ طير ها.

ترجمہ: نبی ﷺ نے منع فرمایا کہ مدینے کے درخت کاٹے جائیں یا پتے جھاڑے جائیں یا چڑیا پکڑی جائے۔

ان کے علاوہ خود یہی حضرت ابوہریرہ۔ اور انس بن مالک۔ سعد بن ابی وقاص۔ زید بن ثاث۔ ابوسعید خدری۔ عبدالرحمٰن بن عوف۔ صعب بن جثامہ۔ رافع بن خدیج۔ خبیب بن ہذلی۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا:

حرم رسول الله ﷺ مابین لابتی المدینة. و حرم لابتیها. حرم شجرها ان یعضد او یخبط. حرم صیدها. حرم البقیع باختلاف الفاظ بعضهم بعضا.

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی دونوں پہاڑیوں کے مابین حرم بنایا۔ اس کے درخت کاٹنا یا پتے کا جھاڑنا حرام فرمایا اس کا شکار حرام فرمایا بقیع کو حرم بنایا۔

یہ دس صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ارشادات ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ کو حرم بنایا اس کے درخت کاٹنا پتے جھاڑنا۔ اس کی چڑیا پکڑنا حرام فرمایا۔ حرام کرنے کی اسناد حضور ﷺ کی طرف کرنی اس کی دلیل ہے کہ ان سب کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور ﷺ کو اس کا اختیار تھا کہ جس چیز کو چاہیں حلال فرمادیں۔ جسے چاہیں حرام فرمادیں۔ اسناد میں اصل حقیقی ہے جب تک کوئی قرینہ صارفہ نہ ہو، جو یہاں منتفی ہے تو ثابت ہو گیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا عقیدہ یہی تھا کہ حضور ﷺ قانون ساز ہیں۔

۴۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

نهانا رسول الله ﷺ عن خاتم الذهب.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سونے کی انگوٹھی پہننے سے منع فرمایا۔

۵۔ حضرت حبیش بن اویس نخعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایک قصیدہ مدحیہ عرض کیا۔ جس میں ہے:

شرعت لنا دین الحنیفة بعد ما
عبدنا کا مثال الحمیر طواغیا.

ترجمہ: ہمارے لئے آپ نے دین حنیف کی تشریع فرمائی اس کے بعد کہ ہم گدھوں کی طرح بتوں کو پوجتے تھے۔

۶۔ امام قدوری فرماتے ہیں:

سن رسول الله ﷺ الغسل للجمعة والعيدين والاحرام وعرفة.

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے مسنون فرمایا غسل جمعہ، عیدین، احرام اور عرفہ کے لیے۔

سن کی اسناد حضور سید عالم ﷺ کی طرف کرنی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ حضور سید عالم ﷺ قانون ساز ہیں۔

۷۔ امام عبد الوہاب شعرانی قدس سرہ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں فرتے ہیں:

كان الحق تعالىٰ جعل له ﷺ ان يشرع من قبل نفسه ماشاء.

ترجمہ: اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ کو یہ اختیار دے رکھا تھا کہ اپنی طرف سے جو چاہیں مشروع فرمادیں۔

۸۔ امام احمد خطیب قسطلانی مواہب میں فرماتے ہیں:

من خصائصه ﷺ انه كان يخص من شاء بماشاء من الاحكام.

ترجمہ: سید عالم ﷺ کے خصائص میں سے یہ ہے کہ شریعت کے احکام میں جسے چاہتے جس حکم سے چاہتے مستثنے فرمادیتے۔

۹۔ علامہ زرقانی نے اس کی شرح میں اضافہ فرمایا:

من الاحكام وغيرها.

ترجمہ: احکام کی تخصیص نہیں جس چیز سے چاہیں جسے چاہیں خاص فرمادیں۔

۱۰۔ علامہ اجل سیوطی قدس سرہ نے خصائص کبریٰ میں اس مضمون کا ایک باب منعقد فرمایا:

باب اختصاصه ﷺ بانه يخص من شاء بما شاء

من الاحكام.

ترجمہ: اس کا بیان کہ نبی ﷺ اس منصب کے ساتھ خاص ہیں کہ جسے چاہیں جس حکم سے چاہیں خاص فرمادیں۔

۱۱۔ علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں:

قد اشتهر اطلاقه عليه ﷺ لانه شرع الدين والاحكام.

ترجمہ: حضور ﷺ کو شارع کہنا مشہور ہے اس لئے کہ حضور نے دین اور احکام کی تشریع فرمائی۔

۱۲۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے:

نبينا الآمر الناهي فلا احد
ابر في قول لا منه ولا نعم

ترجمہ: ہمارے نبی ہی آمر اور ناہی ہیں۔ہاں اور نہیں کہنے میں ان سے زیادہ کوئی سچا نہیں۔

۱۳۔ علامہ شہاب خفاجی اس شعر کی شرح میں فرماتے ہیں:

معنى نبيناالآمر الخ انه لا حاكم سواه ﷺ فهو حاكم غير محكوم.

ترجمہ: نبی ﷺ ہی کے آمر وناہی ہونے کے معنی یہ ہیں حضور حاکم ہیں حضور کے سوا عالم میں کوئی حاکم نہیں۔وہ کسی کے محکوم نہیں۔

اور آج اس بارے میں امت کا کیا عقیدہ ہے یہ معلوم کرنا ہو تو ترجمان ملت مجدد وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے رسالہ مبارکہ منیۃ اللبیب اور الامن والعلی کا مطالعہ کریں۔

(از مقالات امجدی-- طبع دوم)

حضرت اسمٰعیل کی جائے ولادت اور قربانی

تورات میں ہے کہ اسماعیل فاران کے بیابان میں رہا۔ (سفر پیدائش باب ۲۱)

معجم البلدان میں تصریح ہے کہ عرب کے جغرافیہ دانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ فاران عرب کے پہاڑ کا نام ہے۔ عیسائی کہتے ہیں کہ فاران عرب کے پہاڑ کا نام نہیں بلکہ فلسطین کے جنوب میں جو صحرا واقع ہے اس کا نام ہے۔

عیسائی اس صحرا کے باشندے نہیں اور عرب والے عرب کے باشندے ہیں۔ اہل وطن کی شہادت دشت وجبل کے نام کے بارے میں دوسروں کے مقابلہ میں یقیناً قابل ترجیح ہوگی لہذا اس میں کسی عقلمند کو شک نہیں ہو سکتا کہ فاران عرب کے پہاڑ کا نام ہے۔ رہ گیا اس صحرا کا نام فاران ہے۔ یا نہیں۔ اس کے بارے میں وہاں کے باشندوں کی کوئی شہادت نہیں۔ صرف غیروں کا دعویٰ ہے اور اس میں بہت کچھ بحث کی گنجائش ہے۔

تورات میں ہے کہ حضرت اسمٰعیل کے یہ بارہ بیٹے تھے، بنیت، قدار، ادبئیل، مبسام، سمعاء، دومہ، مسا، حدو، تیما، طور، تفیس، قدمہ (پیدائش ۲۵۔ ۱۳)

تورات میں یہ بھی ہے کہ یہ سب اپنی اپنی قوم کے رئیس تھے۔ اور انہوں نے اپنی بستیوں اور قلعوں کے نام اپنے ناموں پر رکھے تھے یہ نزول توراۃ کے زمانے کی بات ہے امتداد زمانہ سے کتنی بستیاں ناپید ہو گئیں کتنے نام ردوبدل ہو گئے لیکن تلاش وتتبع کے بعد عرب کی متعدد بستیاں ان ناموں کے ساتھ بہت کچھ مناسبت رکھتی ہیں۔

"بنیت "ینبوع، کے متصل ایک بستی کا نام ہے۔ "الخصیر "بنیت تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک شہر کا نام ہے، ظن غالب ہے کہ یہ نام "قدار" کی "تصغیر" القدیر کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔

"مبسام" کے آثار "نجد میں ہیں۔

"دومہ" شام اور مدینہ کے مابین ایک مشہور بستی ہے۔ عہد رسالت میں یہاں عیسائیوں کی ریاست تھی اور "دومۃ الجندل" کے نام سے مشہور تھی۔

"مسا" یمن میں اس نام کے مناسب "موسیٰ" نام کی بستی موجود ہے۔

"حدو" جنوبی عرب میں "حدیدہ" نام کا شہر موجود ہے بنو حدد ایک قبیلہ کا بھی نام ہے۔

"تیما" فدک کے قریب خیبر کے راستہ میں "تیما" نام کی بستی اب تک موجود ہے۔

"قدمہ" مسعودی نے قوم قدمان کو بنی اسماعیل میں بنایا ہے یہ لوگ یمن "میں رہتے ہیں۔

قربانی کس کی ہوئی؟ یہ مسئلہ بھی اہل اسلام اور اہل کتاب میں بڑا ہی معرکۃ الآراء ہے۔ کہ قربانی کا حکم حضرت اسحاق کے لئے ہوا تھا یا حضرت اسماعیل کے لئے۔ اہل کتاب اس بات پر متفق ہیں کہ قربانی کا حکم حضرت اسحاق کے لئے ہوا تھا۔ اور جمہور اہل اسلام اس کے قائل ہیں کہ یہ حکم حضرت اسماعیل کے لئے ہوا تھا۔ البتہ بعض مفسرین قلت تتبع کی بنا پر اس کے قائل ہیں کہ قربانی کا حکم حضرت اسحاق کے لئے تھا اس لئے ہم اس بحث کے دو حصے کرتے ہیں ایک حصہ میں روئے سخن اہل کتاب سے ہوگا دوسرے میں اہل اسلام سے۔

بحث اول: اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ یہود کی خرد برد کی بنا پر توراۃ کے مصرحات سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ قربانی کا حکم حضرت اسماعیل ہی کے لئے تھا لیکن توراۃ کا دقت نظر سے مطالعہ کرنے کے بعد یہ امر واضح ہو جائے گا کہ یہ حکم حضرت اسماعیل ہی کے لئے تھا نہ کہ حضرت اسحاق کے لئے۔

۱۔ توراۃ میں ایک جگہ مذکور ہے کہ قربانی اسی انسان یا جانور کی ہوتی تھی جو پہلوٹا

ہوتا۔ الفاظ یہ ہیں:

لان لی کل بکو فی بنی اسرائیل من الناس والبھائم.

ترجمہ: اس لئے کہ میرے لئے بنی اسرائیل میں ہر پہلا بچہ ہے انسانوں کا اور چوپایوں کا۔ عدد ۸۔ ۱۷

یہ حکم بنی اسرائیل کے ساتھ خاص نہ تھا بلکہ تمام شرائع سابقہ میں یہی حکم تھا اسی بنا پر ہابیل نے جن مینڈھوں کی قربانی کی تھی وہ بھی پہلوٹے تھے۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جس بیٹے کی قربانی کا حکم ہوا تھا اس کے بارے میں تصریح تھی کہ وہ اکلوتا ہو۔ اور محبوب ہو۔

(توراۃ تکوین۔ اصحاح ۲۲۔ آیت ۱۲۔)

۳۔ توریت کے احکام کی رو سے جو بیٹا پہلوٹا ہوتا۔ وہ بہر حال افضل ہوتا خواہ وہ اس بیوی سے ہو جو کمتر درجہ کی ہو۔

فانہ اول قدرتہ ولہ حق البکوریۃ.

ترجمہ: اس لئے کہ وہ اس کی پہلی قدرت ہے اور اس کو حق تقدم حاصل ہے۔ (سفر تثنیہ اصحاح ۲۱ آیت ۱۵۔ ۱۷۔)

انسان کی فطرت کا بھی یہی تقاضا ہے کہ پہلوٹے بیٹے خصوصا اکلوتے سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ خصوصا وہ اولاد جو برسہا برس کی مایوسی کے بعد ہزار ہا دعاؤں التجاؤں کے بعد پیدا ہو۔

۵۔ اسی پر بس نہیں توراۃ میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے جس بیٹے کی قربانی کی تھی وہ اکلوتا تھا۔ توراۃ میں قربانی کے تذکرے میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے بیٹے کی قربانی کرنی چاہی تو فرشتے نے ندا دی ہاتھ روک لو۔ اس کے الفاظ یہ تھے۔

"خدا کہتا ہے کہ چوں کہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بچا نہیں

رکھا۔ میں تجھ کو برکت دوں گا اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحل بحر کی ریت کی طرح پھیلا دوں گا۔ توراۃ تکوین اصحاح ۲۲۔ آیت ۱۵۔

توراۃ کے ان اقتباسات سے واضح ہو گیا کہ قربانی اسی اولاد کی ہوئی جس میں یہ تین خصوصیات ہوں۔ پہلوٹا ہو۔ اکلوتا ہو۔ محبوب ہو۔ آؤ خود توراۃ کی روشنی میں تلاش کرو۔ یہ اوصاف مجموعی طور پر حضرت اسماعیل میں ہیں یا حضرت اسحاق میں۔ توراۃ میں بالتصریح یہ مذکور ہے کہ ہزاروں دعاؤں، تمناؤں کے بعد پہلے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے۔ جب یہ پہلے پیدا ہوئے تو یہی پہلونٹے بھی ہوئے اکلوتے بھی ہوئے۔ افضل ترین بھی ہوئے۔ محبوب بھی ہوئے۔ برخلاف اسحاق کے کہ یہ بعد میں پیدا ہوئے۔ اس لئے یہ نہ پہلونٹے ہوئے نہ اکلوتے ہوئے نہ افضل ہوئے نہ یہ بہ نسبت حضرت اسماعیل کے محبوب۔ اس لئے توراۃ پر ایمان رکھنے کے دعویداروں کو یہ تسلیم کر لینے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ ذبیح حضرت اسماعیل تھے نہ کہ حضرت اسحاق۔ اس سلسلے کے چند اقتباسات توراۃ کے اور ملاحظہ کریں۔

الف:۔ حضرت ابراہیم کو جب خدا نے حضرت اسحاق کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیم نے اس وقت بھی حضرت اسماعیل کو یاد کیا۔

ب:۔ حضرت اسحاق خدا کے وعدہ اور عہد کے مظہر ہیں۔ تکوین ۱۷۔ ۱۸۔

ج:۔ حضرت اسماعیل دعوت ابراہیم ہیں یعنی حضرت ابراہیم کی دعا اور خواہش سے پیدا ہوئے۔ اسی بنا پر خدا نے ان کا نام اسماعیل رکھا کیوں کہ عبرانی میں اسماعیل دو لفظوں سے بنا ہے۔ اسمع۔ اور ایل۔ اسمع کے معنی "سننے" کے اور "ایل" کے معنی خدا کے ہیں۔ تکوین اصحاح ۱۵۔ ۱۷۔ ۱۸ یعنی خدا نے حضرت ابراہیم کی دعا سن لی۔

د۔ "خدا نے حضرت ابراہیم سے کہا کہ اسماعیل کے بارے میں "میں نے تیری سن لی۔

حضرت اسحاق کی بشارت سن کر حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو یاد کیا یہ دلیل ہے کہ حضرت اسماعیل پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ حضرت اسماعیل دعوت ابراہیم ہیں۔اسی لئے ان کا نام اسماعیل ہے یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ دعا سے پیدا ہوئے۔اس لئے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ حضرت اسماعیل پہلونٹے بھی ہیں۔اکلوتے بھی ہیں۔اور جب پہلونٹے اور اکلوتے ہیں تو یہی حسب احکام توراۃ افضل بھی ہیں اور محبوب ترین بھی۔اس لئے لازم ہے کہ قربانی انھیں کی ہوئی۔

۶۔ جو اولاد خدا کی نذر ہو جاتی اسے باپ کا مال متروکہ نہیں ملتا۔ توراۃ میں مذکور ہے:

فی ذالك الوقت افرز سبط لاوی لیحملوا تابوت عهد الرب ولکی یقفوا امام الرب لیخدموه و یبارکوا باسمه الی هذا الیوم لاجل ذلك لم یکن للاوی قسم و لانصیب مع اخوته، الرب هو نصیبه.

(توراة تکوین. اصحاح تکوین. ۸. ۹.)

ترجمہ: تب خدا نے لاوی کی اولاد کو اس لئے مخصوص کیا کہ خدا کے عہد کا تابوت اٹھائیں اور تا کہ خدا کے آگے کھڑے ہوں۔ تا کہ وہ خدا کی خدمت کریں اور اس کے نام سے آج تک برکت لیں یہی وجہ ہے کہ لاوی کو اپنے بھائیوں کے ساتھ حصہ اور ترکہ نہیں ملا۔ کیوں کہ اس کا حصہ خدا ہے۔

(تورات ۱۰۔ آیت ۸۔۹۔)

اب توراۃ اٹھا کر دیکھو آپ کو صاف ملے گا کہ حضرت ابراہیم نے اپنا تمام اثاثہ حضرت اسحاق کو دیا اور حضرت اسماعیل کو سوائے ایک پانی کی مشک اور چند کھجوروں کے اور کچھ مال نہ ملا۔ لہذا ہر منصف کو یہ ماننا پڑے گا کہ قربانی حضرت اسماعیل ہی کی ہوئی نہ کہ حضرت اسحاق کی:

۷۔ جو خدا کی نذر ہوتا اس کے لئے ”خدا کے سامنے“ کا لفظ بولا جاتا۔

(توراۃ سفر عدد ۶۔ ۱۶۔ ۲۰۔ تکوین ۱۷ اصحاح ۱۰۔ ۸۔)

۸۔ توراۃ میں ہر جگہ۔ سامنے زندہ رہنا۔ قربانی اور نذر ہی کے معنی میں بولا گیا ہے۔

۹۔ توراۃ میں ہیکہ جب خدا نے حضرت ابراہیم کو حضرت اسحاق کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیم نے کہا:

لیت اسماعیل یعیش امامك.

ترجمہ: کاش اسماعیل تیرے سامنے زندہ رہتا۔

توراۃ میں قربانی کے لئے جو لفظ خاص ہے وہ حضرت اسماعیل کے لئے وارد ہوا۔ اور حضرت اسحاق کے لئے نہیں آیا۔ یہ دلیل ہے کہ ذبیح یہ تھے نہ کہ حضرت اسحاق۔

۱۰۔ ان شواہد کے علاوہ سب سے بڑی ناقابل انکار شہادت حضرت اسماعیل کے ذبیح ہونے کی یہ ہے کہ ان کی نسل ان کی ملت کے متبعین میں قربانی کی متعدد یادگاریں آج تک باقی ہیں۔ اور بنی اسرائیل کے پاس کوئی یادگار نہیں۔ اگر ذبیح حضرت اسحاق تھے تو ان کی نسل ان کی اتباع کے دعویداروں میں کوئی نشانی باقی رہتی۔ یہ کیا راز ہے کہ ان کے حریفوں کے یہاں متعدد یادگار اور ان کے یہاں ایک بھی نہیں۔ وہ یادگار کیا ہے سنیں۔

”جو شخص خدا کی نذر کر دیا جاتا وہ سر کے بال چھوڑ دیتا تھا اور معبد کے پاس جاکر اتارتا تھا۔ توراۃ میں ہے:

فها انك تحملين وتلدين ابنا ولا يعل موسى راسه لا ن الصبى يكون نذير الله -

(توراة، قضاة، اصحاح ۱۳ . ٤)

ترجمہ: یعنی اب تو حاملہ ہوگی اور بچہ جنے گی اور اس کے سر پر استرا پھیرا نہ جائے گا۔ کیوں کہ یہ بچہ خدا کے لئے نذر کیا جائے گا۔

حج و عمرہ میں احرام باندھنے کے وقت سے لے کر تمام مناسک سے فارغ ہونے تک بال منڈوانا کتروانا اکھاڑنا ممنوع ہے۔ مناسک سے فراغت کے بعد بال منڈوانے، بال کتروانے کی اجازت ہے۔ ارشاد ہے:

ولا تحلقوا رؤسکم حتی یبلغ الھدی محله.

ترجمہ: اپنے سروں کو نہ منڈاؤ جب تک قربانی کے جانور اپنی جگہ یعنی حرم میں نہ پہنچ جائیں۔

ب۔ حضرت ابراہیم کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا تو پکارا۔
"اے ابراہیم! حضرت ابراہیم نے کہا میں حاضر ہوں۔

(توراۃ، تکوین، اصحاح ۲۲، آیت:۱)

حج یا عمرہ کا احرام باندھتے ہی ہر حاجی پکارتا ہے۔ لبیک لبیک۔ حاضر ہوں حاضر ہوں۔ یہ اسی سنت ابراہیمی کی اتباع ہے۔

ج۔ شریعت ابراہیمی کے مطابق جسے خدا کی نذر کرتے ہو وہ بار بار معبد قربان گاہ کے گرد پھرتا، حج و عمرہ میں کعبہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی اسی یادگار کی نشانی ہے۔

د۔ حضرت ابراہیم نے بچے کو ذبح کرنا چاہا تو انہیں روک کر اس کے عوض دنبہ ذبح ہوا۔ عید اضحیٰ میں ہر ذی استطاعت مسلمان اور حج میں حاجی جانوروں کی قربانی کرتا ہے بلکہ یہ بشرائط واجب ہے۔ یہ سنت ابراہیمی کی پیروی ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا ہے: سنة ابیکم ابراھیم۔ قربانی تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہے۔

ان یادگاروں کو دیکھ کر ہر ذی فہم یہ ماننے پر مجبور ہوگا کہ قربانی کا حکم حضرت اسماعیل کے لیے تھا۔ جن کی نسل اور متبعین میں اس کی متعدد یادگاریں آج تک باقی ہیں نہ کہ حضرت اسحاق کے لیے جن کی نسل اور پیروان ملت میں قربانی کی کوئی یادگار پائی نہیں جاتی۔

بحث دوم: قرآن کریم کی روشنی میں حضرت اسماعیل کا ذبیح ہونا متعین ہے یہاں کوئی صورت ہی نہیں کہ حضرت اسحاق کا ذبیح ہونا ثابت ہو سکے۔ قربانی کا واقعہ سورہ صافات میں یوں مذکور ہے:

و قال انی ذاهب الی ربی سیهدین. رب هب لی من الصلحین. فبشرنه بغلم حلیم. فلما بلغ معه السعی قال یبنیَّ انی اری فی المنام انی اذبحك فانظر ماذا تریٰ قال یابت افعل ماتؤمر ستجدنی ان شاء الله من الصٰبرین. فلما اسلما و تله للجبین و نادینه ان یٰا براهیم قد صدقت الرئیا انا کذالك نجزی المحسنین. ان هذا لهو البلؤء المبین. و فدینه بذبح عظیم و ترکنا علیه فی الآخرین سلام علی ابراهیم کذالك نجزی المحسنین. انه من عبادنا المومنین و بشرنه باسحٰق نبیا من الصلحین.

ترجمہ: اور اس (ابراہیم) نے کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں۔ اب وہ مجھے راہ دے گا۔ الٰہی مجھے لائق اولاد دے تو ہم نے اسے خوش خبری سنائی ایک حلم والے لڑکے کی پھر جب وہ اس کے ساتھ کام کے قابل ہو گیا۔ کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ اب تو دیکھ تیری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا: اے میرے باپ کیجئے۔ جس بات کا آپ کو حکم ہوتا ہے۔ خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔ تو جب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھ دی اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا (اس وقت کا حال نہ پوچھو) اور ہم نے اسے ندا فرمائی کہ اے ابراہیم بے شک تو نے خواب سچ کر دکھایا ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ بے شک یہ

روشن جانچ تھی اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے کر اسے بچالیا۔ اور ہم نے پچھلوں میں اس کی تعریف باقی رکھی سلام ہو ابراہیم پر ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو۔ بے شک وہ ہمارے اعلی درجہ کے کامل الایمان بندوں میں ہیں اور ہم نے اسے خوش خبری دی اسحاق کی۔ کہ غیب کی خبریں بتانے والا نبی ہمارے قرب خاص کے سزاواروں میں ہوگا۔

ان آیات میں حضرت ابراہیم کے دو فرزندوں کا تذکرہ ہے۔ ایک وہ جو دعا سے پیدا ہوئے اور ذبیح ہوئے۔ جن کا نام مذکور نہیں۔ دوسرے حضرت اسحاق جن کی ولادت کی بشارت ہے اور یہ بالکل واضح ہے کہ اگر ذبیح حضرت اسحاق ہوتے تو جب فبشرنہ بغلم حلیم فرمایا جاچکا ہے۔ تو اب بعد میں وبشرنہ باسحاق بالکل لغو ہو جاتا ہے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ ذبیح حضرت اسحاق نہیں بلکہ حضرت اسماعیل ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس آیت میں جو لڑکا ذبیح ہے اس کو غلام حلیم فرمایا گیا ہے بر خلاف اس کے حضرت اسحاق کی بشارت اس کے علاوہ دو جگہیں اور ہیں ان کو وہاں "غلام علیم" فرمایا گیا ہے۔ سورہ "حجر میں ہے:

انا نبشرك بغلام عليم.

فرشتوں نے کہا ہم آپ کو علم والے بچے کی بشارت دیتے ہیں۔

سورہ "ذاریات میں ہے:

"وبشروه بغلام عليم"

ترجمہ: فرشتوں نے انہیں علم والے بچے کی بشارت دی۔

ہر جگہ حضرت اسحاق کی صفت "علیم" فرمانا اور ذبیح کا وصف "حلیم" فرمانا اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ ذبیح حضرت اسحاق نہیں۔ حضرت اسماعیل ہیں۔ ورنہ کیا وجہ ہے دیگر بشارتوں کے موقع پر ان کو "علیم" کہا جائے اور یہاں نیا وصف "حلیم" لایا جائے۔

تیسرے یہ کہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم کے دونوں فرزند دو

مختلف طور سے پیدا ہوئے تھے۔ ایک دعا کے بعد دوسرے بغیر دعا کے۔ اور قربانی اسی لڑکے کی ہوئی تھی۔ جو دعا سے پیدا ہوئے تھے۔ توراۃ میں مذکور ہے کہ:

"اسماعیل دعوت ابراہیم ہیں" یعنی ابراہیم کی دعا اور خواہش سے پیدا ہوئے اسی لئے ان کا نام "اسماعیل" پڑا۔ عبرانی زبان میں۔ "اسمع" کے معنی سننے کے ہیں اور "ایل" کے معنی "خدا" کے ہیں اب لفظ اسماعیل کا ترجمہ ہوا۔ خدا نے حضرت ابراہیم کی دعا سنی۔ (تکوین۔ اصحاح ۱۷۔ ۱۸۔)

دوسری جگہ ہے کہ حضرت ابراہیم سے خدا نے کہا کہ "اسماعیل کے بارے میں میں نے تیری سن لی" ایک جگہ اور ہے:

"حضرت اسحاق خدا کے وعدہ اور عہد کا مظہر ہیں"۔

(توراۃ تکوین ۱۷۔ ۱۸۔)

ان عبارات سے واضح ہے کہ حضرت ابراہیم کی دعا سے حضرت اسماعیل پیدا ہوئے تھے۔ لہذا ذبیح وہی ہوں گے نہ کہ حضرت اسحاق۔ جن کا وجود ایفاء عہد کی تکمیل تھا۔

چوتھے یہ کہ قربانی پر باپ بیٹے کی آمادگی کا نقشہ جن الفاظ میں کھینچا گیا ہے وہ یہ ہے:

فلما اسلما وتلہ للجبین.

ترجمہ: توجب ان دونوں نے ہمارے حکم پر گردن رکھی۔

"اسلما" کا مصدر "اسلام" ہے۔ جس کے معنی کسی کی بات ماننے کے ہیں اس تسلیم وانقیاد کے بعد اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروان ملت کا نام مسلم رکھا ارشاد ہے:۔

ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمکم المسلمین من قبل.

ترجمہ: تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اس نے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا۔

دستور یہی ہے کہ کسی عظیم کارکردگی کے صلہ میں ملا ہوا اعزاز نسلا بعد نسل

چلتا رہتا ہے۔ لہذا یہ بات کھلی ہوئی ہے کہ قربانی کے اعزاز میں ملا ہوا خطاب جس کے وارثین کا ہو وہی ذبیح یقینی طور پر ہوں گے۔

وارثین حضرت اسحاق نے اپنے آپ کو بنی اسرائیل، یہود، نصاریٰ، ابن اللہ اور احباء اللہ وغیرہ وغیرہ الفاظ سے مشہور کیا لیکن ان میں سے کسی نے اپنے کو "مسلم" نہیں کہا۔ برخلاف وارثین حضرت اسماعیل کے کہ وہ صبح قربانی سے لے کر الیٰ یومنا ھذا اپنے آپ کو "مسلمان" کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کے مورث اعلیٰ حضرت اسماعیل ہی ذبیح ہیں۔

"مواہب لدنیہ" میں مذکور ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی عالم سے دریافت فرمایا کہ ذبیح کون تھا تو اس نے جواب دیا کہ امیر المومنین یہودی یقیناً خوب جانتے ہیں کہ اسماعیل ذبیح ہیں اور از راہ حسد ان کے ذبیح ہونے سے انکار کرتے ہیں اور حضرت اسحاق کو ذبیح بتاتے ہیں۔

علامہ جلال الدین سیوطی نے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت اسحاق کو ذبیح کہنا اہل کتاب کی تحریفات سے ہے۔

قربانی کہاں ہوئی

اس میں اختلاف ہے کہ قربانی کہاں ہوئی تھی۔ شام میں کہ عرب میں۔ لیکن یہ اختلاف ذبیح کے تعین کے اختلاف کی فرع ہے۔ اہل کتاب حضرت اسحاق کو ذبیح مانتے ہیں۔ لہذا وہ اس کا موقع شام مانتے ہیں۔ اور اہل اسلام چوں کہ حضرت اسماعیل کو ذبیح مانتے ہیں۔ لہذا اس کا موقع عرب بتاتے ہیں اور جب ہم نے دلائل قاہرہ سے ثابت کر دیا کہ ذبیح حضرت اسماعیل ہیں تو ماننا پڑے گا کہ مقام قربانی عرب ہی ہے۔ اس کے علاوہ بحث اول میں گذرا کہ جس کی قربانی کی جاتی ہے۔ وہ اپنے بال چھوڑ دیتا جو قربان

گاہ پر اتارا جاتا، قربان ہونے والا قربان گاہ کے پھیرے کرتا، شام میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں کسی مذہب والے اس قسم کی رسم ادا کرتے ہوں۔

نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل یادگار جانوروں کی قربانی ہے۔ قربان گاہ شام میں ہوتی تو اس یادگار کی تکمیل اسی قربان گاہ پر ہونی چاہئے تھی نہ کہ عرب میں۔

علاوہ ازیں۔ ''توراۃ'' میں قربانی کی جگہ ''مریا'' بتائی گئی ہے۔ ''مریا'' کون سی جگہ ہے اس کی تعیین میں یہود و نصاریٰ خوب دست و گریباں ہیں۔ یہودی کہتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں ''ھیکل سلیمان تھا۔ عیسائی کہتے ہیں۔ نہیں یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی۔

تیسرا گروہ کہتا ہے کہ یہ دونوں غلط ہیں۔ یہ مقام ''حریزیم'' کے پہاڑ پر ہے۔ اختلافات آگے بڑھے تو کچھ لوگوں نے کہا کہ ''مریا'' قربان گاہ کا نام نہیں بلکہ اس کا وصف ہے۔

مترجمین نے اس کے مختلف ترجمے کئے لیکن ان کے محققین نے اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ پھر زمانے کے بعد یہ لفظ ''مریا'' سے ''مورہ'' ہو گیا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ دونوں لفظ کا املا ''عبرانی زبان'' میں قریب قریب ہے ''مورہ'' کے بارے میں توراۃ میں تصریح ہے کہ عرب میں ہے:

وکان جیش المدیانیین شمالھم عند تل ''مورہ'' فی الوادی.

ترجمہ: اور مدیانیوں کی فوج شمال کی جانب ''مورہ'' پہاڑ پر وادی میں تھی۔

''مدیان'' عرب میں واقع ہے۔ اور عرب میں ''مورہ'' نام کی کوئی پہاڑی نہیں۔ البتہ ''مروہ'' نام کی ایک پہاڑی ہے۔ لہذا یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ ''مورہ'' وہی پہاڑی ہے جو اب ''مروہ'' کے نام سے مشہور ہے۔ جس کے دامن میں ''وادی غیر ذی زرع ہے۔''

''موطا امام مالک'' میں ہے کہ حضور ﷺ نے ''مروہ'' کی طرف اشارہ کر کے

فرمایا کہ قربان گاہ یہ ہے اور مکہ کی تمام پہاڑیاں اور گھاٹیاں قربان گاہ ہیں۔

"توراۃ" میں "مربا" یا "مورہ" اور حدیث میں "مروہ" کو قربان گاہ بتانا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ کہ یہ ایک ہی لفظ کے مختلف تلفظ ہیں۔ علاوہ ازیں "یسعا" نبی کی کتاب میں ہے۔

"اونٹنیاں تجھے آکر چھپالیں گی۔ "مدیان" اور "عیفا" کے اونٹ وہ سب جو "سبا" کے ہیں آئیں گے وہ سونا اور لوبان لائیں گے اور خداوند کو بشارت سنائیں گے، قیدار کی ساری بھیڑیں ترے پاس جمع ہوں گی۔ "بنیت کے مینڈھے چڑھائے جائیں گے۔ اور میں اپنے شوکت والے گھر کو بزرگی دوں گا۔" (٦٠۔ باب ٦، ٧)

اس سے کوئی ذی انصاف انکار نہیں کر سکتا کہ "مدیان" "عیفا"۔ "سبا" بنی قطورہ باشندگان یمن کے اونٹ "قیدار" کی بھیڑیں "بنیت" کے مینڈھے جس مذبح پر چڑھائے جاتے ہیں، اور جو خدا کا مذبح ہے۔ جس سے خدا کے شوکت والے گھر (بیت الحرام) کو بزرگی حاصل ہوتی ہے۔ وہ مکہ میں ہی ہے۔ شام میں کوئی مذبح نہیں جسے خدا کا مذبح کہا جائے اور جہاں اہل یمن اور اہل عرب کی قربانیاں چڑھائی جاتی ہوں۔ اور جس سے خدا کے شوکت والے گھر کی بزرگی ظاہر ہوتی ہو۔

خلاصہ کلام یہ کہ مذبح اور ذبح کے تعین میں بنی اسرائیل اور اہل عرب کی روایات متعارض ہیں، اصول تنقید کی رو سے ایک ناقد روایات کے تعارض کے وقت درایت سے کام لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ درایۃ بنی اسرائیل کے پاس اپنی روایات کی تائید میں کوئی شہادت نہیں۔ بر خلاف اہل عرب کے کہ ان کی روایات کی تائید میں متعدد شہادتیں مل رہی ہیں۔ لہذا ایک منصف مجبور ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے مقابلہ میں اہل عرب کی روایات کو صحیح مانے۔ (سہ ماہی تعلیمات، علی گڑھ۔ ص:١١-٢١)

یہود کے بارے میں ایک آیت کی تشریح

یہودیوں کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا:۔

وضربت علیهم الذلة والمسكنة و باؤا بغضب من الله

ترجمہ: اور ان پر ذلت اور گداگری چھاپ دی گئی ہے اور وہ منجانب اللہ نشانہ غضب ہیں۔

جو لوگ یہودیوں کی ۴۹ء سے قبل کی تاریخ پر نظر ڈالیں گے ان پر فرمان خداوندی کی یہ صداقت مہر نیمروز کی طرح عیاں ہو جائے گی، کہ خدا کی خدائی میں یہودیوں سے بدتر ذلیل و کمینہ و رسوائے زمانہ کوئی قوم نہ ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ فرعون نے صدیوں تک ان کو غلام بنائے رکھا۔ طالوت نے ان کا بھرکس نکالا۔ بخت نصر نے انھیں خاک میں ملایا، مبارزین نے ان کے عزت وناموس کی دھجیاں تک بکھیر دیں اور عیسائیوں کے اقتدار نے ان کو ایسا ملیامیٹ کیا کہ ڈیڑھ ہزار سال سے دربدر کی ٹھوکروں کے سوا کہیں اطمینان سے سر چھپانے کی جگہ نہ مل سکی۔ ملک بملک مارے مارے پھرتے۔ جہاں جاتے دردرائے جاتے۔ نہ کہیں سکون نہ چین، عزت وناموس، وقار اور عظمت کا کوئی سوال ہی نہیں۔ صورت ایسی نکبت آگین کہ لکھ پتی بھی صورۃ بھک منگا معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے ملک کے شودروں کی صورتیں بھی یہودیوں کے مقابلے میں کچھ آب رکھتی ہیں۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرمان خداوندی کسی معینہ مدت تک کے لئے نہیں۔ خدا کی مسلط کی ہوئی ذلت و مسکنت ایسی نہیں کہ اسے کوئی دور کر سکے۔ پھر جب کہ بعض آیات میں الیٰ یوم القیمہ کی حد ہے تو قیامت سے پہلے یہ رسوائی وذلت ختم ہونا فرمان خداوندی کی تکذیب ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ۴۹ء میں

ساری دنیائے اسلام کے علی الرغم یہودی مملکت کا قیام ہو گیا۔ کیا قیام مملکت ذلت و مسکنت کا اختتام نہیں۔ اچھا اگر قیام مملکت رسوائی ونکبت کا اختتام نہیں تو اپنے حریف عربوں کی متحدہ طاقت کو ہر تصادم میں شکست دینا ان کے علاقہ پر قبضہ کر لینا، مفتوح عربوں کو ان کے گھروں سے نکال کر بھیڑ بکری کے گلے کی طرح ہانک کر ملک سے باہر کر دینا تو ضرور ذلت ومسکنت کا اختتام ہے۔ ایسی صورت میں مذکورہ بالا اس ارشاد قرآن کی توجیہ کیا ہوگی۔ خصوصاً اس صورت میں کہ کثیر علما نے اس آیت کے تحت یہ لکھا ہے کہ یہود کی ذلت و مسکنت ہی کا نتیجہ ہے کہ آج روئے زمین پر یہود کی کوئی سلطنت نہیں۔ ان علما کے پیرو اب کیا کہیں گے۔

یہ سوال ۴۹ء کے بعد بار بار اٹھا ہے۔ علما نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ عرصہ ہوا میں نے اس کا ایک جواب لکھا تھا جو رسالہ پاسبان میں چھپ بھی چکا ہے۔ اسی جواب کو آج ضروری تشریح کے ساتھ ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں۔ اگر چہ آیت مذکورہ میں ذلت و مسکنت کی ضرب یہود پر مطلق بیان کی گئی ہے۔ لیکن دوسری آیت میں یہ مقید ہے۔

چنانچہ سورۂ آل عمران کے بارہویں رکوع میں یوں فرمایا:

ضربت علیهم الذلة این ماثقفوا ا لا بحبل من الله و حبل من الناس

ترجمہ: ان یہودیوں پر ذلت چھاپ دی گئی ہے جہاں بھی رہیں۔ مگر یہ کہ اللہ کی رسی پکڑ لیں یا اور لوگوں کی رسی پکڑ لیں۔

چونکہ قرآن کریم کا اصول ہے "**القرآن یفسر بعضه بعضا**"۔ قرآن مجید کی بعض آیت بعض کی تفسیر ہیں۔ لہذا جو آیتیں اس مضمون کی عام ہیں وہ اسی آیت سے خاص ہوں گی۔ اب صاف مطلب یہ ہوا کہ یہود لاکھ سر پٹکیں، لاکھ کوشش کریں ہاتھ پیر ماریں از خود اپنے بل بوتے سے قہر خداوندی کی چھاپ ہرگز ہرگز نہیں مٹا سکتے۔ ہاں اگر توفیق ایزدی دستگیری فرمائے اور مومن بن کر اللہ کی رسی پکڑ لیں تو یہ ذلت ورسوائی

کا داغ مٹ سکتا ہے۔ اگر شقاوت ازلی انھیں یہ سعادت حاصل نہ کرنے دے تو دوسری صورت یہ ہے کہ دنیا میں کسی کے دست نگر ہو کر ان کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال لیں تو یہ داغ دور ہو سکتا ہے۔

یہود کی ڈیڑھ ہزار سالہ تاریخ اس فرمان ایزدی کے حرف حرف نقطہ نقطہ کی صداقت پر برہان قاطع ہے۔

عیسائیوں نے قوت حاصل کرتے ہی اس منحوس قوم کا اس طرح قلع قمع کیا کہ انھوں نے اپنی دانست میں اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ ارض مقدس ان کے ناپاک وجود سے یکسر پاک ہو گئی۔ یہ اپنی جان لے کر ادھر ادھر بھاگے اسلام آیا تو اس نے ابتداء یہ اپنی امن پسندی کی بنا پر ان کے ساتھ شریفانہ معاہدہ کر کے ان کو تمام شہری حقوق دیئے۔ لیکن یہ اپنی فطری شر پسندی، احسان فراموشی، غداری، منافقانہ رویے کی بنا پر اسلام کو پنپنے سے پہلے ہی ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے رہے، کون سی دسیسہ کاری تھی جو انھوں نے نہیں کی، کونسی سازش تھی جسے انھوں نے نہ کیا ہو۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا، حضور سید عالم ﷺ کی ہجو کرنا، خلاف پروپیگنڈہ، منافقین کی پشت پناہی، حضور ﷺ کو شہید کرنے کی جد و جہد، معاندین اسلام کی مالی امداد، ان کے لئے سراغ رسانی، معاہدہ کی خلاف ورزی، سخت ترین نازک موقع پر محاربین سے مل کر مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کی کوشش، مدینے پر حملہ کی تیاریاں، انہوں نے یہ سب کچھ کیا لیکن خدائی حفاظت و صیانت اور امداد و اعانت کے آگے ان کی ایک نہ چلی۔ رحمت عالم ﷺ کے ساتھ غداری، احسان فراموشی، نمک حرامی کے نتیجے میں یہ پہلے مدینہ طیبہ سے پھر پورے جزیرۂ عرب سے نکالے گئے۔ دوسری طرف اسلام کی حقانیت و صداقت نے ان کے باطل مذہب کی بنیادیں متزلزل کر دیں۔ جن کو توفیق ملی وہ اللہ کی رسی پکڑ کر ذلت و نکبت سے نجات پا گئے۔

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور کعب احبار کے نام سے کون واقف

نہیں دامن اسلام میں آکر یہ حضرات عزت وعظمت کی کس بلندی پر پہونچے وہ ہزاروں کے لئے باعث رشک ہے۔

یہ جلوہ الابحبل من اللہ کا ہے۔ اگر یہ اللہ کی رسی پکڑلیں تو قہر خداوندی کی زد سے نکل سکتے ہیں۔ لیکن جو بدنصیب یہ سعادت نہ حاصل کرسکے وہ ساڑھے تیرہ سو سال در بدر کی ٹھوکریں کھاتے رہے۔ اسلام میں سینکڑوں انقلاب آئے، خلافت اسلامیہ ختم ہوئی، مملکت قائم ہوئی، بنی امیہ فنا ہوئے ان کی جگہ بنی عباس نے لی، بنی عباس کا کوکب اقبال غروب ہوا، بنی فاطمہ بساط سیاست پر چمکے، مرکزی قوتیں ختم ہوئیں۔ طوائف الملوکی پھیلی، حتی کہ یورپ کے صلیبی ڈاکوؤں نے ارض مقدس پر قبضہ کرلیا۔ مگراس غضب کی ماری قوم کو کبھی حوصلہ نہ ہوا کہ ارض مقدس تو کیا کسی دور دراز ویرانے میں ہی ایوان سلطنت کے نام سے ایک بھٹ ہی بنالیتی۔ غضب خداوندی کی بجلیوں نے ان کا نشیمن ایسا پھونکا کہ کہیں ایک تنکے کا بھی پتہ نہیں تھا۔

پھر اس کے بعد صلیبی دیوانوں اور مجاہدین اسلام میں آٹھ سو سال تک زور آزمائی ہوتی رہی۔ ایک تیسرے حریف کو اس سے بہتر اور کوئی موقع نہیں مل سکتا کہ اس کے دو دشمنوں میں جنگ وجدال برپا ہو۔ ایک چالاک حریف دشمنوں کی چند روزہ لڑائی سے بہت بڑا فائدہ حاصل کرلیتا ہے۔ مگر وہی جو حساس ہو، غیرت مند ہو، باحمیت ہو، لیکن جس کا خمیر ہی خلاق دوعالم نے ذلت ونکبت سے بنایا ہو اسے کیا احساس۔ اور بالفرض احساس بھی ہو تو دنیا کے گوشے گوشے میں پراگندہ قوم کر ہی کیا سکتی ہے۔

بالآخر عربوں کی قومی انفرادپسندی اور اس کے تحت ابھرنے والے نعرۂ آزادی نے وہ روز بد دکھایا کہ برطانیہ ارض مقدس پر قابض ہوگیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ دنیا کی ہر قوم استعماری قوتوں سے متنفر ہو چکی تھی۔ اور بڑی سے بڑی طاقت سے لڑکر آزاد ہونا جان چکی تھی۔ برطانیہ خوب جانتا تھا کہ ارض فلسطین پر ہم بہت دنوں اپنے اقتدار کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ اور جلد ہی وہ دن آنے والا ہے کہ یہ ارض مقدس چھوڑ کر جانا ہے۔

کینہ پرور مسلم دشمن انگریز نے یہ گوارا نہیں کیا کہ ارض مقدس کے جن وارثین نے عیسائیوں سے چھین کر ساڑھے تیرہ سو سال تک اس پر انھیں قابض نہیں ہونے دیا۔ جن مردان خدا نے ان کے آباؤاجداد کو وہ شرمناک شکستیں دی ہیں جن کو سن کر وہ آج بھی عرق عرق ہیں۔ انھیں یہ امانت سپرد کی جائے۔ لہذا اس نے دنیا کے گوشے گوشے سے یہودیوں کو بلا کر فلسطین میں آباد کرنا شروع کر دیا۔ انھیں سکھایا پڑھایا، ورغلایا۔ ان کے سینوں میں مسلم دشمنی کا دبا ہوا جذبہ ابھارا۔ اور اقوام متحدہ کی وساطت سے امریکہ، فرانس، روس تینوں کی ہمنوائی سے دنیا کی رائے عامہ کے برخلاف آئین وانصاف کو ذبح کر کے یہودی ریاست کو جنم دیا۔ یہودیوں میں اب بھی یہ قوت نہ تھی کہ وہ اس کی ہمت کر سکتے کہ اپنی مملکت قائم کریں۔ یا دنیا کی کوئی انصاف پسند کچہری انھیں دنیا کے کسی خطے میں ایک انچ زمین پر حکومت قائم کرنے کی اجازت دیتی۔ لیکن امریکہ اور برطانیہ نے اسلام وعرب دشمنی میں انھیں اپنے ایٹمی ہتھیاروں کے سہارے جنم دیا۔ یہ جلوہ ہے وحبل من الناس، کا، کہ کہیں ذلت سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکتے۔ مگر یہ کہ کسی کی گود میں جا بیٹھیں یہودی مملکت کا نظم ونسق اگرچہ ان کے ہاتھ میں ہے۔ مگر اس کے قیام وبقاو حفاظت کی ساری ذمہ داری امریکہ وبرطانیہ کے سر ہے۔

اور ۶۵ء میں جو ہوا یا ابھی جون کے پہلے ہفتہ میں جو کچھ ہوا یہ یہودیوں کا کیا ہوا۔ نہیں بلکہ در پردہ امریکہ کی کارستانی ہے۔ اخبارات پڑھنے والے جانتے ہیں کہ امریکہ کا چھٹا بیڑا بحر روم میں موجود تھا جس نے مصر کے راڈر سسٹم کو جام کر لیا۔ امریکن جاسوسی طیارہ نے مصری فضائیہ کے خفیہ پیغامات یہودیوں تک پہنچائے بمباری کرنے والے طیاروں کے پائلٹ بجائے عبرانی کے انگریزی میں بات کرتے سنے گئے۔ یہ یہودیوں اور مصر وعرب کا مقابلہ نہ تھا۔ یہ عرب اور امریکن تصادم تھا۔

اسے بھی جانے دیجئے یہودیوں کو اتنے کثیر اسلحے، طیارے ناپام بم کہاں سے ملے اس کا ایک ہی جواب ہے، امریکہ، پھر عربوں پر یہ عبوری فتح یہودیوں کی نہیں،

امریکہ کی ہے۔ آج بھی ان تمام سامان جنگ سے آراستہ ہونے کے باوجود اگر امریکہ وغیرہ یہودیوں کی پشت پناہی سے ہٹ جائیں اور عرب کے مقابلہ پر صرف یہود رہ جائیں تو دنیا دیکھے گی کہ چند روز میں یہودی مملکت کا وجود باقی نہ رہے گا۔

ایسی صورت میں جبکہ قرآن کریم نے "الا بحبل من الله " و حبل من الناس کا استثنا فرمایا ہے اور واقعات نے بتادیا کہ یہودی مملکت کا قیام وبقا ترقی وفتوحات امریکہ کی رہین منت ہیں تو یہود کی یہ مملکت اور اسکی فتوحات ارشاد قرآنی کے ہر گز منافی نہیں بلکہ اگر بہ نظر دقیق دیکھا جائے تو ارشاد قرآنی میں حبل من الناس کا استثنا بتا رہا ہے کہ آج جو کچھ ہو رہا ہے اس کی خبر قرآن کریم نے چودہ سو برس پہلے ہی دیدی تھی۔ قرآن کریم کا استثنا محض اتفاق نہیں یا محض اظہار اندیشہ کے طور پر نہیں۔ بلکہ آئندہ جو کچھ ہونے والا تھا اسی کی آگاہی ہے کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ دنیا کی یہ ذلیل ترین قوم کسی کی گود میں بیٹھ کر اپنی خواری وذلت مٹانے کی کوشش کرے گی۔ اور اس میں ایک گونہ کامیابی ہوگی اور آج یہی ہوا۔

یہ تو اس تقدیر پر کلام تھا کہ یہودیوں کی اس مملکت اور تغلب کو عزت مان لیا جائے اور اگر حقیقت امر پر نظر کی جائے تو آج بھی ذلت مسکنت کی خدائی چھاپ ان کی پیشانیوں سے دور نہیں ہوئی صاحب تخت وتاج ہونے ہی سے عزت نہیں ملتی۔ عزت یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں وقار ہو، لوگ ذکر خیر کریں، مدح وثنا کریں ان کا کوئی وزن دنیا کی نظروں میں ہو۔ وہ کسی کے دست نگر دریوزہ گر نہ رہیں۔ اس معنی کر کے یہودی جتنے ذلیل آج ہیں شاید اس سے پہلے کبھی نہ تھے۔ دنیا کی اکثریت انھیں چور، غاصب، جارح، ظالم، شقی، بے رحم، دغاباز، کمینہ کہہ رہی ہے۔ جس طرح نہتے شہریوں کی دولت لوٹنے والا انھیں قتل کرنے والا، ان کے گھروں کو پھونکنے والا ڈاکو کسی کی نظر میں عزیز نہیں ہوتا۔ اسی طرح آج کے یہودی بھی کسی اعتبار سے ذی عزت نہیں کہے جاسکتے، محتاجی ومسکنت کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر ہر شعبہ میں

امریکی بھیک کے محتاج ہیں۔ آج اگر امریکہ اپنی بھیک روک لے تو ان یہودی گداگروں کو دنیا میں کوئی بھیک دینے والا بھی نہ ملے گا۔

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن کریم میں اس کی تصریح ہے کہ یہود کی یہ ذلت و مسکنت خود ان کی اپنی قوتوں سے ختم نہ ہوگی ہاں اگر یہ اللہ کی رسی پکڑیں تو دور ہو سکتی ہے اور اگر یہ سعادت ان کی قسمت میں نہیں تو اگر کسی غیر کی پناہ میں آجائیں تو ان کے حصار میں دربدر کی ٹھوکروں سے بچ سکتے ہیں۔ یہی حال یہود کا ہے، کہ ڈیڑھ ہزار سال کے بعد امریکہ کی پشت پناہی میں ان کو یہ قوت حاصل ہوئی ہے کہ عرب پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں۔ لیکن رسوائی، محتاجی، دریوزہ گری، بھک منگی، گداگری، اب بھی چمٹی ہوئی ہے۔ (از مقالات امجدی -- طبع دوم)

کنکری مارنے کے اوقات میں تبدیلی

روز نامہ "انقلاب" بمبئے کی ۱۴ر یا ۱۵ر اپریل ۱۹۹۸ء کی اشاعت میں ایک مضمون نظر سے گزرا جس کا عنوان ہے۔ رمی جمرات کے اوقات میں تبدیلی لانے پر غور"۔..............

جس کے اندر مکتوب تھا کہ جمرات پر کنکری مارنے پر حوادثات ہر سال ہوتے رہتے ہیں، اس لئے سعودی مفتی صاحبان اس پر غور کر رہے ہیں کہ اسکے اوقات میں تبدیلی کرلی جائے۔ ۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کو کنکری مارنے کا وقت بعد ظہر شروع ہوتا ہے اس کو بدل کر نماز فجر کے بعد سے شروع کر دیا جائے نیز سعودی مفتیان کا خیال ہے کہ شیطان کو کنکری مارنے کے رکن پر ظہر سے پہلے عمل شروع کرنا اسلامی روایات کے خلاف نہیں ہوگا توقع ہے کہ آئندہ سال حج سے قبل اس سلسلے میں فتویٰ جاری کر دیا جائے گا۔

نیز اسی میں لندن کے اخبار "الحیات" کے حوالے سے خبر دی ہے کہ اس قسم کے فتوی کی راہ ہموار کرنے کے لئے سعودی علما جو وہابی مکتب فکر کے سخت پابند ہیں آٹھویں صدی کے ابو حنیفہ النعمان کی لچکدار تعلیمات سے استفادہ کرتے ہوئے غیر معمولی اقدام کریں گے۔"

یہ پورا مضمون کئی وجہ سے قابل تنقید ہے ہم اس وقت سر دست اس بات پر روشنی ڈال رہے ہیں کہ کیا شرعا اس کی گنجائش ہے کہ ۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کو کنکری مارنے کا وقت نماز فجر کے بعد مقرر ہو؟ اور کیا حنفی مذہب کے مطابق ایسا کرنا صحیح ہے؟

اول: ۱۱ر ۱۲ر ذی الحجہ کو کنکری مارنے کے وقت کی ابتدا دو پہر ڈھلنے سے ہوتی ہے اس کے پہلے کنکری مارنا کالعدم ہے اس لئے کہ حج کے ارکان قیاسی نہیں کہ ہم اپنی عقل ومنشا کے مطابق اس میں جو چاہیں ردو بدل کریں، حج کے سارے ارکان اور ان کے اوقات من جانب الشرع متعین اور مقرر ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس ﷺ نے جس طرح جس ترتیب اور اوقات کی تعیین کے ساتھ حج فرمایا اسی طرح ہم پر حج کے افعال ادا کرنا لازم ہے اس کے خلاف کرنے سے حج میں نقص لازم آئے گا اس سلسلے میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔

بخاری جلد اول ص ۲۳۵، مسلم جلد اول ص ۴۲۰، ابو داؤد جلد اول ص ۲۷۱ میں ہے:

> عن جابر قال رمی رسول الله ﷺ علیه وسلم الجمرة یوم النحر ضحی واما بعد فاذا زالت الشمس.
>
> ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے یوم نحر (دسویں ذی الحجہ) کو چاشت کے وقت کنکری ماری اور اس کے بعد

جب سورج ڈھل گیا تب ماری۔

نیز ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا:

فمكث بها ليالي ايام التشريق يرمي الجمرة اذا زالت الشمس. (ابو داؤد جلد اول ص ۲۷۱)

ترجمہ: حضور ﷺ نے ایام تشریق میں منیٰ میں کئی رات قیام فرمایا اور جمرہ پر کنکری مارتے جب سورج ڈھل جاتا۔

اسی کے مطابق صحابہ کرام کا عمل یہ تھا کہ ۱۱؍۱۲؍ذی الحجہ کو زوال کے بعد کنکری مارا کرتے تھے۔ ابو داؤد میں اسی صفحہ پر نیز بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول مذکور ہے:

كنا نتحين زوال الشمس فاذازالت الشمس رمينا.

ترجمہ: ہم سورج ڈھلنے کا انتظار کرتے رہتے جب سورج ڈھل جاتا تب ہم کنکری مارتے۔

ان احادیث کی روشنی میں چاروں ائمہ مذاہب حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا متفقہ مذہب یہ ہے کہ ۱۱؍۱۲؍ذی الحجہ کو کنکری مارنے کا وقت دوپہر بعد سے شروع ہوتا ہے اس کے قبل وقت نہیں ہوتا۔ کچھ اسلاف کا یہ مذہب ضرور ہے کہ ان دنوں میں قبل زوال بھی رمی صحیح ہے مگر ان حضرات کا قول مرجوح ہونے کیوجہ سے بالکلیہ متروک ہے۔

عہد رسالت سے آج تک پوری امت کا یہی مذہب ہے اور اسی پر عمل ہے کہ ان دنوں میں رمی جمار کا وقت زوال سے پہلے نہیں ہوتا زوال کے بعد شروع ہوتا ہے کسی عہد میں کبھی کسی نے ان تاریخوں میں زوال سے پہلے رمی نہیں کی۔ حضرت امام نووی شافعی شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

واما ايام التشريق فمذ هبنا ومذهب مالك واحمد

وجماهير العلما انه لايجوز الرمی فی الايام الثلاثة الابعد الزوال لهذا الحديث الصحيح دليلنا انه ﷺ رمیٰ كما ذكرنا وقال ﷺ لتاخذوا مناسككم.

ترجمہ: ہمارا اور امام مالک اور امام احمد اور جمہور علما کا مذہب یہ ہے کہ ایام تشریق (۱۱/ ۱۲/ ۱۳/ ذی الحجہ) میں زوال سے پہلے رمی جائز نہیں اس حدیث صحیح کی وجہ سے، ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ویسے ہی رمی فرمائی جیسے ہم نے ذکر کیا، اور ارشاد فرمایا کہ تم لوگ مجھ سے حج کے ارکان سیکھ لو۔ (ج ۱ صفحہ ۴۲۰)

حتیٰ کہ علامہ ماوردی نے اس پر اجماع کا دعویٰ فرمایا جیسا کہ مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ثالث صفحہ ۲۲۹ پر ہے، اور یہی دیوبندی جماعت کے ممتاز اور معتمد عالم خلیل احمد انبیٹھی نے بذل المجہود میں لکھا:

فاما بعد ذالك الى بعد يوم النحر فبعد زوال الشمس اى فرمى الجمار الثلٰث بعد زوال الشمس وهذهٖ المسئلة مجمع عليها.

ترجمہ: یوم نحر (دسویں تاریخ) کے بعد تینوں جمرات کی رمی سورج ڈھلنے کے بعد ہے، اور اس پر اجماع ہے۔ (بذل المجہود جلد ۳ صفحہ ۱۷۹)

قرن ثانی میں اس مسئلے میں کچھ اختلاف تھا مگر اس کے بعد احادیث صحیحہ کی بنا پر پوری امت کا اس پر اتفاق ہو گیا کہ ۱۱/ ۱۲/ ذی الحجہ کو قبل زوال رمی جائز نہیں اور حضرت علامہ ماوردی کے دعویٰ اجماع کا حاصل یہی ہے۔

رہ گیا احناف کا مذہب وہ بھی صحیح، مختار، مفتی بہ یہی ہے کہ گیارہویں بارہویں کو قبل زوال رمی جائز نہیں ان دنوں میں رمی کا وقت بعد زوال ہے سارے متون میں یہی مذکور ہے۔ قدوری میں ہے:

فاذا زالت الشمس من الیوم الثانی من ایام النحر
رمی الجمار الثلث(الی ان قال) فاذا کان من الغد
رمی الجمار الثلث بعد زوال الشمس.

ترجمہ: یوم نحر کے دوسرے دن جب سورج ڈھل جائے تو تینوں جمار پر کنکری مارے ایسے ہی اس کے دوسرے دن زوال شمس کے بعد کنکری مارے۔ ص۹۹۔

اور یہی فتاویٰ خانیہ، ہدایہ، کنز، تنویر الابصار، نور الایضاح، وغیرہ سارے متون میں ہے۔

ہمارا اصل مذہب وہی ہے جو متون میں مذکور ہے اور یہی ہمارے علمائے احناف کا مختار و مفتی بہ ہے جیسا کہ کتب فقہ سے ظاہر ہے۔ ہاں ایک روایت ضعیف حضرت امام حسن سے تو یہی ہے کہ ۱۲ر تاریخ کو بعد زوال رمی کی جائے لیکن اگر کسی نے قبل زوال کر لیا تو کافی ہے ہدایہ میں ہے فی المشھور من الروایة اس کے تحت عنایہ میں ہے:

احتراز عماروی الحسن عن ابی حنیفة رحمه الله
انه ان کان من قصده ان یتعجل فی النفر الاول
فلاباس بان یرمی فی الیوم الثالث قبل الزوال واما
بعده فھو افضل. (جلد دوم ص۳۹۳.)

ترجمہ: یعنی مشہور کی قید اس سے احتراز ہے جو امام حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی کہ اگر اس کا قصد یہ ہے کہ نفر اول میں جلدی کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ تیسرے دن زوال سے قبل رمی کر لے اور اگر زوال کے بعد رمی کرے تو افضل ہے۔

مگر اس روایت کو ہمارے علمانے دو طرح مرجوح قرار دیا۔ **اول** :جو متون میں ہے وہ ظاہر مذہب ہے اور یہ روایت نوادر میں سے ہے روایت نوادر کے مقابل

ظاہر مذہب کو ترجیح ہوگی۔ ثانی: دلیل کے اعتبار سے بھی یہ مرجوح ہے۔ امام ابن ہمام نے اور صاحب عنایہ وغیرہ نے فرمایا کہ حج کے ارکان کی ادائیگی کے وقت اور جگہ کے سلسلے میں حضور اقدس علیہ السلام کی پیروی لازم ہے جس طرح یہ جائز نہیں کہ حضور اقدس علیہ السلام نے جو رکن جہاں ادا کیا اس جگہ کو تبدیل کیا جائے اسی طرح یہ بھی جائز نہیں کہ وقت میں تبدیلی کی جائے۔

اور جب قبل زوال رمی کی اجازت مرجوح اور ضعیف ہے تو نہ اس پر فتویٰ دینا درست اور نہ اس پر عمل جائز۔ در مختار میں ہے:

فعلينا اتباع مارجحوه وصححوه والفتيا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع.

ترجمہ: ہم پر اسی کا اتباع واجب ہے جس کی علمانے تصحیح کی جس کو ترجیح دی۔ قول مرجوح پر فتویٰ دینا جہالت اور خرق اجماع ہے۔

اس کو آپ یوں سمجھئے جیسے کسی بارے میں حدیث صحیح اور ضعیف متعارض ہوں تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حدیث صحیح کو ترجیح ہوگی اسی طرح اگر کسی امام سے دو روایتیں متعارض ہوں ایک صحیح اور دوسری ضعیف ہو تو صحیح کو ترجیح دینا لازم ہے۔ تعجب ہے علمائے سعودیہ پر کہ وہ ادنیٰ ادنیٰ سی جرح پر احادیث حسنہ کو بھی نا قابل عمل قرار دیتے ہیں اور یہاں صحیح حدیث کے خلاف اور سارے مذہب کے صحیح قول کے خلاف ایک ضعیف مرجوح روایت پر عمل کرنے کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں۔ نیز یہ لوگ اپنے آپ کو حنبلی کہتے ہیں حنبلی مذہب بھی یہی ہے کہ ۱۱/۱۲/ ذی الحجہ کو بعد زوال رمی کی جائے قبل زوال رمی جائز نہیں مذہب حنبلی کی معتبر کتاب المغنی لابن قدامہ جلد ثالث صفحہ ۴۵۲ پر ہے:

ولا يرمى فى ايام التشريق الابعد الزوال فان رمى قبل الزوال اعاد.

ترجمہ: ایام تشریق میں رمی نہ کرے مگر بعد زوال۔ اگر قبل زوال رمی کرے تو لوٹائے۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالی عنہ سے ایسی کوئی روایت نہیں کہ ۱۲ر کو قبل زوال رمی جائز ہے۔ اس سے ثابت کہ حنابلہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ۱۲ر اور ۱۳ر کو قبل زوال رمی درست نہیں، بعد زوال ہی رمی ضروری ہے۔

رہ گئے حوادثات کی وجہ سے ارکان حج کے اوقات میں تبدیلی کسی طرح مسلمان برداشت نہیں کر سکیں گے، یہ حوادث برسہا برس سے ہو رہیں مگر سعودی حکومت نے اس کے سد باب کے لئے نہ کچھ سوچا نہ انتظام کیا مجھے حیرت ہے کہ سعودی حکومت ساڑھے چار سو ریال فی حاجی کس لئے وصول کرتی ہے؟

حوادث کے اسباب میں سب سے بڑا سبب حجاج کی عجلت ہے نیز حکومت کی لاپرواہی۔ یہ حوادث زیادہ تر دس کو ہوتے ہیں یا ۱۲ر کو۔ دس کو حجاج کو یہ جلدی رہتی ہے کہ جلد از جلد احرام کھولدیں حالانکہ وہ اگر صبر کریں اور احرام کھولنے کے لئے بے چین نہ ہوں تو کوئی حادثہ نہ ہو، یہ ضرور ہے کہ ۱۰ر کو زوال سے پہلے پہلے کنکری مارلینا سنت ہے لیکن اس کا وقت غروب آفتاب تک بلا کراہت ہے بلکہ رات میں بھی اگر عذر کی بنا پر کنکری ماریں تو کراہت نہیں۔ اسی طرح ۱۲ر کو اگر وہ مکہ واپس ہوں تو جلدی نہ مچائیں تو کوئی حادثہ نہ ہو، اس سلسلے میں حکومت پر لازم ہے کہ وہ جمرہ پر بہت مستعد اور چاق وچوبند فوجیوں یا شرطیوں کو متعین کریں اور ان کی مقدار بھی معتد بہ ہو جو بھیڑ پر قابو پا سکیں، ایک اندازہ لگالیں کہ بیک وقت ایک جمرے پر کتنے آدمی کنکری مار سکتے ہیں اتنے ہی آدمیوں کو وقفے وقفے پر جمرہ پر جانے دیں تو کوئی حادثہ نہ ہوگا۔ اس طریقے پر مزید غور کر کے مناسب اقدام کیا جائے۔ پھر جب علما نے تصریح فرمادی کہ اگر دن میں کسی عذر کیوجہ سے ۱۲ر کو کنکری نہیں مار سکا تو رات میں بلا کراہت جائز ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ ۱۳ر کو منیٰ میں پھر رہنا پڑے گا تو اس میں کیا حرج ہے ایک دن مزید

رک جائیں ۱۳ر کو بعد زوال کنکری مار کر مکہ واپس آئیں یہ عمل بلاشبہ سنت و شریعت کے مطابق ہوگا لیکن اگر بالفرض سعودی مفتیوں نے رمی کے وقت میں تبدیلی کی تو یہ دین میں ان کی بے جا مداخلت ہوگی جسے مسلمان کبھی نہیں برداشت کر سکیں گے۔ دسویں کو تو صبح ہی سے کنکری ماری جاتی ہے اس کے باوجود اس دن بھی حادثے ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ خلاف شرع وقت کی تبدیلی مسئلے کا حل نہیں۔ بلکہ انتظام کی درستی یا شریعت کی رخصت کے مطابق تاخیر مسئلے کا حل ہو سکتی ہے۔

مضمون مذکور میں ہے کہ رمی کا وقت بعد ظہر ہے، یہ غلط ہے، رمی کا وقت دوپہر کے بعد فوراً ہی شروع ہو جاتا ہے اگر کسی نے نماز نہیں پڑھی دوپہر ڈھلتے ہی فوراً رمی کرلی تو صحیح ہے، اسی طرح اس میں یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ آٹھویں صدی کے امام ہیں۔ حضرت امام اعظم دوسری صدی کے امام اور تابعی ہیں۔

رویت ہلال اور توقیت

ماہنامہ "تہذیب الاخلاق" علی گڑھ بابت ماہ مئی ۱۹۸۸ء میں اسکے ایڈیٹر صاحب نے مسلمانوں خصوصاً علما پر اپنی سخت برہمی کا اظہار کیا ہے کہ نماز کے اوقات بلکہ خود روزے کے افطار اور سحری میں علم توقیت و ہیئت کا اعتبار کرتے ہیں۔ مگر عید کے سلسلہ میں اعتبار نہیں کرتے۔ جس کے نتیجے میں ایک ہی شہر میں دو دن عید ہوتی ہے۔

رسالہ کے اس حصہ کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ایک صاحب نے یہاں دار الافتا میں بھیجی۔ اور قلم برداشتہ اس کا جواب لکھدیا گیا، ایک دیندار مسلمان کے لئے وہی کافی ہے۔ مزید کچھ لکھنے کی حاجت نہیں تھی مگر اس میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ چاند کی رویت کے لئے ایسا کوئی قاعدہ نہیں معلوم کیا جاسکا ہے جو قطعی ہو، اس کے لئے جو بھی قواعد بنائے گئے ان سب میں تجربے سے تخلف ثابت ہو چکا ہے اس لئے رویت ہلال کے سلسلے میں

علم توقیت کا اعتبار نہیں۔

اس کے بعد بعض حضرات نے بتایا کہ کہ قدیمی قواعد میں جو خامیاں تھیں وہ بار بار تجربہ کر کے دور کر دی گئی ہیں اور اب ان میں ایسی پختگی آگئی ہے کہ۔ان میں تخلف نہیں ہوتا۔ان قواعد کی صحت کا بار بار تجربہ بھی کر لیا گیا ہے جس سے اس میں قطعیت آگئی ہے۔اور حساب کا قطعی ہونا مسلم ہے۔ تو جیسے اوقات طلوع و غروب اور نماز میں علم توقیت پر اعتماد کی وجہ یہی تھی کہ حساب قطعی اور بار بار کے تجربہ نے ان قواعد کو قطعی کر دیا ہے۔رویت ہلال کے ان جدید قواعد پر بھی اعتماد کرنے میں کوئی قباحت نہیں خصوصا جب کہ گرینج وغیرہ کی اعلیٰ رصد گاہوں میں سارا حساب کمپیوٹر کے ذریعہ ہوتا ہے جس میں اس کا بھی احتمال نہیں۔کہ حساب میں کوئی غلطی ہو گئی۔یا بہت مختصر کسروں کو چھوڑنے کی وجہ سے کوئی کمی یا زیادتی ہو گئی ہو۔ تہذیب الاخلاق کے ایڈیٹر صاحب کا بھی مقصد غالبا یہی ہے۔

اس پر گذارش یہ ہے کہ نئی تعلیم و تحقیق کے ماہرین میں جو سب سے بڑا نقص ہے وہ یہ ہے کہ اپنی ہمہ دانی کے نشے میں اپنی عقل سے شرعی احکام میں بھی دخل دینے لگتے ہیں۔ بلکہ مجتہد سے بھی آگے بڑھ کر قرآن واحادیث کے صریح ارشادات کے خلاف فتویٰ دینے کی بھی جسارت کرنے لگتے ہیں، مجتہدین بھی اس کے پابند تھے کہ ہر قضیے کا حکم پہلے قرآن مجید میں تلاش کریں، اس میں نہ ملے تو احادیث میں، ان میں بھی نہ ملے تو اجماع امت دیکھیں، اب اگر اس قضیے میں اجماع امت نہیں یا سرے سے کوئی حکم صحابہ و تابعین سے منقول نہیں تو قیاس سے کام لیں۔ وہ بھی انھیں اصول کی پابندی کے ساتھ جو قرآن واحادیث سے مستنبط ہیں۔

اور ان حضرات کا حال یہ کہ نیوٹن کیپلر اسٹائن کے اصول و فروع کے حافظ ہوتے ہوئے قرآن واحادیث اور اصول اجتہاد سے قطعی نابلد ہوتے ہیں۔اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی رائے عموما نصوص شرعیہ کے معارض ہو جاتی ہے۔جب کہ قرآن و

احادیث مذہب اسلام کے غیر متبدل دستور اساسی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن واحادیث کے معارض بڑے سے بڑے ہمہ دان محقق مدقق کی ذاتی رائے کو مذہبی حکم کی جگہ دینا مذہب اسلام سے انحراف اور نئے مذہب کی بنیاد رکھنے کے مرادف ہے۔

بعینہ یہی قصہ یہاں بھی ہے، کہ رویت ہلال کے سلسلہ میں جو لوگ رصد گاہوں کی تحقیق پر اعتماد کی وکالت کررہے ہیں ان لوگوں کا یہی حال ہیکہ وہ لوگ کپلر اور نیوٹن اسٹائن کی کدوکاوش اور نکتہ آفرینیوں کو اتنا یقینی و قطعی جانتے ہیں کہ اس کے مقابل قرآن واحادیث کے ارشادات کی کوئی حیثیت نہیں۔

اس سلسلے میں ہم دیندار دین پسند مسلمانوں کی توجہ اس پر مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ کہ روزہ، نماز، عیدین، صدقہ فطر، قربانی، حج خالص عبادات ہیں اور جس طرح ان عبادات کے ارکان اور ہیئت کی تعیین میں عقل انسانی کو کوئی دخل نہیں بلکہ یہ اسی وقت صحیح اور معتبر ہوں گے جب انھیں ارکان اور ہیئت کے ساتھ ادا کئے جائیں جو منجانب شارع مقرر ہیں اسی طرح ان عبادات کے اوقات بھی وہی معتبر ہوں گے جو شارع نے بتائے ہیں۔ اپنے جی سے نئے اوقات مقرر کرکے ادا کئے جائیں گے تو وہ صحیح نہ ہوں گے۔ بعینہ اسی طرح ان اوقات کے معلوم کرنے کا اگر شارع نے کوئی خاص طریقہ بیان فرمادیا ہے تو خاص اسی طریقہ سے دریافت کئے ہوئے اوقات ہی حقیقت میں ان کے اوقات ہوں گے۔ اس طریقہ سے ہٹ کر ہم اور آپ اگر کوئی نیا طریقہ ایجاد کریں تو اس طریقہ سے معلوم کئے ہوئے اوقات ان عبادات کے اوقات نہیں ہوسکے، اور ان میں ادائگی حقیقت میں ازروئے شرع ادائگی نہ ہوگی۔

اس کا حاصل یہ نکلا کہ عبادات کے ارکان ہیئات اوقات کی طرح اگر اوقات کے جاننے کا کوئی طریقہ شارع نے مقرر کردیا ہے تو اسی طریقہ سے دریافت کیا ہوا وقت اس عبادت کا وقت ہے، اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے دریافت شدہ وقت اس عبادت کا وقت نہ ہوگا خصوصا ایسے طریقے سے جسے شارع نے مسترد کردیا ہو۔ ہاں اگر

اوقات معلوم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا ہے تو پھر اپنی صواب دید سے دریافت کردہ اوقات میں عبادت کی ادائیگی صحیح ہوگی۔

اتنی بات ذہن نشین کرنے کے بعد اب یہ دیکھنا ہے کہ کسی بھی مہینے کی ابتداء اور انتہا جاننے کا کوئی طریقہ شریعت نے مقرر فرمایا ہے یا نہیں اور نجوم وہیئت کو اس خصوص میں لغو اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے یا نہیں۔ آیئے آگے بڑھیئے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس و الحج۔

(بقرہ۔ آیت ۱۸۹)

ترجمہ: تم سے لوگ چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ فرمادو یہ لوگوں کے (اپنے) کاروبار اور حج کے اوقات جاننے کا ذریعہ ہے۔

سوال اصل میں یہ تھا۔ کہ چاند گھٹتا بڑھتا کیوں ہے پہلی شب کو باریک نظر آتا ہے پھر بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ پورا ہو جاتا ہے پھر پتلا ہونا شروع ہوتا ہے یہاں تک کہ غروب ہو جاتا ہے۔ اسکا سبب نہ بتا کر اس کا فائدہ بتایا گیا۔ اس میں بہت خوش اسلوبی سے لوگوں کو چاند کے طلوع وغروب ہلال وبدر میں تبدیلی کی علت اور سبب جاننے کی کوشش سے روکا گیا ہے۔ اور اس روکنے میں یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ اس کا سبب دریافت کرنا عبث اور بے فائدہ ہے۔ اس سے کوئی دینی فائدہ وابستہ نہیں، اس سے اقتضا ثابت ہوا کہ ہیئت ونجوم کے اصول چاند کے سلسلے میں غیر معتبر ہیں۔

اس کے بعد آیئے احادیث کا مطالعہ کریں۔

احادیث:

امام احمد نے اپنی مسند میں امام مالک نے اپنے موطا میں امام بخاری امام مسلم نے اپنی صحیحین میں امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں امام ترمذی نے اپنی جامع میں امام نسائی امام

ابن ماجہ، امام دارمی نے اپنی اپنی سنن میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

الشهر تسعة و عشرون ليلة فلا تصوموا حتى تروه فان غم فاكملوا العدة ثلثين.

ترجمہ: مہینہ اونتیس رات کا ہے۔ جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور اگر ابر ہو تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

بعض روایتوں میں فاکملوا کی جگہ فاقدروا آیا ہے۔ بخاری میں فاقدروا له ہے اور ابوداؤد وغیرہ میں فاقدروا له ثلثين ہے۔ یعنی اس کے لئے تیس کی مقدار پوری کرلو۔ اس کا بھی حاصل وہی ہوا کہ تیس دن پورے کرلو۔

امام احمد نے اپنی مسند میں امام بخاری، امام مسلم نے اپنی صحیحین میں۔ امام ترمذی نے اپنی جامع میں امام ابوداؤد امام نسائی، امام ابن ماجہ، امام دارمی نے اپنی اپنی سنن میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

صوموا لرويته وافطرو لرويته فان غم عليكم فاكملوا عدة شعبان ثلثين

ترجمہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھو۔ چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو۔ اور اگر ابر ہو تو شعبان کی تیس کی گنتی پوری کرو۔

امام بخاری، امام مسلم وغیرہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

لاتصوموا حتىٰ تروالهلال و لا تفطروا حتىٰ تروه فان غم عليكم فاقدروا له.

ترجمہ: جب تک چاند دیکھ نہ لو روزے نہ رکھو اور جب تک چاند دیکھ نہ لو روزے نہ چھوڑو۔ اور اگر ابر ہو تو مقدار پوری کرو۔

ابوداؤد میں فاقدروا له ثلثين. ہے۔ یعنی تیس دن کی مقدار پوری کرو۔ اس

مضمون کی احادیث متعدد حضرات سے مروی ہیں۔ جیسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابو حذیفہ، حضرت عبد اللہ بن عباس اور عبد الرحمن بن زید بن خطاب، حارث بن حاطب، ربعی بن خراش رضی اللہ تعالی عنہم الفاظ میں کچھ ردو بدل ضرور ہے مگر مفہوم سب کا ایک ہے۔ یہ احادیث اس پر نص ہیں کہ مدار رویت ہلال پر ہے۔ اگر انتیس شعبان کو چاند دکھائی دے تو شعبان ختم اور رمضان شروع۔ اور اگر انتیس کو دکھائی نہ دے تو شعبان باقی اور اس کے بعد والا دن فرض روزے کا دن نہیں۔ اسی طرح رمضان میں بھی ہے، کہ اگر انتیس رمضان کو چاند نظر آیا تو رمضان ختم اور دوسرا دن شوال کا ہے۔ اور اگر انتیس کو چاند نظر نہ آیا تو اس کے بعد والا دن رمضان ہی ہے۔ اس دن روزہ چھوڑنا فرض کا چھوڑنا اور گناہ اور نماز عید پڑھنی درست نہیں کیوں کہ ابھی اس کا وقت ہی نہیں ہوا ہے۔ جب شارع علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرض روزے کے ایام جاننے کا طریقہ صرف رویت ہلال رکھا ہے تو دوسرے طریقے شرعا لغو اور غیر معتبر۔ اس لئے کسی بھی طریقہ سے اگر یہ معلوم بھی ہو جائے کہ چاند افق سے اتنی بلندی پر ہے کہ اگر مطلع صاف ہوتا تو ضرور دکھائی دیتا مگر دکھائی نہیں دیا تو یہ ناکافی بلکہ غیر معتبر اور لغو ہے۔ اتنے ہی سے بات مکمل تھی کہ بنیاد رویت ہے۔ اگر رویت نہ ہوئی تو ایک مہینے کے ختم ہونے اور دوسرے کے شروع ہونے کا حکم شرعا درست نہیں۔

اس بارے میں حساب غیر معتبر ہے

۱۔ اسی سے ثابت ہو گیا کہ اس خصوص میں دوسرے ذرائع شرعا کالعدم ہیں، مگر شارع علیہ الصلاۃ والتسلیم نے فان غم علیکم۔ فرمایا۔ اس ارشاد نے براہ راست دوسرے ذرائع معلومات کے کالعدم ہونے پر مہر فرمادی اس لئے کہ غم کے معنی ڈھانک لینے کے ہیں۔ غم کو غم اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ دل ڈھانک لیتا ہے۔ اور اسی مناسبت سے بادل کو غمامہ کہتے ہیں کہ وہ آسمان کو ڈھانک لیتا ہے۔

اب۔ غم علیکم۔ کا ترجمہ یہ ہوا کہ چاند تم سے ڈھانک اور چھپا لیا جائے، اور چھپائی وہی چیز جاتی ہے جو موجود ہو۔ تو حدیث کا صحیح مفہوم یہ ہوا۔ کہ چاند افق سے اوپر ہو اور وہ کسی چیز سے ڈھنک جائے چھپ جائے۔ مثلا بادل۔ کہرا۔ گرد وغبار وغیرہ کی وجہ سے نظر نہ آئے۔ اور اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو نظر آتا۔ مگر ان چیزوں میں سے کسی کی وجہ سے دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ تو حدیث میں قطعی حکم موجود ہے کہ ایسی صورت میں تیس کی گنتی پوری کرو۔ ان حسابات سے یہی نہ معلوم ہو گا کہ چاند افق سے اتنا اونچا ہو گیا ہے کہ اگر کوئی چیز حائل نہ ہوتی تو ضرور نظر آتا۔ مگر جب نظر نہیں آیا تو شارع علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ مہینہ ختم نہ ہوا باقی ہے۔ ایک دن اور پورا کرو۔

اس سے واضح اور غیر مبہم یہ حدیث ہے:

۲۔ امام احمد نے اپنی مسند میں امام بخاری نے اپنی جامع امام مسلم نے اپنی صحیح میں امام ابوداؤد اور امام نسائی اپنی اپنی سنن میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے راوی کہ حضور ﷺ نے فرمایا:۔

والفظ للمسلم.

انا امة امية لا نكتب ولا نحسب الشهر هكذاوهكذا و عقد الابهام فى الثالثة والشهر هكذا وهكذا يعنى تمام ثلثين.

ترجمہ: ہم امی قوم ہیں۔ حساب وکتاب نہیں کرتے مہینہ اتنا ہے اور اتنا ہے اور اتنا ہے۔ تیسری مرتبہ انگوٹھے کو باندھ لیا۔ اور مہینہ اتنا ہے اور اتنا ہے اور اتنا ہے یعنی پورے تیس دن۔

یعنی حضور اقدس ﷺ نے دونوں ہاتھوں کی دسوں انگلیوں کو پھیلا کر اوپر سے

بالکل صاف تھا مگر اکثر جگہوں پر چاند نظر نہیں آیا۔ یا وہاں چاند دیکھنے کی خبر مشہور ہوئی تو دیکھنے والے اکثر دیوبندی ہی تھے۔ البتہ ہمارے ضلع میں دو ایک دیوبندیوں نے اپنی روحانی قوت سے تہ بہ تہ بادلوں کے پیچھے سے بھی چاند دیکھ لیا۔ جس پر پورے ضلع کے دیوبندیوں نے عید کر لی، بہر حال ہمیں دیوبندی مذہب سے غرض نہیں ہمارا مذہب الگ ان کا مذہب الگ وہ جب چاہیں جیسے چاہیں عید کر لیں ہمارا مقصود اس مضمون سے اہل سنت و جماعت کے افراد کو یہ بتانا ہے کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آخر ہم لوگ شاہی امام دہلی جیسے شہرت یافتہ کا فیصلہ کیوں نہیں مانتے ہمارے گریجویٹ طبقہ اسکولوں، کالجوں یونیورسٹیوں کے ماسٹران، پروفیسران، وکلا، بیرسٹران، ڈاکٹران اس سلسلے میں علما پر سخت تنقیدیں کرتے ہیں کہ موت وزیست آمد و رفت وغیرہ ہر معاملے میں ریڈیو ٹیلی فون کی خبر معتبر ہے پھر چاند کے معاملے میں کیوں معتبر نہیں۔ ان کے لہجے میں اس کا جواب یہ ہے کہ مسٹر گاندھی کو ناتھورام گوڈسے نے قتل کیا اور اس وقت ملک کی سب سے بڑی شخصیت پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم نے ریڈیو اسٹیشن سے اعلان کیا کہ ہمارے باپو کو ناتھورام گوڈسے نے قتل کر دیا لیکن حیرت ہے کہ صرف ان کے اعلان پر گوڈسے کو سزا نہیں دی گئی جب تک کہ وزیر اعظم سے بہت کمتر درجہ کے جج کی کچہری میں قانونی طور پر گواہوں نے آکر چشم دید گواہی نہیں دی آخر بات کیا ہے؟ اس پر نہایت ہی طنز آمیز لہجے میں گریجویٹ حضرات فرماتے ہیں کہ قتل کے کیس اور چاند ہونے نہ ہونے میں کیا علاقہ؟

ہمیں افسوس ہے کہ ایسی بات وہ لوگ کہتے ہیں جو اپنے آپ کو معزز مسلمان سمجھتے ہیں ان کے نزدیک روزہ اور نماز آلو ٹماٹر کے برابر ہے کہ فون پر بھاؤ آ گیا تسلیم کر لیا گیا۔ کاش وہ لوگ مذہب کی روح سمجھتے نماز روزے کی اہمیت جانتے تو نماز روزے کو آلو ٹماٹر کے برابر نہیں جانتے۔

اب آیئے ہم سے سنئے شوال کے چاند کا معاملہ بہت اہم ہے ایک طرف یہ ہے

کہ عید کے دن روزہ رکھنا گناہ ہے مگر یہ ایک گناہ ہے دوسری طرف یہ ہے کہ اگر ۲۹ر کا چاند ثابت نہیں اور کسی نے دوسرے دن روزہ نہیں رکھا اور عید کر لی تو چار گناہ کا مرتکب ہوا:

۱۔ غیر شرعی طریقے کو معتبر مان کر اس پر عمل کیا، یہ ایک گناہ ہوا۔

۲۔ دوسرے دن روزہ فرض تھا اسے چھوڑا یہ دوسرا گناہ ہوا۔

۳۔ اس دن تیس ۳۰ر رمضان تھی اور نماز عید پڑھ لی، جس کا وقت ابھی نہیں ہوا تھا تو یہ نماز عید نہ ہوئی نفل ہوئی اور جس طرح نماز عید پڑھی جاتی ہے اس طرح کوئی نماز نفل مشروع نہیں تو جو چیز حقیقت میں صحیح نہیں اسے عبادت سمجھ کر کیا یہ تیسرا گناہ ہوا۔

۴۔ یکم شوال کو نماز عید واجب تھی اسے پڑھا نہیں یہ چوتھا گناہ ہوا۔

دیوبندی مذہب کے افراد اپنے مذہب کے مطابق چاند کا اعلان کر کے یہ چلاتے چلاتے گلا پھاڑ لیتے ہیں کہ آج عید ہے عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ اہل سنت کو چاہئے کہ ان کے جواب میں یہ بھی اعلان کریں کہ آج تیس رمضان ہے آج روزہ رکھنا فرض ہے آج کے دن روزہ چھوڑنا نماز عید پڑھنا، چار، چار گناہ کا مجموعہ ہے۔

آگے بڑھئے اہل سنت بغور ملاحظہ کریں نماز و روزہ آلو، ٹماٹر کے مثل نہیں یہ دونوں عبادت ہیں اور ان دونوں کے لئے من جانب اللہ وقت مقرر ہے اور اس وقت کے جاننے کا طریقہ بھی شریعت نے چاند کے ثبوت کے لئے جب کہ مطلع صاف ہو یہ ضروری قرار دیا ہے کہ اتنی بڑی جماعت چاند دیکھے جن کی خبر پر یہ یقین حاصل ہو جائے کہ واقعی چاند ہوا ہے اکٹھے اتنے آدمی جھوٹ نہیں بول سکتے دو چار دس آدمیوں کے کہنے سے کہ ہم نے چاند دیکھا ہے ثبوت نہیں ہو گا جیسا کہ امسال بہت سی جگہوں پر ہوا ہے اور اگر مطلع ناصاف ہو تو رمضان کے علاوہ ۱۱ر مہینے کے چاند کے ثبوت کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم دو مرد اور ایک مرد دو عورتیں قاضی کے پاس آکر یہ گواہی دیں

کہ ہم نے اس سال فلاں وقت فلاں دن فلاں مہینے کا چاند دیکھا ہے مثلاً اس سال کے ... یہ کہے میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اپنی آنکھ سے اس سال کے شوال کا چاند بار کل، یا آج مغرب سے قبل یا مغرب کے بعد دیکھا ہے وہ بھی قاضی کے سامنے آکر۔ اس میں دو باتیں بنیادی ہیں۔ اول یہ کہ خاص یہ لفظ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں اور اگر خاص یہ لفظ نہ کہے اور اس کی جگہ کچھ اور کہے میں قسم کھاتا ہوں، میں حلف اٹھاتا ہوں میں حلفیہ بیان دیتا ہوں معتبر نہیں۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ بیان حلفی الگ چیز ہے اور گواہی الگ چیز۔ دوسرے یہ کہ ایسا لفظ ضرور کہے جس سے متعین ہو جائے کہ جس مہینے کے چاند کے بارے میں نزاع ہے اسی کے بارے میں یہ گواہی دے رہا ہے مثلاً اگر کہا کہ میں نے شوال کا چاند دیکھا ہے تو بے کار۔ جب تک تعیین نہ کرے کہ اس سال کے شوال کے متنازع چاند کی گواہی دے رہا ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ جب تک وہ بات معین نہ ہو جس کے بارے میں گواہی دی جا رہی ہے گواہی بے کار ہے گواہی میں قیاس اور غلبہ ظن سے استخراج مفید نہیں" رہ گئی یہ بات کہ اس صورت خاص میں گواہی کی ضرورت ہے ایسا کیوں ہے اس خصوص میں فقہا کرام کے عقلی استدلال سے قطع نظر کرتے ہوئے حدیث پیش کرتا ہوں۔

۲۔ امام ابوداؤد اور امام ابو عبداللہ یزید بن ماجہ قزوینی نے اپنی اپنی سنن میں اور امام ابو جعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار میں یہ حدیث روایت کی:

> واللفظ للطحاوی. ان الهلال خفی علی الناس فی آخر شهر من رمضان فی زمن النبی صلی الله علیه و سلم فاصبحوا صیاما فشهدوا عندالنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بعد زوال الشمس انهم رأوالهلال اللیلة الماضیة فامر رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه و سلم الناس بالفطر وافطروا تلك

الساعة وخرج بهم من الغد صلاة العيد.

(جلد : اول صفحه : ۱۸۸)

ترجمہ: رمضان کے مہینے کے اخیر دن چاند لوگوں سے چھپ گیا دوسرے دن سب لوگوں نے روزہ رکھا اس کے بعد کچھ لوگوں نے زوال کے بعد نبی ﷺ کی خدمت میں گواہی دی کہ ان لوگوں نے گزشتہ رات چاند دیکھا ہے اس پر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ روزہ توڑ دیں، سب لوگوں نے اسی وقت روزہ توڑ دیا دوسرے دن صبح کو عید کی نماز پڑھائی۔

۳۔ ابوداؤد میں ہے "جاء رکب" کچھ سوار آئے جو یہ گواہی دے رہے تھے۔ ابن ماجہ میں: بعد زوال الشمس کے بعد ہے آخر النہار۔

دونوں کا حاصل ایک ہی ہے۔

اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ یہ چاند کی خبر لانے والے صحابہ کرام تھے اور وہ بھی ایک نہیں کم از کم تین مگر حضور اقدس ﷺ نے صرف ان کی خبر پر اکتفا نہیں فرمایا۔ کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ صحابہ کرام جھوٹ بولیں گے وہ بھی حضور اقدس ﷺ کے سامنے جب کہ صحابہ کا عالم یہ تھا کہ عہد رسالت میں کھل کر اپنی عورتوں سے بات چیت نہیں کرتے تھے اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے صرف خبر پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب ان لوگوں نے گواہی دی تو قبول فرمایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ عید کے چاند کی رویت کے ثبوت کے لئے جب مطلع ناصاف ہو بقدر نصاب چاند دیکھنے والوں کی گواہی ضروری ہے اور اسی کے حکم میں دوسرے مہینے بھی ہیں البتہ رمضان کا چاند مستثنے ہے جب مطلع ناصاف ہو تو صرف ایک مسلمان کی خبر کافی ہے جب کہ یہ ظاہر نہ ہو کہ یہ فاسق ہے جیسا کہ دوسری حدیث سے ثابت ہے۔ جب عید کے چاند کے ثبوت کے لئے شہادت شرط ہوئی تو محض خبر کا اعتبار ساقط، خواہ وہ خبر دینے والا کوئی بھی ہو خواہ وہ خبر کسی شخص کی ہو۔

حتی کہ اگر دو چار آدمی کسی شہر سے آکر یہ خبر دیں، بلکہ شہادت بھی دیں کہ فلاں جگہ کے لوگوں نے چاند دیکھا ہے بلکہ تعیین بھی کر دیں۔ کہ فلاں فلاں لوگوں نے چاند دیکھا ہے تو معتبر نہیں۔ ردالمحتار میں حموی سے ہے:

بخلاف ما اذا اخبرا ان اهل بلدة كذا راوه لانه حكاية.

ترجمہ: اگر دو شخصوں نے یہ خبر دی کہ فلاں شہر کے لوگوں نے دیکھا ہے تو معتبر نہیں اس لئے کہ یہ حکایت ہے۔ (شہادت نہیں)۔

در مختار میں ہے:

لا لو شهدوا برؤية غيره لانه حكاية.

ترجمہ: دوسرے لوگوں کے چاند دیکھنے کی بہت سے لوگوں نے گواہی دی تو معتبر نہیں اس لئے کہ یہ حکایت ہے (شہادت نہیں)۔

توجب دو چار ثقہ متدین افراد کی یہ شہادت وہ بھی قاضی کے سامنے حاضر ہو کر معتبر نہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ فلاں فلاں لوگوں نے ۲۹ر کا چاند دیکھا ہے تو ریڈیو ٹیلی فون کی خبر کیا معتبر ہوگی کئی بار ایسا ہوا ہے کہ ریڈیو سے غلط خبر شائع ہوگئی۔ ایک سال ریڈیو سے خبر نشر ہوئی کہ ممبئے میں ۲۹ر کا چاند ہو گیا اور یہاں کل عید ہے۔ لیکن واقع میں اس سال بمبئے میں ۳۰ر کے اعتبار سے عید ہوئی۔ چند سال پہلے کی بات ہے آل انڈیا ریڈیو سے ۲۸ر رمضان گزار کر رات میں یہ خبر نشر ہوئی کہ امام شاہی مسجد نے اعلان کر دیا ہے کہ آج شوال کا چاند ہو گیا ہے کل عید ہے۔ اور ان کے ماننے والوں نے عید کر ڈالی جب کہ اس تاریخ کو چاند کی رویت ممکن نہیں۔ اور عید بالکل ہی غلط، باطل اور حرام ہوئی۔ مگر جہالت اور روزہ گھٹانے کے شوق کا کیا علاج؟

بہر حال یہ تو عارضی باتیں ہیں بنیادی بات وہی ہے جو میں نے پہلے تحریر کی کہ اس بارے میں محض خبر بنص حدیث معتبر نہیں اگرچہ خبر دینے والے ثقہ متدین ہوں یا ریڈیو سے یا ٹیلی فون سے کوئی بہت بھاری بھر کم شخصیت اعلان کرے اور یہی فقہائے

کرام کی تصریحات سے ثابت ہے اس لئے جن لوگوں نے ریڈیو ٹیلی فون کی خبر سے امسال ۱۹ر فروری منگل کے دن روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑدیا اور اسی دن نماز عید پڑھ لی وہ ایک نہیں چار، چار گناہ کے مرتکب ہوئے۔ مطلع ناصاف ہونے یا رویت سے کوئی مانع ہونے کی صورت میں دوسری جگہ کے چاند کے معتبر ہونے کے لئے پانچ طریقے ہیں۔

اول: جن لوگوں نے چاند دیکھا ہے خود قاضی کے سامنے حاضر ہو کر گواہی دیں اور وہ سب کے سب لائق قبول شہادت ہوں اور کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔

دوم: شہادت علی القضا۔ دو شخص قاضی کے اجلاس میں موجود تھے ان کے سامنے بقدر نصاب گواہوں نے آکر گواہی دی کہ ہم نے اپنی آنکھ سے چاند دیکھا ہے اس کے مطابق قاضی نے حکم دے دیا۔ پھر یہ دونوں شخص دوسرے شہر کے قاضی کے پاس آئیں اور قاضی کے اجلاس میں گواہی دیں کہ فلاں شہر کے قاضی کے یہاں ہماری موجودگی میں؛ گواہان بقدر نصاب نے یہ گواہی دی کہ ہم نے اپنی آنکھ سے چاند دیکھا ہے اور قاضی نے ان کی گواہی قبول کر کے اس کے مطابق حکم دے دیا ہے۔

سوم: شہادۃ علی الشہادۃ۔ کسی شہر کے لوگوں نے چاند دیکھا ان دیکھنے والوں میں سے کم از کم مثلاً دو مردوں نے، ”دو مردوں کو اپنی شہادت کا شاہد بنایا“ جس کی صورت یہ ہوگی کہ ان دو مردوں کے سامنے چاند دیکھنے والوں میں سے ہر ایک یوں کہے میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے امسال کے شوال کا چاند کل یا فلاں روز دیکھا ہے اور میں تم دونوں کو اپنی اس گواہی پر گواہ بناتا ہوں پھر دوسرے شاہد دوسرے شہر میں آکر قاضی کے اجلاس میں یوں گواہی دیں کہ

میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں بن فلاں اور فلاں بن فلاں بن فلاں ساکن فلاں محلّہ فلاں نے ہمارے سامنے یہ گواہی دی کہ امسال شوال کا چاند میں نے کل یا فلاں تاریخ کو دیکھا ہے میں تم دونوں کو اپنی اس گواہی پر گواہ بناتا ہوں ،اس کے معتبر ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں۔

اول: اصل گواہ اتنی دور ہوں کہ اس شہر میں آکر گواہی دے کر شام تک گھر نہ پہونچ سکیں اور اس میں اعتبار اوسط چال سے پیدل چلنے کا ہے۔ علما نے میلوں سے اس کی کوئی مقدار نہیں معین کی ہے۔ آج کے پر فتن دور میں یہ ضروری ہے کہ اس کی تعیین میلوں سے کر دی جائے میرا اپنا استنباط یہ ہے کہ فاصلہ ۱۵ر کلو میٹر ۳۳۳ ۱/۳ میٹر ہونا چاہئے یہ استنباط اس پر مبنی ہے کہ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جد الممتار میں دلائل قاطعہ سے ثابت فرمایا ہے کہ مدت مسافت ۵۷ ۵/۸ میل ہے جو موجودہ اعشاریہ میل سے ۹۲ر کلو میٹر ہوتا ہے تو ایک دن کی مسافت ۳۰ر کلو میٹر ۶۶۶ ۲/۳ میٹر ہوئی اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایک آدمی ایک دن میں پیدل اوسط رفتار سے اتنا چل سکتا ہے جس سے نہ تھک کر چور ہو گا نہ اس کی صحت پر اثر پڑے گا اور شریعت میں اس کا اعتبار ہے تو اصل گواہ کو کم از کم اتنی دور رہنا چاہئے کہ آمد و رفت مل کر ۳۰ر کلو میٹر ۶۶۶ میٹر سے کچھ زائد ہو۔

ثانی: گواہان فرع بھی یہ ضرور کہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں۔

ثالث: اصل گواہوں کے والد اور ان کے دادا کا بھی نام لیں۔ جائے سکونت و تعیین محلّہ بھی بیان کریں۔ یعنی ان کا نام اس طرح لیں کہ وہ بالکل معین مشخص ہو جائیں جس میں کوئی شک وشبہہ یا التباس نہ رہے۔

چہارم: کتاب القاضی الیٰ القاضی. یعنی قاضی شرع کے سامنے شرعی گواہی

گزری اس نے دوسرے شہر کے قاضی کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی۔ اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پورا لکھا ہو، جس سے کافی امتیاز واقع ہو اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط فلاں شہر کے قاضی کے نام ہے آپ لوگ اسے باحتیاط بعینہ ان تک پہونچادیں اس کے بعد وہ گواہان باحتیاط اس خط کو مکتوب الیہ کے پاس لائیں اور ان الفاظ میں شہادت دیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ خط آپ کے نام فلاں شہر کے قاضی نے ہم کو دیا اور ہم کو گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے تو دوسرے شہر کے قاضی کو اس کی اجازت ہے کہ اس خط کے مطابق فیصلہ کر دے اور بہتر یہ ہے کہ پہلا قاضی خط لکھ کر ان گواہوں کو سنادے اور خط بند کر کے ان کے سامنے سر بمہر کر دے اور اولیٰ یہ کہ اس کا مضمون ایک کھلے ہوئے پرچے پر الگ لکھ کر بھی ان کو دے دے کہ اسے یاد کرتے رہیں اور دوسرے قاضی کے سامنے گواہی دیں کہ اس خط میں یہ مضمون ہے۔

فتاویٰ خیریہ میں ہے کہ یہ ضروری ہے کہ قاضی اول گواہوں کے سامنے خط لکھے۔

پنجم: استفاضہ کسی شہر سے متعدد جماعتیں آئیں اور سب بیک زبان اپنے علم سے خبر دیں کہ وہاں فلاں دن چاند دیکھ کر روزہ شروع ہوا یا عید کی گئی۔ محض بازاری افواہ کہ خبر اڑ گئی اور قائل کا پتہ نہیں پوچھئے تو یہی جواب ملتا ہے کہ سنا ہے یا لوگ کہتے ہیں یا بڑی کوشش کی گئی تو کسی نامعلوم مجہول کا پتہ بتایا گیا محض بازاری افواہ نامعتبر۔ علما نے اس کے لئے جماعات متعددہ کا لفظ ارشاد فرمایا ہے اس لئے دو چار آدمیوں کا کہنا معتبر نہیں۔ باری باری ایک ایک دو دو آدمیوں کا کہنا بھی معتبر نہیں جماعت کم از کم تین افراد سے پوری ہو گی اور متعدد اس وقت ہوں گی جب کہ کم از کم تین جماعتیں ہوں، اس کا حاصل یہ نکلا کہ کم از

کم تین تین آدمیوں کی تین جماعتیں آکر یہ خبر دیں کہ ہم فلاں شہر سے آرہے ہیں وہاں کے لوگوں نے ۲۹؍ کا چاند دیکھ کر فلاں دن سے روزہ رکھنا شروع کیا ہے یا فلاں دن عید کی ہے۔

استفاضہ میں جب یہ شرط ہے کہ اس شہر سے متعدد جماعتیں آکر خبر دیں تو معلوم ہوا کہ ٹیلی فون کی خبریں غیر معتبر، اور اسی طرح ریڈیو کی بھی۔

پھر اس کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ جس شہر سے یہ جماعتیں خبر لائیں وہاں کوئی ایسا قاضی و مفتی مرجع خلائق موجود ہو جس کے حکم سے لوگ روزہ رکھتے ہوں اور عید کرتے ہوں وہ خود پابند شرع خداترس صاحب استقامت ہو جو دنیادار رؤسا کے دباؤ میں نہ آئے ملامت کرنے والوں کی پرواہ نہ کرے۔ اور لوگ روزہ و عید کے عمل میں اس کے احکام کے پابند ہوں۔

مذکورہ بالا طریقوں کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فتاویٰ رضویہ جلد چہارم میں مطبوعہ رسالہ مبارکہ ”طرق اثبات ہلال“ میں بیان فرمایا ہے اور ہر مسئلے کو کتب فقہ کے حوالے سے مدلل فرمایا ہے اگر کسی صاحب کو اس پر اطمینان نہ ہو تو کتب فقہ کے رویت ہلال کا باب اور کتاب الشہادۃ کا مطالعہ کر لیں ہم نے ان مضامین کو بالاختصار اپنے ماہنامے میں اس لئے دیا ہے کہ ہر سال شوال کے مہینے میں پوری دنیا سے اس سلسلے میں بے شمار استفتے آتے ہیں جن کو پڑھنے کے بعد انتہائی افسوس ہوتا ہے۔ ناظرین کی تسکین کے لئے میں صرف ایک مفتی صاحب کی کارکردگی اور قضا کا حال تحریر کر دیتا ہوں۔

امسال ہمارے اطراف ضلع مئو اور اعظم گڑھ کے مطلع پر بہت گہرا بادل تھا دیوبندیوں نے تو ۲۹؍ کے اعتبار سے عید کر لی کیوں کہ ہمارے دیار کے دیوبندیوں نے اپنے مذہب کا جز بنا لیا ہے کہ ہم ۲۹؍ ہی کی عید کریں گے اس لئے سارے دیوبندیوں نے ۲۹؍ کی عید کر لی اور ایک کوردہ ”برآمدپور“ مضافات محمد آباد گوہنہ سے چاند برآمد کر

لیا۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے دفتر میں اطلاع ملی کہ غازی پور میں چاند دیکھا گیا ہے جانشین حافظ ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے دو افراد کو غازی پور مدرسہ چشمہ رحمت میں بھیجا وہاں کے مفتی صاحب نے جو تحریر ان لوگوں کو دی اس کی نقل لفظ بلفظ یہ ہے:

"میں تصدیق کرتا ہوں کہ غازی پور میں کئی افراد نے جو متشرع اور دیندار ہیں عینی شہادت دی ہے کہ ہم لوگوں نے شوال کا چاند دیکھا ہے لہذا ان معتبر حضرات کی گواہی سے یہاں رویت کا اعلان کرادیا گیا ہے میں اپنی یہ تحریر مولانا محبوب صاحب اور ماسٹر فیاض صاحب کو پانچ افراد کے سامنے دے رہا ہوں۔ یہاں میرے گھر پر مہر نہ ہونے کے سبب مہر نہیں لگایا ہے دو بجے رات میں تحریر کر رہا ہوں۔

الفقیر جمیل احمد غفرلہ

خادم دارالافتا مدرسہ چشمہ رحمت غازی پور

۱۸ر جنوری ۱۹۹۹ء مطابق ۲۹ر رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ۔

اب ناظرین اس تحریر کے عجائبات ملاحظہ کریں۔

اول: اس تحریر کو اگر رویت ہلال کے شرعی طریقوں میں سے کسی میں داخل کیا جاسکتا ہے تو وہ کتاب القاضی الی القاضی ہے۔ کتاب القاضی الی القاضی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ قاضی اپنے نام اور پتے کے ساتھ مکتوب الیہ کا نام اور پتہ لکھے اور اس عجوبہ روزگار تحریر میں کسی مکتوب الیہ کا نام نہیں۔

دوم: قاضی صاحب نے یہ ظاہر نہ کیا کہ مطلع صاف تھا یا ناصاف۔ مطلع اگر صاف تھا تو اتنی بڑی جماعت کا دیکھنا ثبوت کے لئے ضروری تھا جن کی خبر پر غلبہ ظن ملحق بیقین حاصل ہو جائے۔ کئی افراد کا صدق دو تین پر بھی ہو سکتا ہے جب

مطلع صاف ہو تو دو تین پانچ دس کی بھی گواہی نامعتبر، میں نے بعد میں پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ غازی پور میں مطلع صاف تھا اس لئے کئی افراد کی گواہی مسترد۔

سوم: گواہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے شوال کا چاند دیکھا ہے۔ کس دن کس تاریخ میں دیکھا ہے غائب۔

چہارم: کس سنہ کے شوال کا دیکھا ہے غائب۔

پنجم: آگے قاضی صاحب لکھتے ہیں۔ یہاں رویت کا اعلان کر دیا گیا۔ کس وقت کی رویت کا اعلان ہے غائب۔

ششم: کس مہینے کی رویت کا اعلان کر دیا گیا غائب۔

ہفتم: اعجب العجائب تحریر لکھنے کا وقت لکھا ہے دو بجے رات۔ تاریخ لکھی ہے ۱۸ر جنوری ۱۹۹۹ء مطابق ۲۹ر رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ۔ ناظرین نوٹ کرلیں انگریزی تاریخ ۱۲ر بجے شب سے بدل جاتی ہے۔ اور ہماری تاریخ سورج ڈوبنے کے بعد بدلتی ہے تو قبلہ مفتی صاحب نے عیسوی اور ہجری جو تاریخیں لکھی ہیں اس کے حساب سے لازم آتا ہے کہ انہوں نے یہ تحریر اتوار کا دن گزار کر دوشنبہ کی رات میں دو بجے رات کو لکھی ہے تو لازم آیا کہ ان کی تحریر کے مطابق ان کے سامنے اتوار کا دن گزر کر شام کو جب کہ ۲۸ر رمضان المبارک تھی مغرب سے پہلے یا مغرب کے بعد غازی پور میں چاند ہوا ہے، لیکن قبلہ مفتی صاحب نے یہ تحریر دوشنبہ ۱۸ر جنوری کا دن گزار کر رات میں ۲ر بجے لکھی ہے جب کہ ۱۹ر جنوری شروع ہو چکی تھی اگر واقعی ان کے یہاں اس وقت سے پہلے گزشتہ شام میں چاند ہونے کی شہادت شرعیہ گزری ہوتی تو یہ رات ۲۹ر رمضان المبارک کی نہیں ہوتی بلکہ یکم شوال کی

ہوتی، اور اگر گزشتہ شام کو چاند نظر نہیں آیا تھا تو اس رات کو ۳۰ر رمضان المبارک ہوتی نہ کہ ۲۹ر رمضان المبارک۔ ہوش وحواس کا یہ عالم اور بیٹھے ہوئے ہیں غازی پور کے منصب افتاوقضا پر۔ اسی کو حدیث میں فرمایا:

واتخذ الناس رؤسا جهالا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا.

ترجمہ: لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے جو بغیر علم کے فتویٰ دیں گے خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

اسی کو حافظ شیرازی نے فرمایا ہے:

طوق زریں ہمہ در گردن خر می بینم

اس قسم کی ایک اور تحریر دار الافتا میں آئی ہے طوالت کے خوف سے اسے چھوڑ دیتا ہوں عوام بھائیوں سے گزارش ہے کہ میں نے ان کو ایک نمونہ دکھا دیا اسی قسم کی تحریروں اور خبروں پر آپ علما کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ روزہ توڑنے اور عید منانے کا اعلان کریں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ معاملہ کیا ہے ۲۹ر روزہ گراں نہیں ہوا اور ایک روزہ چھوڑنے کے شوق میں لوگ خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور علما کو بھی پریشان کرتے ہیں اور بلا ضرورت ٹیلی فون اور پٹرول پھونک کر پیسے برباد کرتے ہیں۔ امسال جامعہ اشرفیہ کے دفتر میں اتنے ٹیلی فون آئے کہ ان کا بل ہزارہا ہزار تک پہونچے گا مغرب بعد سے لے کر صبح ۶ر بجے تک ایک منٹ کے لئے فون بند نہیں ہوا اور یہی حال گھوسی مدرسہ شمس العلوم کے دفتر کا تھا خود میرے نجی ٹیلی فون پر سیکڑوں فون آئے۔ سیدھا سادہ حکم حضور اقدس ﷺ کا ہے:

صوموا لرويته وافطروا لرويته فان غم عليكم فاكملوا عدة ثلثين.

ترجمہ: چاند دیکھ کر روزہ رکھو چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو۔ اگر ۲۹ر کو چاند نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

ہمارے سنی بھائی یہ نوٹ کر لیں۔ دیوبندی مذہب ہم سے الگ دوسرا مذہب ہے ان کے عقائد الگ، ان کے اعمال الگ۔ جیسے رافضیوں اور قادیانیوں کا مذہب ہے۔ ان کے مذہب کی پیروی کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اب دیوبندی مذہب نے طے کر رکھا ہے کہ ۲۹ر ہی کی ہمیشہ عید کیا کریں گے تیس کی کبھی نہیں کریں گے لہذا ان کی نہ سنو، جن کا تم کلمہ پڑھتے ہو ان کی سنو، مانو، اور عمل کرو، ہر مہینے کی طرح شوال کا چاند بھی کبھی ۲۹ر کو نظر آئے گا کبھی تیس کو۔ ۲۹ر کو چاند نظر آجائے یا شرعی ثبوت مل جائے فبہا۔ ورنہ تیس کی گنتی پوری کیا کرو۔

معمولات اہل سنت

بنیادی سوال:

میلاد قیام بعد نماز صلوٰۃ وسلام نیاز فاتحہ سوم دہم چالیسواں برسی عرس وغیرہ کے بارے میں تقریباً ہر جگہ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ یا صحابہ کرام یا تابعین یا ائمہ مجتہدین نے یہ کام کیا۔ اگر نہیں کیا تو یہ کام بدعت ہوا اور حسب فرمان حدیث ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے۔

پہلا جواب: اس کا پہلا الزامی جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یا صحابہ نے یا تابعین نے یا تبع تابعین نے یا ائمہ مجتہدین نے ان چیزوں سے منع کیا اگر منع کیا تو ثبوت لاؤ۔ اور اگر منع نہیں کیا اور صحیح یہی ہے کہ نہیں منع کیا تو بقول آپ لوگوں کے یہ منع کرنا بھی بدعت ہوا جہنم میں لے جانے والا ہوا اس لئے کہ سوال مذکور سے ظاہر ہو گیا کہ جو کام بھی ان حضرات نے نہ کیا ہو وہ بدعت ہے اور منع کرنا بھی یقیناً ایک کام ہے اور ان حضرات نے نہیں کیا تو یہ بھی بدعت ہوا۔

دوسرا جواب: آپ لوگوں کے مدارس میں قاعدہ بغدادی سے لے کر بخاری شریف تک جتنی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ سوائے قرآن مجید کے ان کتابوں کو حضور اقدس ﷺ نے پڑھا یا پڑھایا؟ صحابہ کرام نے پڑھا یا پڑھایا؟ تابعین تبع تابعین، ائمہ مجتہدین میں سے کسی نے پڑھا یا پڑھایا۔ اس کا جواب بھی یقیناً یہی ہے کہ۔ نہیں۔ اس لئے کہ ان میں سب سے قدیم کتاب بخاری شریف ہے، جو تیسری صدی میں لکھی گئی ہے۔ بقیہ کتابیں بعد کی ہیں جب ان حضرات میں کسی نے ان کتابوں میں سے کسی ایک کو نہیں پڑھا، پڑھایا، تو بقول آپ لوگوں کے ان کتابوں کا پڑھنا، پڑھانا بھی بدعت اور جہنم میں لے جانے والا ہوا۔ جہاں سے آپ لوگ ان کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کا استحسان یا جواز ثابت کردیں گے وہیں سے ہم ان تمام معمولات اہل سنت کا بھی جواز ثابت کردیں گے۔

تیسرا جواب: آپ لوگ بھی اپنے ہر جلسے کا افتتاح قرآن مجید کی تلاوت اور نعت سے کرتے ہیں کیا حضور اقدس ﷺ یا صحابہ کرام یا تابعین و تبع تابعین وائمہ مجتہدین بھی اپنی تقریروں، خطبوں سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت اور نعت شریف پڑھتے تھے اس کا جواب بھی۔ سوائے۔ نہیں۔ اور کچھ نہیں۔ پھر اپنے ہی قاعدے سے آپ لوگ بدعت کا ارتکاب کر کے کیا ہوئے؟ اس کا جواب آپ لوگ دیں۔

چوتھا جواب: ایک شخص روزانہ بلا ناغہ بالالتزام بعد نماز فجر بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے فرمائیے۔ یہ شخص بدعتی جہنمی ہے یا نہیں؟ بتائیے کہ کیا حضور اقدس ﷺ یا صحابہ کرام یا تابعین و تبع تابعین یا ائمہ مجتہدین روزانہ بلا ناغہ بالالتزام نماز فجر کے بعد بیٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے۔ اس کا جواب بھی سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ پھر

یہ بھی بقول آپ لوگوں کے بدعت اور جہنم میں لے جانے والا ہوا پھر فرمایئے کیا فتویٰ ہے ان مسلمانوں کے بارے میں جو روزانہ بلاناغہ نماز فجر کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔

پانچواں جواب: ایک شخص روزانہ بعد نماز عشا بیٹھ کر سوبار درود شریف پڑھتا ہے فتویٰ دیجئے اس شخص کا یہ فعل عبادت وباعث ثواب ہے یا نہیں؟ اگر ثواب ہے تو فرمایئے کیا حضور اقدس ﷺ نے روزانہ بلاناغہ نماز عشا کے بعد بیٹھ کر درود شریف پڑھا یا صحابہ کرام نے پڑھا؟ یا تابعین، وتبع تابعین، یا ائمہ مجتہدین نے پڑھا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو ثبوت دیجئے اور نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر یہ حرام وبدعت، کیوں نہیں۔

سردست یہ پانچ سوالات ہیں یہ بظاہر تو سوالات ہیں مگر حقیقت میں ایسے قطعی ومسکت جوابات ہیں کہ کوئی کتنا ہی بڑا سے بڑا ہو ان کے جوابات کے بعد اہل سنت کے معمولات کو بدعت وحرام ثابت نہیں کر سکتا۔ جہاں سے جس طریقے سے وہ ان امور کا استحسان وباعث ثواب ہونا ثابت کردے گا۔ وہاں سے اسی طریقے سے ہم اپنے معمولات کا استحسان وجواز ثابت کردیں گے۔

تحقیقی جواب: عوام کو ضرور الجھن ہوگی۔ یہ معاملہ کیا ہے اس لئے حق کے متلاشی کو مطمئن کرنے کے لئے اس بنیاد کی تشریح کرتے ہیں جس پر ان تمام باتوں کا جواز واستحسان قائم ہے۔

احکام شرع کی دوقسمیں ہیں: اصل معاملہ یہ ہے کہ شریعت نے ہمیں جن جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا ہے ان کی دوقسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کی وضع وہیئت، ارکان، کے مابین ترتیب وغیرہ معین فرمادیے ہیں جیسے نماز۔ اس لئے ان امور کی ادائیگی صرف انھیں وضع وہیئت وارکان کے ساتھ لازم وضروری ہے۔ اس میں کوئی بھی تبدیلی ضرور بدعت وحرام وگناہ ہے۔ مثلاً کوئی نماز میں ایک رکوع کے بجائے دو

رکوع اور دو سجدے کے بجائے ایک سجدہ کرے یا سجدہ پہلے کرے اور رکوع بعد میں تو نماز نہ ہوگی۔ پھر ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ فرائض و نوافل۔ فرائض کے لئے اوقات مقرر ہیں۔ ان اوقات سے پہلے ادا کریں گے۔ ادا نہ ہوں گے۔ ان اوقات کے بعد کریں گے قضا ہوں گے نوافل کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں جب تک کہ کسی خاص وقت کے بارے میں ممانعت نہ ہو ادا کرنا صحیح اور موجب اجر ہے کسی وقت بھی کوئی نوافل پڑھے وہ درست ہے اور عبادت ہے اگر چہ اس وقت نفل پڑھنا اسلاف سے منقو ل نہ ہو۔

دوسری قسم وہ مامورات ہیں۔ جن کے لئے نہ کوئی وضع مقرر ہے۔ نہ ہیئت نہ وقت۔ جیسے قرآن مجید کی تلاوت۔ درود و سلام۔ علم دین کی تعلیم و تعلم۔ ان کا حکم یہ ہے۔ کہ جس وقت جس ہیئت و وضع کے ساتھ کیا جائے۔ حکم الٰہی کی تعمیل اور موجب اجر ہوگا جب تک کہ کسی خاص وقت یا ہیئت سے منع نہ کیا گیا ہو۔ اسے اصول فقہ میں مطلق کہتے ہیں اور مطلق کا حکم یہ ہے کہ اس کے جس فرد کو ادا کیا جائے مامور بہ کی ادائیگی ہوگی۔

مثلاً اللہ عزوجل نے فرمایا:

واتل ما اوحی الیك. تمہاری جانب جو وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کرو۔

تلاوت کی کوئی وضع کوئی وقت کوئی ہیئت کوئی طریقہ مقرر نہ فرمایا یعنی یہ نہیں حکم دیا کہ بیٹھ کر تلاوت کرو یا کھڑے ہو کر، بلند آواز سے کرو، یا آہستہ، دن میں کرو یا رات میں، نماز کے پہلے کرو یا بعد۔ تو بندے کو اختیار ہے جس وقت جس طریقے سے بھی تلاوت کرے گا وہ اسی حکم الٰہی کی تعمیل ہوگی اور موجب ثواب ہاں جن مخصوص اوقات و حالات میں ممانعت ہے مثلاً حالت جنابت میں وہ مستثنے رہیں گے اب اگر کوئی بزرگ کسی وقت یا کسی طریقے سے تلاوت کو حرام و گناہ کہیں گے تو ان کو ثابت کرنا ہوگا کہ اس طریقے یا اس وقت تلاوت منع ہے۔ اس لئے اگر کوئی فجر کے بعد مثلاً بیٹھ کر

تلاوت کرتا ہے تو وہ ضرور حکم خداوندی کی تعمیل کر رہا ہے اور ثواب کا مستحق ہے اسی طرح اللہ عزوجل نے مطلقا ارشاد فرمایا ہے:

فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين.

ترجمہ: تو ہر گروہ میں سے ایک جماعت کیوں نہ نکلی کہ دین میں سمجھ حاصل کرتی۔

دین میں تفقہ حاصل کرنے کے لئے نہ کوئی خاص طریقہ معین فرمایا، نہ وقت، نہ جگہ، نہ کتاب۔ اس لئے دین سیکھنے والے سکھانے والے جو طریقہ بھی اپنی صوابدید سے مقرر کرلیں وہ اسی حکم الہی کی تعمیل ہوگی۔ جو کتاب جو نصاب جو وقت معین کرلیں یہ سب اسی میں داخل اور اسی حکم خداوندی کی تعمیل ہوگی یونہی حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

نضر الله امرأ سمع منا حديثا فحفظه حتىٰ يبلغه.

ترجمہ: اللہ اس کو ترو تازہ رکھے جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی اور اسے یاد رکھا یہاں تک کہ اسے دوسرے کو پہونچایا۔"

(ابوداؤد--ج:۲ ص:۱۵۹--کتاب العلم، باب فضل نشر العلم)

یہاں بھی حدیث یاد رکھنے اور دوسرے تک پہونچانے کا کوئی طریقہ مخصوص نہیں کیا گیا اس لئے جس طریقہ سے بھی احادیث یاد رکھی جائیں، سنائی جائیں، پڑھائی جائیں سب اس ارشاد نبوی کی تعمیل ہوگی۔ خواہ زبانی سنی اور سنائی جائیں خواہ کتابیں لکھی جائیں پڑھائی جائیں خواہ وہ بخاری ہو یا مسند امام اعظم موطا امام محمد ہو یا موطا امام مالک کوئی کتاب ہو۔ اسی کی فرع صحاح ستہ اور مشکوٰۃ وغیرہ کا درس وتدریس ہے۔ کسی حدیث کی کتاب کے بارے میں یہ سوال کہ کیا حضور اقدس ﷺ یا صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین یا ائمہ مجتہدین نے پڑھا یا پڑھایا جہالت ہے اس لئے کہ جب ہمیں اللہ عزوجل نے فقہ حاصل کرنے اور حضور اقدس ﷺ نے حدیث حاصل کرنے کا حکم مطلقا دیا ہے تو ہم

حدیث کی کوئی بھی کتاب لکھیں پڑھیں پڑھائیں وہ سب ارشاد ربانی اور فرمان نبوی کی تعمیل ہوگی۔ یہ متفق علیہ مسائل ہیں جن میں کسی کلمہ گو فرقے کا اختلاف نہیں۔ اسی طرح اللہ عزوجل نے ہمیں مطلقا حکم دیا ہے:

یا یھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما.

ترجمہ: اے ایمان والو! نبی پر درود بھیجو رخوب خوب سلام پڑھو۔"

یہاں بھی کوئی وقت کوئی طریقہ معین نہیں فرمایا مطلق رکھا اس لیے ہم جس وقت بھی جس طرح بھی درود وسلام پڑھیں وہ اسی فرمان الہی کی پیروی ہوگی اس لئے اگر کوئی شخص بعد نماز عشا بیٹھ کر سو بار درود شریف پڑھتا ہے تو وہ ضرور ثواب کا مستحق ہے اور وہ اسی فرمان الہی کی تعمیل کر رہا ہے اب اگر کوئی یہ سوال کرے کہ کیا خاص نماز عشا کے بعد بیٹھ کر درود حضور اقدس ﷺ نے پڑھا یا صحابہ نے یا تابعین نے یا تبع تابعین یا ائمہ مجتہدین نے پڑھا تو یہ اس کی جہالت ہوگی۔

اسی طرح اگر کوئی مسلمان نماز فجر یا نماز عشا یا پنج گانہ یا جمعہ کے بعد کھڑے ہو کر بلند آواز یا پست آواز سے درود وسلام پڑھتا ہے یا میلاد میں پڑھتا ہے تو یہ سب اسی حکم الہی کی تعمیل ہے اور بلاشبہہ موجب ثواب ہے بالکل اسی طرح جیسے نماز عشا کے بعد بیٹھ کر پڑھنا تھا جیسے وہاں یہ سوال کہ کیا حضور اقدس ﷺ یا صحابہ یا تابعین یا ائمہ مجتہدین نے عشا کے بعد بیٹھ کر درود وسلام پڑھا جہالت ہے اسی طرح نمازوں کے بعد کھڑے ہو کر یا میلاد میں کھڑے ہو کر درود وسلام پڑھنے کے بارے میں مذکورہ بالا سوال جہالت اور لغو ہے۔

متنازعہ امور کا اثبات

جب یہ بات آپ کے ذہن نشین ہو چکی تو اب آیئے بترتیب نیاز فاتحہ کے مروجہ طریقوں کا ثبوت لیجئے۔ اہل سنت کے ساتھ ساتھ معتزلہ اور خوارج کے علاوہ

تمام کلمہ گو فرقے خواہ وہ دیوبندی ہوں خواہ غیر مقلد خواہ مودودی سب اس پر متفق ہیں کہ ایصال ثواب جائز نہ صرف جائز بلکہ مستحسن اور مامور بہ ہے۔ نیز یہ کہ اس کا بھی شریعت نے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں فرمایا ہے اور نہ کوئی خاص وقت معین کیا ہے اسے بھی مطلق رکھا ہے تو جس طرح تمام ان احکام میں جو مطلق ہیں ہمیں یہ اختیار ہے کہ ہم جس طریقے سے کریں جس وقت کریں مامور بہ کی ادائیگی ہوگی اور جو ثواب اصل مامور بہ پر مرتب ہے اس خاص طریقے پر بھی ضرور مرتب ہے جس کی ایک نہیں تین نظیریں گذر چکیں۔ تلاوت قرآن کریم۔ علم دین کی تعلیم۔ درود وسلام۔ شریعت نے ان کا بھی مطلق حکم دیا تھا اور آج ہم بھی اور ہمارے حریف بھی ان سب کو اپنے اپنے طور پر کسی نہ کسی خاص طریقے سے ادا کرتے ہیں اور اسے باعث اجر وثواب جانتے ہیں۔

اسی طرح ایصال ثواب بھی جب مطلق اور اس کا بھی جب کوئی طریقہ خاص مقرر نہیں کوئی وقت معین نہیں تو ہم جس طریقے سے بھی کریں جس وقت بھی کریں وہ مطلق ایصال ثواب کے افراد ہوں گے اور نہ صرف جائز اور مستحسن بلکہ موجب اجر وثواب ہوں گے جب تک کہ کسی خاص طریقے سے یا کسی خاص وقت میں شریعت نے منع نہ کیا ہو۔ مثلاً کہیں یہ رواج ہے کہ میت کی روح پرواز کرنے کے بعد متعلقین کے جب ہوش وحواس درست ہوتے ہیں تو ایصال ثواب کے لئے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دیتے ہیں۔ اس سے کہیں شریعت میں ممانعت نہیں اس لئے یہ مطلق ایصال ثواب کا فرد ہونے کی وجہ سے مستحسن وموجب اجر وثواب ہے کہیں یہ رواج ہے کہ دفن کے دوسرے ہی دن کہیں تیسرے دن میت کے اعزہ واقربا اکٹھے ہو کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ کلمہ شریف پڑھتے ہیں۔ اس سے بھی شریعت نے منع نہیں فرمایا ہے اس لئے یہ بھی مطلق ایصال ثواب کے افراد میں ہونے کی وجہ سے مستحسن وموجب اجر وثواب ہے اسی طرح دسویں دن بیسویں دن چالیس ویں دن یا سال پورا ہونے پر اجتماعی یا انفرادی طور پر لوگ فاتحہ کر لیتے ہیں۔ یہ سب اسی مطلق ایصال ثواب کے

افراد ہیں اور ایصال ثواب کے دیگر طریقوں کی طرح مستحسن اور موجب اجر وثواب ہیں۔

ایک اور سوال: اور اگر کوئی صاحب ان مامورات کے لئے بھی جو مطلق ہیں یہ ضروری قرار دیں کہ اس کا خاص طریقہ ان کی خاص وضع ان کا خاص وقت بھی شارع سے منقول ہونا ضروری ہے اور ان کی ادائیگی صرف اسی خاص وضع، طریقے اور وقت میں جائز ہوگی بقیہ طریقوں اور اوقات میں حرام وبدعت ہے اس لئے چوں کہ تیسرے دن، دسویں دن بیس ویں دن چالیس ویں دن سال پورا ہونے پر فاتحہ کرنا اسلاف سے منقول نہیں اس لئے یہ بھی بدعت اور حرام ہے تو ایسے مجتہد حضرات سے ہمارا یہ سوال ہے کہ اب آپ بتایئے ہم ایصال ثواب کس طرح کریں کس وقت کریں آپ جو بھی طریقہ اور وقت بتائیں آپ کے ایجاد کردہ اصول کی بنا پر ضروری ہوگا کہ اس کا ثبوت دیں کہ اسلاف نے اس طریقے سے اس وقت ایصال ثواب کیا ہے اگر نہ دے سکیں تو پھر خود ہی بتائیں کہ اپنے بتائے ہوئے طریقے اور وقت کے لئے یہ اپنا ہی قاعدہ کیوں ٹوٹ گیا ہے مثلاً آپ نے کہا کہ دفن کے بعد فوراً کریں تو اسلاف سے ثبوت لایئے اگر آپ کہیں قرآن مجید کی تلاوت کے بجائے دس عدد تقویۃ الایمان خرید کر مسجدوں میں رکھ دو تو اسلاف سے اس کا ثبوت لاؤ اور ہم کہے دیتے ہیں کہ قیامت تک اس کا ثبوت نہ لا سکو گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو احکام مطلق ہیں۔ ان پر عمل کرنا ہی آپ کے نزدیک حرام وبدعت ہے۔

میلاد

اسی طرح میلاد کو لے لیجئے اللہ عزوجل نے ہمیں حکم دیا:

واما بنعمة ربك فحدث. اپنے رب کی نعمت کو خوب

بیان کرو۔

اور فرمایا:

قل بفضل الله وبرحمته فبذالك فليفرحوا

(پ ۱۱ آیت ۵۸)

ترجمہ: اللہ عزوجل کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی مناؤ

ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ اللہ عزوجل کی سب سے بڑی نعمت سب سے بڑی رحمت سب سے بڑا فضل حضور اقدس ﷺ ہیں اس لئے ان دونوں آیتوں سے ثابت کہ حضور اقدس ﷺ کا ذکر زیادہ سے زیادہ کرنا اور اس پر خوشی زیادہ سے زیادہ منانا اس حکم خداوندی کی تعمیل ہے اور محفل میلاد پاک بھی اسی کا فرد اس لئے یہ بھی اسی حکم خداوندی کی تعمیل ہوگی۔

قیام

ہمیں اللہ عزوجل نے مطلقا حکم دیا ہے:

یا یھا الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما.

ترجمہ: اے ایمام والو نبی پر درود بھیجو اور خوب خوب سلام پڑھو۔

کسی وقت کسی وضع کسی طریقے کی تخصیص نہیں فرمائی اور بلاشبہہ میلاد کی محفل کے اختتام پر کھڑے ہو کر اجتماعی طور پر جو درود و سلام پڑھتے ہیں وہ بھی اسی حکم مطلق کا ایک فرد ہے اس لئے یہ بھی ضرور موجب اجر وثواب۔

نمازوں کے بعد درود وسلام

اسی طرح نماز پنج گانہ یا نماز جمعہ کے بعد کھڑے ہو کر جو درود و سلام پڑھتے ہیں

وہ بھی اسی حکم مطلق کا فرد ہے اس لئے وہ بھی اسی میں داخل ہے اور موجب اجر وثواب۔

عرس

حضور اقدس ﷺ نے ہمیں حکم دیا:

کنت نهيتكم عن زيارة القبور فزوروها فانها تزهد في الدنيا وتذكر الآخرة.

(ابن ماجہ -- جنائز -- باب ماجاء فی زیارۃ القبور ص: ۱۱۳)

ترجمہ: میں نے تم لوگوں کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ اب قبروں کی زیارت کیا کرو اس لئے کہ یہ دنیا سے بے رغبت بناتی ہے اور آخرت کی جانب راغب کرتی ہے۔

یہ بھی مطلق ہے اس لئے اگر ہم نے سال میں کوئی دن کسی بزرگ کے مزار پاک کی زیارت کے لئے مقرر کر لیا تو یہ بھی اسی مطلق کا فرد اور مستحسن اور باعث اجر ہے۔ عرس اسی کا نام ہے کہ کسی بزرگ کے مزار پاک کی زیارت کے لئے کوئی تاریخ مقرر کر لی گئی ہے اس تاریخ پر مزار اقدس پر حاضر ہوتے ہیں ایصال ثواب کرتے ہیں۔ اوران کے توسل سے دعا کرتے ہیں امام ابو بکر بن شیبہ (۱) نے یہ حدیث روایت کی:

ان النبي صلى الله عليه و سلم كان ياتي قبور الشهداء باحد على راس كل حول.

ترجمہ: نبی ﷺ ہر سال کے شروع میں شہداء احد کے مزارات پر تشریف لے جاتے۔

(ردالمحتار -- ج: اول -- ص: ۶۰۴)

اس سلسلے میں عوام کو ورغلانے کے لئے مخالفین عام طور پر یہ کہا کرتے ہیں کہ

چوں کہ یہ معمولات قرون اولیٰ میں نہیں تھے اس لئے یہ ناجائزو حرام اور بدعت ہیں۔اس کاایک جواب تواوپر گذرچکا کہ بہت سے کام آپ لوگ بھی کرتے ہو مگر وہ قرون اولیٰ میں نہ تھے۔ مثلامدارس کی تعلیم کا پورانظام اور نصاب، ان میں سے کوئی بھی قرون اولیٰ میں نہ تھا۔نہ یہ نظام تھا۔نہ اوقات اور ایام کی یہ تعیین تھی۔نہ امتحان ہوتا تھا نہ پاس فیل تھا۔نہ یہ کتابیں تھیں۔ قاعدہ بغدادی سے لے کر بخاری شریف تک سوائے قرآن مجید کے کسی کتاب کا وجود نہ تھا۔ان میں سب سے قدیم کتاب بخاری شریف ہے جو تیسری صدی میں لکھی گئی ہے۔یہ کانفرنس یہ اجلاس اور اجلاس کے اوقات کی تعیین اوراس کی پابندی کچھ بھی نہ تھی۔ بلکہ جس طرح بخاری شریف وغیرہ لکھی گئیں ہیں اس طرح قرون اولیٰ میں کتابیں بھی نہیں لکھی گئیں تھیں۔کتاب۔باب۔ فصل اوران کے ضمن میں اپنی رائیں مخالفین کارد وغیرہ اس سلسلے میں جو جواب آپ کا ہوگا وہی جواب ہمارا بھی ہوگا۔

اس خصوص میں جناب گنگوہی صاحب نے یہ منطقیانہ وفلسفیانہ نکتہ آفرینی کی ہے کہ احداث فی الدین حرام وبدعت ہے اور احداث للدین جائزو مستحسن (۱) یہ حدیث صحیح کارد ہے حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بهامن بعده من غير ان ينقص من اجور هم شئی و من سن فی الاسلام سنة سيئة كان عليه وزرها ووزر من عمل بها من بعد ه من غير ان ينقص من اوزارهم شئی.

(مسند امام احمد -- جلد خامس -- ص: ۳۵۷ --- مسلم زکواۃ -- ص: ۳۲۷ --- العلم -- ص: ۳۴۱ --- نسائی زکواۃ -- ص: ۳۵۶ --- مشکوۃ -- ص: ۳۳)

ترجمہ: جو شخص "اسلام میں" اچھا طریقہ ایجاد کرے گا اسے اس کا ثواب ملے گا اور جتنے لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے سب کے برابر اسے ثواب ملے گا بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کوئی کمی کی جائے اور جو اسلام میں کوئی برا طریقہ ایجاد کرے گا اس پر اس کا گناہ ہوگا اور جو لوگ اس کے بعد اس پر عمل کریں گے سب کے برابر اس پر گناہ ہوگا بغیر اس کے کہ ان کے گناہ میں کوئی کمی کی جائے۔

اس حدیث سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

ناظرین غور کیجئے۔ حدیث میں فی الاسلام کا لفظ ہے للاسلام کا نہیں اس لئے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ احداث فی الدین بدعت ضلالت و حرام ہے جو برا ہو۔ رہ گیا وہ احداث فی الدین جو حسنہ ہو اچھا ہو وہ اس حدیث کی رو سے موجب ثواب ہے اس لئے گنگوہی صاحب کا یہ کہنا کہ احداث فی الدین حرام و بدعت ہے اس حدیث کا رد ہے۔

بدعت حسنہ اور سیئہ

اسی طرح اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں حسنہ اور سیئہ۔ بدعت حسنہ کے ایجاد کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے اور عمل کرنے والوں کو بھی اور قیامت تک عمل کرنے والوں کے برابر ایجاد کرنے والوں کو۔ اس کے بالمقابل بدعت سئیہ ایجاد کرنے والوں کو ایجاد پر بھی گناہ ہوتا ہے اور عمل پر بھی اور سب عمل کرنیوالوں کے برابر ایجاد کرنے والوں کو۔ حسنہ اور سیئہ کی تقسیم سے انکار کرنا اس حدیث کا رد ہے۔

قرون اولیٰ میں کسی چیز کا نہ ہونا اس کے حرام ہونے کی دلیل نہیں

اسی طرح اس حدیث سے ثابت ہو گیا کہ محض اس بنا پر کہ کوئی عمل قرون اولیٰ میں رائج نہ تھا بعد میں ایجاد ہوا تو اسے حرام کہنا اس حدیث کا رد ہے۔ بلکہ اس حدیث کی رو سے یہ دیکھنا ہو گا کہ وہ عمل اچھا ہے یا برا، اگر اچھا ہے تو موجب ثواب ہے برا ہے تو موجب گناہ۔

حسنہ اور سیئہ کا معیار

اب یہ تحقیق کرنی ہے کہ حسنہ اور سیئہ کا معیار کیا ہے علما نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ بدعت مذمومہ وہ ہے جو قرآن وحدیث، اثر اور اجماع کے خلاف ہو یعنی قرآن مجید میں احادیث میں یا صحابہ سے یا اجماع سے ایک حکم ثابت ہے کوئی اس کے خلاف کچھ کرے یا کہے وہ بدعت مذمومہ ضلالت وحرام ہے مثلاً حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ جمعہ کی اذان خطبہ مسجد کے باہر خطیب کے سامنے ہونی چاہیئے جیسا کہ ابوداؤد شریف میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

كان يوذن بين يدى رسول الله ﷺ اذا جلس على المنبر يوم الجمعة على باب المسجد وابى بكر وعمر. (جلد : اول صفحه : ۱۷۹)

ترجمہ: حضور اقدس ﷺ جمعہ کے دن جب منبر پر تشریف رکھتے تو حضور کے سامنے مسجد کے دروازے پر اذان ہوتی تھی اور حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں بھی ایسا ہی ہوتا تھا۔

اب اس اذان کو مسجد کے اندر خطیب کے سر پر دینا بدعت سیئہ ہے اس لئے کہ

یہ حدیث کے مخالف ہے۔

بدعت حسنہ وہ عمل خیر ہے جو قرآن وحدیث اثر اور اجماع کے مخالف نہ ہو مرقاۃ شرح مشکوٰۃ (جلد: ۴--ص: ۳۶۰) میں ہے:

قال الشافعی رحمه الله ما احدث ما يخالف الكتاب والسنة والاثر والاجماع فهوضلالة. وما احدث من الخير مما لايخالف شيئا من ذلك فليس بمذموم.

ترجمہ : امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا قرآن سنت اثر اور اجماع کے خلاف جو چیز ایجاد کی جائے وہ ضلالت ہے اور ایسی چیز ایجاد کرنا جو ان میں سے کسی کے مخالف نہ ہو وہ مذموم نہیں۔

اس لئے جو بھی قیام، میلاد، نماز کے بعد صلاۃ وسلام، نیاز فاتحہ، عرس وغیرہ کو ناجائز حرام بدعت کہے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے پوچھیں کہ یہ قرآن کی کس آیت کس حدیث کس اثر کس اجماع کے خلاف ہے اور ہم دعوی سے کہتے ہیں کہ قیامت تک کوئی ایک آیت یا حدیث یا اثر اور اجماع نہیں پیش کر سکتا جس کے یہ امور مخالف ہوں اس لئے انھیں حرام کہنا حدیث مذکور کا رد کرنا ہے۔

ایک سوال اور جواب

عام طور پر بے پڑھے لکھے لوگوں کو یہ کہہ کے بہکایا جاتا ہے کہ اگر یہ چیزیں اچھی ہوتیں ان میں ثواب ہوتا تو حضور اقدس ﷺ اور صحابہ تابعین ائمہ مجتہدین نے کیوں نہیں کیا۔ اب ہم پلٹ کر پھر وہی سوال کریں گے کہ بعینہ یہی سوال مدرسوں کے نظام، نصاب، کتابوں پر ہوتا ہے آپ جو جواب دیں گے وہی جواب ہمارا بھی ہوگا۔ مہر بانوں سے کلام اتنے ہی پر پورا ہو گیا۔ مگر ہم ناظرین کے اطمینان کے لئے اس کی بھی

توضیح کیے دیتے ہیں۔

بات اصل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی امت پر بہت ہی رحیم ورؤف تھے حضور کی یہ خواہش ہمیشہ رہتی تھی اور رہی کہ میری امت زیادہ سے زیادہ ایسے کام کرے جو ثواب بلندی درجات کے موجب ہوں چوں کہ کسی اچھے طریقے کا ایجاد کرنے والا لاکھوں لاکھ ثواب کا مستحق ہوتا ہے۔ ایجاد کا ثواب الگ اس پر عمل کا ثواب الگ اور ایجاد کے بعد قیامت تک عمل کرنے والوں کے برابر الگ اس لئے اعمال حسنہ کی ایجاد کا دروازہ کھلا رکھا کہ میرے بعد میری امت ان کو ایجاد کر کے ان بے شمار ثوابوں کی مستحق ہو جائے اور اگر ایجاد کا دروازہ بند فرما دیتے تو امت ان ان گنت ثوابوں سے محروم رہتی اسی لئے ہر قرن میں نئے نئے اعمال حسنہ ہمیشہ سے ایجاد ہوتے آئے مثلا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن مجید کو ایک مصحف میں جمع فرمایا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز تراویح باجماعت کا حکم دیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمعہ کی پہلی اذان کا اضافہ فرمایا۔ تابعین نے احادیث کو کتابوں میں جمع فرمایا۔ ائمہ مجتہدین نے فقہ پر مستقل کتابیں لکھیں۔ محدثین نے عقائد وفقہ کے مسائل کے ابواب قائم کر کے ان کے ضمن میں احادیث جمع کیں۔ صوفیہ کرام نے اصلاح باطن وتزکیہ نفس کے لئے نئے طریقے ایجاد کیے وغیر ذالک اسی کی کڑی میلاد قیام بعد نماز درود وسلام نیاز فاتحہ وغیرہ بھی ہیں۔

تعین اوقات

ان معمولات پر یہ بھی اعتراض ہے کہ چوں کہ ان کو تاریخ معین پر کرتے ہیں۔ اور کوئی بھی مندوب کام جس کے لئے شریعت نے وقت معین نہ کیا ہو تعیین وقت کے ساتھ کرنا ممنوع ہے۔ جو بھی ذی عقل دیانت دار اوپر ذکر کی ہوئی باتوں پر غور کرے گا وہ اس اعتراض پر حیرت کرے گا۔ آپ لوگ اپنے مدارس کے کھلنے بند ہونے

کے لئے تاریخیں مقرر کئے ہوئے ہیں یہ کیا ہیں؟ تعلیم کے اوقات معین ہیں یہ کیا ہیں؟ جلسوں کے لئے کانفرنسوں کے لئے تاریخیں پروگرام کے لئے اوقات مقرر کرتے ہیں یہ کیا ہیں؟ آپ لوگ تو اتنے ہی سے چکرا گئے ہوں گے۔ آیئے ہم سے سنئے:

اس کی اصل یہ حدیث ہے جسے امام بخاری (۱) نے ابووائل سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

كان عبد الله يذكر الناس كل خميس.

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ لوگوں کے سامنے ہر جمعرات کو وعظ کہتے تھے۔

اسی میں (۲) حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالی عنہ سے ہے کہ عورتوں نے خدمت اقدس میں عرض کیا۔ آپ سے اخذ میں مرد ہم پر غالب ہوگئے۔ حضور ہمارے لئے کوئی دن معین فرمادیں:

فوعدهن يوما لقيهن فيه فوعظهن وامرهن.

ترجمہ: ان سے ایک دن وعدہ فرمالیا۔ اس دن عورتوں سے ملاقات فرمائی انھیں نصیحت کی اور انھیں حکم دیا۔

(صحیح بخاری--باب: **هل يجعل للنساء يوما على حدة في العلم**--ص:۲۰)

مسلم (۱) وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے:

رأيت رسول الله ﷺ ياتيه كل سبت.

رسول اللہ ﷺ ہر سنیچر کو قبا آتے تھے۔ (مسلم--باب: فضل مسجد قبا--ص:۴۴۸)

ان احادیث سے ثابت ہو گیا کہ کسی فعل مستحب ومندوب کے لئے دن تاریخ مقرر کرنا اور اس مقررہ تاریخ پر اسے کرنا حضور اقدس ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام کا طریقہ ہے۔ دن تاریخ وقت کی تعیین کی وجہ سے کسی چیز کو حرام کہنا ان احادیث کا رد ہے۔

پابندی

کبھی عاجز آکر کہتے ہیں کہ کسی مستحب مندوب فعل پر پابندی حرام ہے۔ یہ بھی حدیث کا رد ہے حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان احب الاعمال مادام وان قل.

ترجمہ: سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر عامل پابندی کرے اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو۔

(بخاری -- کتاب اللباس -- باب: الجلوس علی الحصیر -- ص: ۸۷۱)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو اعمال پابندی کے ساتھ کیے جائیں وہ بہ نسبت ان کے زیادہ پسندیدہ ہیں جنہیں کچھ دن کیا جائے پھر چھوڑ دیا جائے۔ اس لئے پابندی کی وجہ سے کسی چیز کو حرام کہنا شریعت پر افترا ہے۔ ہاں اگر شریعت نے کسی کام کے لئے کوئی وقت نہیں مقرر فرمایا ہے اور کوئی یہ اعتقاد کرے کہ یہ فلاں ہی وقت میں صحیح ہوگا، دوسرے وقت میں نہیں یا تعیین کو واجب جانے، تو ضرور یہ اعتقاد فاسد ہے۔ مگر بحمدہ تبارک وتعالیٰ اہل سنت کے عوام بھی ان تعیینات کو واجب فرض نہیں جانتے۔ سب یہ جانتے ہیں کہ کسی وقت کیا جائے درست ہے البتہ بعض مصالح اور سہولتوں کے پیش نظر یہ اوقات مقرر کرتے ہیں ان میں شرعا کوئی حرج نہیں۔ جیسا کہ اوپر احادیث سے گزرا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمعرات کا دن وعظ کے لئے مقرر فرمالیا تھا اور حضور اقدس ﷺ شنبہ کو قبا تشریف لے جاتے۔ ہر سال کی ابتدا میں شہدائے احد کے مزارات پر تشریف لے جاتے۔

تصنیفات شارح بخاری
چند اہم کتابوں کا علمی تعارف

۱۔ نزہۃ القاری شرح بخاری:

۲۔ اشرف السیر در سیرت خیر البشر

۳۔ حاشیہ فتاویٰ امجدیہ

۴۔ اسلام اور چاند کا سفر

۵۔ سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ

۶۔ مقالات امجدی

۷۔ تحقیقات

۸۔ اثبات ایصال ثواب

نزہۃ القاری شرح بخاری

اصح الکتب بعد کتاب اللہ کی صحت و عظمت و اہمیت اور خداداد مقبولیت سارے عالم اسلام میں مسلم اور متفق علیہ ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اب تک نہ جانے کتنے اس کے ترجمے ہوئے اور شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ دنیا کا کوئی دار العلوم یا درسگاہ، لائبیریری اس وقت تک نا مکمل ہے جب تک کہ اس میں بخاری شریف کا درس و مطالعہ نہ ہو یا اس میں اس کا وجود متن و شرح و ترجمہ کسی نہ کسی شکل میں نہ ہو۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ مولف بخاری امیر المومنین فی الحدیث ابو عبد اللہ محمد بن اسمعیل بخاری نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کے ارشادات و اقوال، ان کے اخلاق و افعال، ان کے کردار و اعمال، ان کے احوال و کوائف، ان کی عبادات و معاملات، ان کی معیشت و معاشرت، ان کے اوقات و لمحات، طفولیت و شباب و کہولت، اور ان کے حلیہ جمال کے ایک ایک نقش و نگار کے حفظ و ضبط، جمع و ترتیب اور پھر شرق و غرب میں اس کی نشر و اشاعت میں گذارا۔ چمنستان حدیث کی روشوں میں گھوم گھوم کر اس کی عطر بیزیوں سے اپنے نہاں خانہ دل کو بسایا۔ اور اپنی روح کو اس طرح اس سے مشک بار بنایا کہ دفن کے بعد قبر اطہر سے مشک کی خوشبو اٹھنے لگی۔ کف پائے مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے نقوش کی جستجو میں انہیں جو فنائیت و گرویدگی تھی اس کا انہیں صلہ اور انعام یہ ملا کہ ان کے ایک نیک بخت شاگرد نے خواب میں دیکھا کہ میں کہیں جا رہا ہوں۔ اتنے میں اچانک سرکار دو عالم ﷺ تشریف لائے۔ پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا: محمد بن اسمعیل کے پاس۔ آپ نے ارشاد فرمایا: جاؤ! ان سے میرا سلام کہنا۔ اسی طرح اپنے

نصیبہ کا ار جمند ایک دوسرا شخص خواب میں دیکھتا ہے کہ امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کہیں تشریف لے جارہے ہیں۔ آپ کے پیچھے امام بخاری ہیں۔ چلتے ہوئے آپ جس جگہ سے اپنا قدم مبارک اٹھاتے ہیں وہیں امام بخاری بھی اپنا قدم رکھتے ہیں پھر اسے اٹھا کر دوسرے نقش قدم سے اپنے پاؤں کو شرف واعزاز بخشتے ہیں۔

شارح بخاری نے بھی اپنی سطح سے اپنی بساط بھر کوشش کی ہے اور نزہۃ القاری کے ذریعہ دامن سوال پھیلایا ہے کہ اس شرف واعزاز کا کچھ حصہ انہیں بھی مل جائے۔ اپنا سارا ذخیرہ علم، حاصل مطالعہ، اور متاع فکر قربان اور نچھاور کردیا ہے اس راہ میں۔ قاشہائے دل بکھیر دیئے ہیں اس کے صفحات پر۔ امید ہے کہ درجہ قبول سے انہیں سرفرازی حاصل ہوگی۔ جس کے آثار یہ ہیں کہ نزہۃ القاری جہاں اور جس کے ہاتھ پہنچی وہیں اس نے اسے نگاہ اعتبار سے دیکھا، دل سے دعائیں دیں۔ تحسین کے کلمات کہے۔ اور پھر اس کا مطالعہ کرتے ہوئے اس پر محویت کا عالم طاری ہوگیا۔

نو جلدوں میں لکھی گئی نزہۃ القاری اس وقت اردو زبان کی سب سے مقبول اور متداول شرح بخاری ہے۔ دینی مطالعہ کا ذوق رکھنے والے عوام وخواص کے علاوہ علماو طلبہ خصوصیت کے ساتھ اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ صحیح ترجمہ، اس کے مفاہیم ومطالب، ودیگر متعلقات کے ساتھ اختلافات احناف وشوافع کی نشاندہی، دونوں کے دلائل، اور پھر فقہ حنفی کی ترجیح کے اسباب وعلل جاننے کے لئے نزہۃ القاری شرح بخاری سے جامع اور بہتر اردو زبان میں کوئی دوسری کتاب اب تک ہماری نظر سے نہیں گذر سکی ہے۔

نزہۃ القاری کی ترتیب اور اس کے صفحات کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ جلد اول: مقدمہ، امام بخاری، صحیح بخاری، امام اعظم ابو حنیفہ، تصانیف امام اعظم، فقہ کی حقیقت، شبہات اور جوابات۔ صفحہ ۱۶۵ تک۔ باب کیف کان بدوالوحی سے آغاز کتاب صفحہ ۲۲۵ حدیث خروج الماء من بین اصابعہ علیہ الصلوٰۃ والسلام

۵۲۹ تک۔ مجموعی صفحات ۵۵۳۔

۲۔ جلد ثانی: اپنے سفر حج وزیارت ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۵ء کے مختصر حالات صفحہ ۱۸ تک۔ پھر صفحہ ۱۹ تا ۴۷۷ ترجمہ و تشریح احادیث۔ مجموعی صفحات : ۴۸۸۔

۳۔ جلد ثالث	مجموعی صفحات	۵۵۵
۴۔ جلد رابع	مجموعی صفحات	۵۲۰
۵۔ جلد خامس	مجموعی صفحات	۵۲۶
۶۔ جلد سادس	مجموعی صفحات	۶۹۱
۷۔ جلد سابع	مجموعی صفحات	۶۴۸
۸۔ جلد ثامن وتاسع	مجموعی صفحات	۸۰۰

نزہۃ القاری کی خصوصیات کے بارے میں خود شارح بخاری اپنے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس کتاب کو بہت طویل ہونے سے بچانے کے لئے میں نے مکرر احادیث کو صرف ایک بار لیا ہے، وہ بھی جہاں میں نے مناسب جانا وہاں۔ البتہ حدیث کے مختلف الفاظ کو اکٹھا کر دیا ہے۔ ابتدا جب تک مولانا افتخار احمد قادری اور مولانا یسین اختر مصباحی صاحبان کا تعاون رہا تو کوشش یہ کی کہ مختلف روایتوں کے مختلف الفاظ عربی متن کے ساتھ ایک ہی جگہ جمع کر دیا جائے۔ اور قوسین کے درمیان رکھ کر حوالہ دے دیا جائے۔ مگر ان حضرات کے جانے کے بعد میں یہ تو نہ کر سکا۔ البتہ شرح میں تکمیل کا عنوان قائم کر کے مختلف روایتوں کے الفاظ کے ترجمے کو جمع کر دیا ہے۔

ابواب کو بالکل ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ پھر احادیث کو مکرر لانا ضروری ہو جاتا۔ مگر اہم ابواب پر شرح میں کلام پورا پورا مذکور ہے۔ نیز ابواب کے ذکر سے جو فائدہ تھا وہ ایک عنوان، احکام مستخرجہ، قائم کر کے پورا کر دیا گیا ہے۔"

"جو حدیث جن صحابی سے مروی ہے ان کے حالات بالالتزام بیان کئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں بعض تابعین کا بھی ذکر آ گیا ہے۔"

"میں نے ہر حدیث پر نمبر لگا دیا ہے اور حدیث کے اہم مضمون کو سامنے رکھ کر اس کا ایک عنوان بھی قائم کر دیا ہے۔"

"حدیث بخاری شریف میں کہاں کہاں ہے؟ اور صحاح ستہ میں کہاں کہاں؟ اس کے حوالے حاشیہ میں دے دیئے ہیں۔ عینی میں اس کی تفصیل ہے۔ مگر علامہ عینی صرف کتاب کا حوالہ دیتے ہیں۔ یہ معلوم کر کے کہ یہ حدیث کس کتاب میں ہے۔ حدیث کی تلاش میں دشواری کم تو ہو جاتی ہے۔ مگر بہت کچھ باقی رہتی ہے۔ اس لئے میں نے باب کا بھی حوالہ دیا ہے۔"

"شروع میں صرف ابواب لکھ دیتا تھا مگر بعد میں اعزہ کے اصرار پر بخاری کے صفحات کا بھی اضافہ کر دیا ہے۔ لیکن دوسری کتابوں کے حوالے میں اس کا التزام نہیں کر سکا۔ البتہ بعد میں "المعجم المفهرس لالفاظ الحديث" سے حوالے نقل کر دیئے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کو اعداد ملیں گے۔" (مقدمہ نزہۃ القاری جلد اول)

نزہۃ القاری کی یہ پانچ اہم خصوصیات ہیں۔ بقیہ وہ باتیں جو دیگر شروح میں ہوتی ہیں۔ وہ بھی بقدر ضرورت پیش کی گئی ہیں۔ مقدمہ میں البتہ تین باتوں کا بالقصد اضافہ ہے:

۱۔ مسامحات بخاری

۲۔ امام اعظم کی مختصر سوانح

۳۔ فقہ حنفی کا تعارف

جلد اول کے صفحہ ۷ سے صفحہ ۱۶۴ تک پھیلا ہوا مقدمہ بہت وقیع اور اہل علم کے لئے بے حد مفید ہے۔ الگ سے کتابی شکل میں اس کو چھاپ دیا جائے تو اس کی افادیت دو چند ہو جائے گی۔

مقدمہ کی جامعیت کاان ذیلی عنوانات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ حدیث کی اہمیت، عہد رسالت میں کتابت حدیث، عہد صحابہ میں کتابت حدیث، عہد تابعین میں کتابت حدیث، عہد نبوی میں حفظ احادیث، اہل عرب کا حافظہ، عہد صحابہ میں حفظ حدیث، عہد تابعین کا حال۔

اصطلاحات احادیث، احادیث سے استدلال کی کیفیت، ضعاف کی تقویت کے طرق، کتب حدیث کے طبقات، اقسام کتب۔

امام بخاری کے حالات بشمول عہد طفلی، حفظ حدیث کی ابتدا، تحصیل علم، قوت حافظہ، جودت ذہن، بغداد میں امتحان، تعدد طرق پر احاطہ، علل قادحہ میں مہارت، عادات واطوار، عبادت وریاضت، کلمات اساتذہ، کلمات معاصرین، مشائخ اور ان کے طبقات، تلامذہ، نیشاپور کا فتنہ، بخارا کی واپسی، وصال اور مزار پاک، بارگاہ رسالت میں مقبولیت، فقہی مذہب۔

صحیح بخاری کا مقصد تصنیف، بارگاہ رسالت میں اس کی مقبولیت، شرائط، تکرار احادیث، تقطیع، ابواب، تعداد احادیث، صحیح بخاری کی مختلف شرحیں مثلاً فتح الباری، عمدۃ القاری وغیرہ، متعدد تسامحات بخاری، کتب وتصنیفات بخاری۔

امام اعظم ابو حنیفہ کے حالات۔ مشاہیر عصر، امام اعظم کی تابعیت، صحابہ سے سماع حدیث، امام اوزاعی اور امام باقر سے ملاقات و گفتگو۔ مہارت حدیث، بشارت نبوی، تصانیف، مسانید اور ان کی خصوصیتیں۔ جرح و تعدیل میں حذاقت، قلت روایت کا سبب۔

ان تمام عناوین کے تحت مستند معلومات و تحقیقات کا خلاصہ پیش کرنے کے بعد فقہ کی حقیقت، اس کی بنیاد، اس کی ضرورت عمل بالحدیث پر بھی سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ اور اس ضمن میں پیدا ہونے والے چند شبہات کا بھی ازالہ کیا گیا ہے۔

جلد اول کے مقدمہ کا عکس مذکورہ عنوانات کے آئینہ میں آپ اچھی طرح دیکھ

سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں کہ شارح بخاری نے شرح بخاری کے آغاز سے پہلے اپنے قاری کے ذہن میں معلومات کا خزانہ جمع کر دیا ہے۔ تاکہ وہ حدیث کی، فقہ کے مستنبط مسائل کی، متعلقہ اہم شخصیات کی، اور ان سب کے عہد اور ان کی خصوصیات کی، اور ان کے مذہبی و علمی و تاریخی پس منظر کی جلو میں اپنے قافلہ وکاروان مطالعہ کو بانگ رحیل دے سکے اور راستے کی مشکلات وصعوبات کا مقابلہ کرتے ہوئے اور ان کے خطرات سے بچتے ہوئے توفیق وسعادت وکامرانی کے ساتھ اپنی منزل مقصود تک پہونچ سکے۔

صحیح بخاری کی پہلی حدیث حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس کا پہلا جملہ ہے ”انما الاعمال بالنیات“ جس کا ترجمہ کیا گیا ہے ”اعمال نیت ہی پر ہیں“ شارح بخاری نے سب سے پہلے حضرت عمر بن خطاب کے اہم حالات چند سطروں میں بیان کرنے کے بعد لکھا ہے:

> ”ان سے ۵۳۷ حدیثیں مروی ہیں۔ صحابہ میں عمر بن خطاب نام کے اور کوئی صاحب نہیں۔ البتہ راویان حدیث میں اس نام کے چھ حضرات ہیں، صحابہ کرام میں عمر نام کے ۲۳، اور حضرات ہیں۔ اور عمرو نام کے ۲۰۰ سے زائد صحابہ کرام ہیں۔ عمر اور عمرو لکھنے میں یکساں ہی ہے اس لئے امتیاز کے لئے عمرو کے ساتھ واو لکھا جاتا ہے اور عمر بغیر واو کے جو واو کے ساتھ لکھا ہو وہ عمرو ہے عین کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ اور جو عمر بغیر واو کے ہے۔ یہ عین کے ضمہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس پر اہل سنت کا اجماع ہے کہ تمام امت سے افضل صدیق اکبر ہیں، پھر فاروق اعظم، پھر عثمان غنی، پھر علی مرتضی، پھر عشرہ مبشرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

اس حدیث کی روایت اور اس کی حیثیت بتاتے ہوئے شارح بخاری نے افادہ فرمایا ہے کہ یہ حدیث ام الاحادیث ہے۔ اس کے بعد اس حدیث کے سبب ارشاد کا واقعہ اور اس پر جرح وایراد ہے۔ پھر الاعمال کے بارے میں فرماتے ہیں کہ عمل اور فعل دونوں مترادف ہیں۔ مگر عند الاطلاق افعال سے مراد افعال جوارح ہوتے ہیں اور اعمال

عام ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس کے بعد نیت، ارادہ، عزم، قصد اور ان کا فرق بتلایا گیا ہے۔

امام شافعی وغیرہ کے نزدیک وضو میں نیت شرط ہے اور ان کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جتنے بھی اعمال ہیں خواہ مقصودہ ہوں یا غیر مقصودہ سب کی صحت نیت پر موقوف ہے اگر نیت ہے تو صحیح ورنہ فاسد۔ اس لئے وضو بھی بلا نیت صحیح نہیں۔

امام شافعی کا استدلال یہ ہے کہ الاعمال سے مراد عبادات ہیں مطلقا ہر عمل نہیں مثلا مباح یا گناہ مراد نہیں۔ الاعمال پر الف لام استغراق کے لئے ہے اس لئے اس میں تمام عبادات داخل ہیں۔ اگر الف لام جنس کے لئے مانیں تو بھی یہی حاصل ہو گا۔ اس لئے کہ انما حصر کے لئے ہے۔

اس استدلال پر شارح بخاری کے معروضات یہ ہیں۔:

اس استدلال سے ثابت ہوا کہ کوئی عبادت نیت کے بغیر عبادت نہیں۔ اس سے ہمیں انکار نہیں۔ ہم بھی یہ مانتے ہیں کہ بلا نیت کوئی بھی عمل عبادت نہیں۔ حتی کہ وضو و غسل بھی بغیر نیت عبادت نہ ہوں گے۔ مگر کسی عمل کا صحیح ہونا اور بات ہے اور اس کا عبادت ہونا اور بات۔ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شی فی نفسہ صحیح ہو مگر عبادت نہ ہو جیسے نکاح اگر بلا نیت طاعت کیا عبادت نہ ہوا۔ مگر شرعا صحیح ہے۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں۔ اگر کسی نے بغیر نیت وضو کیا تو یہ وضو صحیح ہے اگرچہ عبادت نہ ہو گا اس پر ثواب نہ ملے گا۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ عبادت کی دو قسمیں ہیں۔ مقصودہ جیسے نماز، روزہ، ان سے مقصود حصول ثواب ہے۔ انہیں اگر بغیر نیت ادا کیا جائے تو یہ صحیح نہ ہوں گے اس لئے کہ ان سے مقصود ثواب تھا اور جب ثواب مقصود تو فوات مقصود کی وجہ سے اصل شی مفقود۔

دوسری عبادات غیر مقصودہ جو دوسری عبادتوں کے لئے ذریعہ ہیں جیسے نماز کے لئے چلنا، وضو، غسل وغیرہ۔

ان عبادات غیر مقصودہ کو اگر کوئی بہ نیت طاعت کرے گا تو اسے ثواب ملے گا اور اگر بلا نیت کرے تو ثواب نہ ملے گا۔ مگر یہ ذریعہ و وسیلہ ہونے کے لحاظ سے شرعا صحیح ہوں گی۔ اور ان سے نماز صحیح ہو جائے گی۔ اور شوافع کے استدلال سے ثابت ہوا تو یہ کہ بغیر نیت وضو عبادت نہیں۔ یہ ثابت نہ ہوا کہ اس معنی میں صحیح بھی نہ ہوا کہ نماز کے لئے ذریعہ بن سکے۔ اگر یہ عبادت نہ رہا تو کوئی خرابی نہیں۔ ان کا دوسرا اور اہم مقصد ذریعہ عبادت ہونا باقی رہا۔ جیسے چلنا کہ بے نیت طاعت مسجد کی طرف چلا تو یہ عبادت نہ ہوا مگر ذریعہ نماز تو ہو گیا۔ اسی طرح غسل طہارت ظاہری جس میں وضو بھی داخل ہے۔ بے نیت صحیح اگرچہ عبادت نہیں۔ "احناف کا استدلال" کے عنوان سے شارح بخاری نے اس بحث کو سمیٹتے ہوئے تحریر فرمایا: شوافع کے استدلال سے ثابت ہوا کہ چند باتیں انھیں بھی تسلیم ہیں۔ (۱) اعمال سے مراد عبادات ہیں۔ (۲) نیت سے مراد نیت کا شرعی معنی ارادۂ طاعت ہے۔ (۳) یہاں الاعمال کا مضاف محذوف ہے۔ (۴) اور یہ ضرورۃ محذوف مانا گیا ہے۔

اب احناف کہتے ہیں۔ جو چیز ضرورۃ مقدر مانی جاتی ہے وہ بقدر ضرورت ہو گی۔ ضرورت سے زیادہ ماننے میں مفاسد کا فتح باب ہے۔ نیز اس کے حذف پر قرینہ بھی ہونا ضروری ہے۔ خواہ عقلی، خواہ لفظی، خواہ معنوی،

تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ کسی بھی عبادت کا ثواب بغیر نیت نہیں۔ نیز اس حدیث کا اخیر حصہ۔ جس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہو۔ اس کی ہجرت اللہ اور رسول کی طرف ہے۔ اور جس کی ہجرت عورت یا دنیا کے لئے ہو اس کی ہجرت اسی کی طرف ہے جس کی طرف اس نے ہجرت کی۔ اس پر قرینہ ہے کہ کسی بھی عمل خیر پر ثواب نیت ہی سے ملے گا۔ بغیر نیت کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ ان دو عقلی اور لفظی قرائن کی وجہ سے یہاں ثواب کا محذوف ماننا ضروری ہے۔ اور اتنے سے حذف کی ضرورت پوری ہو گئی۔ اور ثواب حکم اخروی ہے تو حکم دنیوی یعنی صحت مراد لینا ساقط۔ نیز اگر

حکم کو محذوف مانیں اور مراد لیں دنیوی حکم یعنی صحت۔ تو حدیث کا اخیر حصہ اول کے معارض ہوگا۔ کیوں کہ، انما الاعمال بالنیات کا مطلب یہ ہوا کہ بغیر نیت عمل صحیح نہیں۔ یعنی اس کا وجود ہی نہیں۔ اور عامل بری الذمہ نہیں۔ حالانکہ حضور اقدس ﷺ نے بلا نیت طاعت صرف حصول دنیا یا حصول عورت کے لئے ہجرت کرنے والے کی ہجرت کو ہجرت فرمایا۔ اور ان کو ادائے فرض سے بری الذمہ مانا۔ ورنہ لازم آئے گا کہ یہ صحابہ تارک فرض ہو کر فاسق ہوئے۔ کیوں کہ قبل فتح مکہ ہجرت فرض تھی۔ اور صحابہ کل عادل۔ تو ماننا پڑے گا کہ یہ ہجرت صحیح اور ایسے مہاجر بھی ہجرت کے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ اس لئے حدیث کے اول و آخر کو تعارض سے بچانے کے لئے ثواب کو محذوف ماننا لازم۔ اب جب کہ ثابت ہو گیا کہ یہاں محذوف ثواب ہے تو حدیث کا یہ مطلب ہوا کہ اعمال کا ثواب نیت ہی پر ہے۔ بغیر نیت کسی عمل پر ثواب کا استحقاق نہیں۔

بلکہ اب اس کی بھی حاجت نہ رہی کہ اعمال کو عبادات کے ساتھ خاص رکھا جائے۔ مباحات بھی اگر بہ نیت طاعت کئے جائیں تو ان پر بھی ثواب ملے گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب یہ مباحات عبادات ہو جائیں گے۔ مگر یہاں بحث یہ نہیں کہ کیا چیز مآل کے اعتبار سے عبادت ہو سکتی ہے۔ بلکہ گفتگو اس میں ہے کہ جو چیز فی الحال عبادت ہے وہی مراد ہے یا جو فی الحال مباح ہے اور مآل کار عبادت ہو وہ بھی مراد ہے۔

حل لغات، تاریخ، الفاظ و اصطلاحات کے استعمال کا فرق، روایات میں دفع تعارض، مسائل میں تطبیق، مذہب اہل سنت کی حمایت، فقہ حنفی کی ترجیح، جدید شارحین حدیث کا تعاقب اور متنوع تحقیق و توجیہ و تشریح وغیرہ کا ایک جہان لفظ و معنی ہے جو نزہۃ القاری کے دفتر میں سمٹ آیا ہے۔ حدیث کے ایک جملے سے متعلق ایک نمونہ جسے آپ نے سطور بالا میں ملاحظہ فرمایا اسی کو سامنے رکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ

قیاس کن زگلستان او بہارش را

رسول اکرم ﷺ جب تنہائی میں دلجمعی و یکسوئی کے ساتھ اپنے خالق و مالک کی عبادت کرنے کے لئے غار حرا میں جایا کرتے تھے تو ایک روز جبریل امین حکم الٰہی کے مطابق آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اس وقت آپ کی عمر مبارک چالیس سال تھی بروز دو شنبہ ۱۷ رمضان المبارک یہ واقعہ پیش آیا۔ جبریل امین نے جب اقرا کہا تو آپ نے جواب میں فرمایا: ما انا بقاری۔ اب اس کا ایمان افروز، روح پرور اور وجد آفریں معنی اپنے علم و فہم کی پوری توانائی اور حضور قلب کے ساتھ سنئے۔ شارح بخاری فرماتے ہیں:

> " ما انا بقاری کا ترجمہ عام طور پر یہ کیا جاتا ہے کہ میں پڑھا ہوا نہیں۔ لیکن ہمارے مشائخ نے یہ ترجمہ کرایا "میں نہیں پڑھتا" یہ ترجمہ انسب و ارجح ہے۔ اس لئے کہ غار حرا میں حضور اقدس ﷺ مشاہدہ ذات و صفات الٰہی میں اتنے مستغرق تھے کہ وہاں کسی کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا:
>
> لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیه ملك مقرب و لا نبی مرسل
>
> اللہ کے ساتھ میرا ایک وقت ہوتا ہے کہ اس میں ملک مقرب اور نبی مرسل کی بھی گنجائش نہیں ہوتی۔ مشاہدہ ذات و صفات میں استغراق کی وجہ سے قراءت کی استدعا کا جواب یہی بنتا ہے۔ "میں نہیں پڑھتا۔"

نیز یہ ترجمہ محاورۂ عرب کے مطابق بھی ہے کہ یہ ترکیب حال یا استقبال کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جیسا کہ قبل فتح مکہ حضرت ابو سفیان تجدید صلح کے لئے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہونچ کر ان سے درخواست کی کہ آنحضور ﷺ کی خدمت میں سفارش کر دیں تو حضرت صدیق اکبر نے فرمایا: ماانابفاعل (سیرت ابن ہشام) میں نہیں کروں گا۔ خود قرآن مجید میں برادران یوسف کا قول مذکور ہے۔ وماانت بمؤمن لنا۔ آپ ہمارا یقین نہیں کریں گے۔

بار بار سینے سے لگا کر دبانے سے اس استغراق میں کمی ہوئی تو جبریل نے عرض

کیا۔ اقرا باسم ربک۔ اپنے رب کے نام سے پڑھئے۔ جب یہ سنا کہ میں جس عالم میں تھ
اسی کی بات یہ بھی کررہے ہیں۔ جس کے شہود میں مستغرق تھا اسی کا ذکر کرانا چاہتے ہیں
تو بلا تامل پڑھا۔ کسی کے استغراق کو ختم کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اسے جھنجھوڑا جائے
۔ایک بار میں استغراق ختم نہ ہو تو بار بار جھنجھوڑا جائے۔ یہاں جھنجھوڑنا منافی ادب تھا
اس لئے سینے سے لگا کر تین بار قوت بھر دبایا۔ یہاں تک کہ وہ کیفیت خاص فرو ہوئی اور
آپ نے بلا تکلف پڑھا۔

صحیح بخاری کی مکمل شرح بحمدہ تعالیٰ نزہۃ القاری کے نام سے ہند و پاک میں شہرت عام حاصل کر چکی ہے۔ ۱۳۹۶ھ / ۱۹۷۶ء میں شارح بخاری جب بحیثیت مفتی اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے تو صدیق محترم مولانا افتخار احمد قادری اور راقم سطور یسین اختر مصباحی کی درخواست اور تحریک پر شارح بخاری نے اس عظیم خدمت کا بیڑا اٹھایا۔ ہم دونوں نے ابتدا میں ہر طرح شارح بخاری کا تعاون کیا۔ برادر مکرم مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی کے مشورہ پر تشریحی نوٹ کا اضافہ ہوا۔ اپریل ۱۹۸۲ء میں جب میں اور مولانا افتخار احمد قادری اشرفیہ مبارکپور سے ریاض سعودی عرب چلے گئے تو کچھ دن کے لئے کام رک گیا۔ پھر مولانا حافظ عبدالحق رضوی جنہیں شارح بخاری اپنا عصائے پیری کہتے اور سمجھتے ہیں انہوں نے محاذ سنبھالا اور مسلسل اصرار کر کے نزہۃ القاری کے رکے ہوئے کام کو شروع کرایا۔ مختلف مراحل کے مختلف کاموں میں بہت سے لوگوں نے تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ سب کی خدمات قبول فرمائے۔ آمین!

حاشیہ فتاوی امجدیہ

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رضوی قدس سرہ مصنف بہار شریعت، شارح بخاری کے استاذ جلیل، محسن و مربی اور شیخ و مرشد طریقت ہیں ان کے فتاوی کا مجموعہ چار جلدوں میں منظر عام پر آچکا ہے۔ دائرۃ المعارف الامجدیہ قادری منزل قصبہ گھوسی نے ۱۹۷۷ء میں اس کی پہلی جلد اور ۱۹۸۳ء میں دوسری جلد شائع کی ہے۔ مولانا عبد المنان کلیمی مصباحی سابق مدرس مدرسہ شمس العلوم گھوسی و حال صدر مدرس مدرسہ اکرام العلوم مراد آباد کی کوششوں سے یہ دفینہ اور خزانہ صندوق والماری سے نکل کر اصحاب علم کی خدمت میں پیش کیا جاسکا ہے۔

فتاوی کی تبویب تو خود صدر الشریعہ نے فرمادی تھی۔ مولانا کلیمی نے دونوں جلدوں کی ترتیب و تدوین کا فریضہ انجام دیا ہے اور انہیں کی درخواست واصرار پر شارح بخاری نے اس مجموعہ فتاوی کو اپنے حاشیہ سے مزین کیا ہے۔ فتاوی امجدیہ کی پہلی جلد کے صفحات چار سو پچیس اور دوسری جلد کے صفحات تین سو اٹھاسی ہیں۔

شارح بخاری کے حواشی کہیں مجمل ہیں کہیں مفصل۔ اور ہر ایک کی جامعیت و افادیت اپنی اپنی جگہ مسلم ہے۔ شارح بخاری نے استفادہ عام کے علاوہ چودہ ماہ تک صدر الشریعہ کی خدمت میں پابندی کے ساتھ حاضر ہو کر آپ کے لکھے ہوئے بہت سے فتاوی اور خود فتاوی امجدیہ کی دونوں جلدوں کو پڑھ کر سنایا ہے۔ جب ان فتاوی کی طباعت کی تیاری شروع ہوئی تب بھی انہیں پڑھوا کر سنا ہے۔ یعنی شارح بخاری نے فتاوی امجدیہ کی قراءت بھی کی ہے اور سماعت بھی کی ہے۔ اس لئے آپ ان پر تعلیق و

تحشیہ کی اہلیت واستحقاق کے مکمل طور پر حامل ہیں۔

ذیل میں شارح بخاری کے حواشی کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں جن سے آپ کے تفقہ، وسعت مطالعہ اور ژرف نگاہی کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا۔

ایک فقہی مسئلہ یہ ہے کہ گھڑا سے پانی نکالتے وقت اگر انگلی کا ایک پور بھی پانی میں بالقصد یا بلا قصد پڑ جائے تو پانی مستعمل ہو جائے گا۔ اور اس سے وضو ناجائز ہو گا۔ صدر الشریعہ اسی مسئلہ سے متعلق ایک استفتا کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اگر وہ با وضو ہے جب تو انگلی یا ہتھیلی پڑنے میں کوئی حرج نہیں اور بے وضو ہو تو اتنا حصہ ہاتھ کا دھولے جس کو پانی میں ڈالنا ہے۔ اس کی نجاست حکمیہ زائل ہو جائے گی۔ اور پانی میں ڈالنے سے مستعمل نہ ہو گا کہ اب ہاتھ کا پڑنا نہ زوال نجاست کے لئے ہے اور نہ بہ نیت تقرب۔"

(فتاوی امجدیہ جلد اول)

شارح بخاری اس پر حاشیہ لکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"اگر وہ بے وضو ہے اور ہاتھ دھونے کے لئے پانی نہیں، جہاں تک ہو سکے گھڑے کو اوپر سے پکڑے اور اگر اس کی قدرت نہ ہو تو معاف ہے، جیسا کہ جب کسی بڑے برتن میں پانی ہو اسے جھکانا دشوار ہو اور کوئی چھوٹا برتن نہ ہو جس سے پانی نکالے تو ہاتھ ڈال کر پانی لینے کی اجازت ہے اور پانی مستعمل نہ ہو گا۔"

کنویں میں مینڈک کے مر جانے یا مر کر پھول پھٹ جانے سے پانی کا کیا حکم ہو گا؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے صدر الشریعہ تحریر فرماتے ہیں:

"پانی کا مینڈک بلکہ خشکی کا بھی جب کہ بہت بڑا نہ ہو جس میں خون سائل ہوتا ہے اگر کنویں میں مر جائے یا مرا ہوا گر جائے بلکہ پھول پھٹ جائے تو بھی پانی پاک ہے اور اس سے وضو و غسل جائز۔ مگر جب ریزہ ریزہ ہو کر اس کے اجزا پانی میں مل جائیں تو اس کا پانی پینا حرام ہے۔ اور اگر خشکی کا بڑا

مینڈک جس میں خون سائل ہو۔پانی میں مر جائے تو نجس ہو جائے گا۔"

(فتاوی امجدیہ جلد اول)

اس جواب میں اس کی صراحت نہیں ہو سکی کہ اس پانی کا پینا حرام کیوں؟ اس کی نشاندہی کرتے ہوئے شارح بخاری تحریر فرماتے ہیں:

"اس بنا پر نہیں کہ پانی ناپاک ہو گیا بلکہ اس وجہ سے کہ مینڈک کا کھانا پینا حرام ہے، جب مینڈک کے اجزا ریزہ ریزہ ہو کر پانی میں مل گئے ہیں اور پانی پیے گا تو مینڈک کے اجزا بھی پانی کے ساتھ پیٹ میں جائیں گے اور یہ حرام ہے۔

صدر الشریعہ تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارے مذہب میں جمع بین الصلاتین جائز نہیں، اگر ممکن ہو تو مذہب سے خروج نہ کیا جائے۔اور مدینہ طیبہ کے راستہ میں بعض دفعہ مجبور ہونا پڑتا ہے ۔ اس مجبوری کے وقت مذہب غیر پر عمل کر لے اور اگر کہیں ایسی ہی مجبوری لاحق ہو تو وہاں بھی اس پر عمل کر سکتے ہیں۔ریل گاڑی پر جب وقت جاتا دیکھیں تو چلتی گاڑی میں پڑھ لیں پھر ٹھہرنے کے بعد پڑھیں۔"

(فتاوی امجدیہ جلد اول)

ریل پر پڑھی ہوئی نماز کا کیوں اعادہ کیا جائے؟اور ریل پر کون سی نماز درست نہیں۔اس کی تفصیل فرماتے ہوئے شارح بخاری لکھتے ہیں:

"چلتی ریل گاڑی پر فرائض و واجبات اور سنت فجر صحیح نہیں۔ یسے چلتے ہوئے چھکڑے یا چلتی ہوئی کشتی پر، جب کہ کشتی سے اتر کر خشکی پر نماز پڑھنا ممکن ہو۔اس کی علت یہ ہے کہ نماز صحیح ہونے کے لئے قرار علی الارض شرط ہے۔لہذا جن صورتوں میں زمین پر قرار نہ ہو۔ نماز درست نہ ہو گی۔"

چند فقہی عبارتیں پیش کرتے ہوئے آگے تحریر فرماتے ہیں:

"ان ساری عبارتوں کا ماحصل یہ نکلا: کشتی اگر کنارہ پر لگی ہے، اگر زمین پر ٹکی ہے تو نماز فرض درست اور اگر ٹکی نہیں اور کشتی سے اتر کر خشکی پر نماز

پڑھ سکتے ہیں تو نماز فرض درست نہیں۔ علت یہ بیان کی کہ قرار علی الارض نہیں۔"

جانور پر محمل ہے۔ محمل میں نماز پڑھی نماز فرض ادا نہ ہوئی۔ جانور کھڑا ہو یا چل رہا ہو۔ ہاں اگر جانور کھڑا ہو اور محمل زمین پر ٹکی ہو تو درست علت وہی ہے قرار علی الارض گاڑی جانور کھینچ رہا ہے اس کا کچھ حصہ زمین پر کچھ جانور پر ہے نماز نہ ہوئی، اس لئے کہ استقرار علی الارض نہ ہوا۔ حتی کہ جانور کھڑا ہو تو نماز نہ ہوئی۔ اس لئے کہ پوری گاڑی زمین پر ٹکی نہیں۔ کچھ زمین پر ہے کچھ جانور پر۔ گاڑی کا کوئی حصہ جانور پر نہیں اگر گاڑی کھڑی ہے تو نماز درست۔ چل رہی ہے تو نماز درست نہیں۔ سبب وہی قرار و عدم قرار۔ جن صورتوں میں زمین پر قرار ہے نماز صحیح اور جن صورتوں میں زمین پر قرار نہیں نماز درست نہیں۔

علامہ شامی کا ایک تأمل خود انہیں کے ارشاد سے دفع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور ظاہر ہے کہ گاڑی جب چل رہی ہے تو مکان متحد نہیں اس لئے چلتی گاڑی میں فرائض وواجبات اور سنت فجر صحیح نہیں۔"

ہاں اگر وقت جا رہا ہے تو پڑھ لے بعد میں اعادہ کر لے جہاں مجبوری من جہۃ العباد ہوتی ہے وہاں یہی حکم ہے۔ ایک شخص اپاہج ہے۔ قیام رکوع، سجدہ نہیں کر سکتا ہے۔ اشارہ سے نماز پڑھے اگر تندرست ہو جائے تو اعادہ نہیں۔ اور اگر کسی نے ہاتھ پاؤں باندھ دیے تو حکم ہے کہ اشارہ سے نماز پڑھ لے، رہائی کے بعد اعادہ کرے۔

آخر میں تحریر فرماتے ہیں:

"ریل گاڑی میں استقرار علی الارض کا فوت ہونا من جانب العباد ہے اس لئے بدرجہ مجبوری نماز پڑھ لے اور بعد میں اعادہ کرے۔"

صدر الشریعہ تحریر فرماتے ہیں:

"فقہائے کرام نے مسجد میں اذان کہنے کو مکروہ فرمایا ہے۔ لایؤذن فی المسجد و یکرہ ان یؤذن فی المسجد۔" (فتاوی امجدیہ جلد اول)

لایؤذن فی المسجد کے متعدد حوالے حاشیہ میں درج کئے گئے ہیں۔ فتاوی خانیہ مصری جلد ا صفحہ ۷۸، فتاوی خلاصہ قلمی صفحہ ۶۲، خزانۃ المفتین قلمی فصل فی الاذان ۔ ہندیہ مصری جلد ا صفحہ ۵۵ البحر الرائق مصری جلد ا صفحہ ۲۶۸۔ شرح نقایہ علامہ برجندی ۸۴، فتح القدیر مصری جلد ا صفحہ ۱۷۱۔

تعلیق وتحشیہ کے یہ چند نمونے فتاوی امجدیہ جلد اول کے صرف ربع اول سے دیئے گئے ہیں۔

اسلام اور چاند کا سفر

مئی ۱۷۹۱ء میں "اسلام اور چاند کا سفر" کے نام سے شارح بخاری کی ایک معرکۃ الآراء اور تہلکہ خیز کتاب منظر عام پر آئی۔ اور اس کتاب نے علمی حلقوں میں اسی طرح ہل چل مچائی جیسے امریکہ و روس کے خلا پیماؤں نے اپنے خلائی جہاز "اپالو" اور "لونا" کے ذریعہ چاند پر پہنچنے کا دعوی کر کے ساری دنیا میں تہلکہ مچادیا۔

مذہبی علما کا ایک بڑا طبقہ اس خبر کو جھوٹ فریب فراڈ قرار دے کر چاند پر انسان کی رسائی کو ناممکن اور اس خبر کی تصدیق کرنے والے کو گمراہ بتا رہا تھا۔ دوسرا طبقہ چاند پر انسان کی رسائی کو ممکن سمجھ رہا تھا۔ اور ایک تیسرا طبقہ یہ کہہ رہا تھا کہ چاند پر انسان کے پہونچنے کی بشارت قرآن حکیم کے اندر موجود ہے۔

شارح بخاری کا موقف یہ تھا کہ امریکہ و روس کے خلا باز چاند پر پہونچے یا نہیں اور ان کا دعوی صحیح ہے یا غلط۔ اس کی تصدیق و تکذیب الگ مسئلہ ہے اور چاند پر انسان کی رسائی کا ممکن ہونا یہ اس سے مختلف ایک دوسرا موضوع بحث ہے۔ میری نظر میں چاند پر انسان کا پہونچ جانا ممکن ہے۔ شرعاو عقلا اس میں کوئی استحالہ نہیں۔

ایک سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن از دائرۃ البرکات کریم الدین پور قصبہ گھوسی اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ جس میں شارح بخاری نے اپنے وسیع مطالعہ و تحقیق کا دریا بہا دیا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر ہر صاحب فکر کو یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ شارح بخاری کی گہری نظر جس طرح قرآن وحدیث اور ان کی تفسیر و تشریح پر ہے اسی طرح قدیم وجدید فلسفہ اور ہیئت و فلکیات کے بنیادی اصول

و نظریات بھی ان کی گرفت میں ہیں۔

فن ہیئت سے متعلق قدیم وجدید یونانی نظریات پھر بعد کے مسلم دور حکومت اور عباسی عہد خلافت وغیرہ میں علم الافلاک کی تاریخ، حکمائے یونان کے مختلف طبقات، یورپ کے ماہرین فلکیات اور چاند، سورج اور ستاروں سے متعلق ان کی تحقیقات و نظریات صفحہ ۱۵ سے صفحہ ۵۶ تک درج ہیں۔ پھر صفحہ ۵۶ سے صفحہ ۶۴ تک مفسرین کے نظریات اور اس کے بعد صفحہ ۷۲ تک بعض تفاسیر اور ان پر وارد ہونے والے شبہات اور ان کے جوابات درج ہیں۔ صفحہ ۷۳ سے صفحہ ۷۷ تک خلاصہ ابحاث ہے پھر صفحہ ۸۱ سے صفحہ ۱۲۸ تک شارح بخاری کی تحقیق سے اختلاف کا ذکر اور اس پر کچھ نیاز مندانہ معروضات ہیں۔ یہ نیاز مندی اس لئے ہے کہ ان معروضات کا روئے سخن صدر العلما حضرت مولانا سید غلام جیلانی علی گڑھی ثم میرٹھی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف ہے جو شارح بخاری کے جلیل القدر استاد گرامی ہیں۔

چاند آسمان میں ہے یا آسمان کے نیچے اس کے بارے میں مختصر طور پر مندرجہ ذیل نظریات جان لینے کے بعد اس نتیجے تک پہونچنا آسان ہو جائے گا کہ چاند پر کسی انسان کا پہنچنا ممکن ہے یا نہیں۔

بطلیموس وغیرہ قدیم فلاسفہ یونان کہتے ہیں کہ چاند پہلے آسمان میں ہے۔ آسمان ناقابل خرق والتیام ہے۔ اس کے اندر کسی چیز کے داخل ہونے کے لیے کوئی منفذ کوئی سوراخ، کوئی دروازہ نہیں۔ اس لئے چاند پر انسان کا پہونچنا ممکن نہیں۔ گلیلیو وغیرہ جدید فلاسفہ یورپ کہتے ہیں کہ چاند سورج اور سبھی ستارے فضا میں ہیں۔ آسمان کا کوئی وجود ہی نہیں۔ اس لئے چاند پر انسان کا پہونچنا ممکن ہے

جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ چاند سورج اور ستارے آسمان کے نیچے ہیں۔ اس قول جمہور کی بنیاد پر خلائی جہاز یا اس طرح کے دوسرے ذرائع سے چاند پر کسی انسان کا پہونچنا شرعاً ممکن ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے: کل فی فلک یسبحون. ہر ایک،ایک گھیرے میں تیر رہے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں فلک سے کیا مراد ہے اس کے بارے میں تفسیر خازن میں پانچ اقوال نقل کئے گئے ہیں (۱) مدار (۲) مطلق گولائی (۳) آسمان (۴) چکی کی گولائی (۵) موج مکفوف۔ تفسیر نسفی میں ہے:

عن ابن عباس ان المراد بالفلک السماء والجمهور علی ان الفلک موج مکفوف تحت السماء تجری فیه الشمس والقمر والنجوم. (سوره انبیاء)

ترجمہ: ابن عباس سے مروی ہے کہ فلک سے مراد آسمان ہے اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ فلک سے مراد موج مکفوف ہے۔ جو آسمان کے نیچے ہے جس میں سورج، چاند اور ستارے چلتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری اور علامہ عینی عمدۃ القاری میں حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ تفسیر مذکورہ آیت کے ضمن میں نقل کرتے ہیں۔ عن ابن عباس یسبحون ای یدورون حوله. ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے یہ تفسیر مروی ہے کہ سب (چاند سورج ستارے) آسمان کے گرد گھومتے ہیں۔

موج مکفوف سے مراد آسمان اول نہیں۔ تفسیر در منثور میں ہے:

عن حسان بن عطیةقال الشمس والقمر والنجوم مسخرة فی فلک بین السماء والارض. اخرج ابن جریر عن ابن زید رضی الله تعالیٰ عنه فی قوله کل فی فلک یسبحون قال الفلک الذی بین السماء والارض من مجاری النجوم والشمس والقمر.

ترجمہ: حسان ابن عطیہ نے کہا کہ سورج، چاند اور ستارے آسمان اور زمین کے درمیان ایک گھیرے میں مسخر ہیں۔ ابن زید رضی اللہ عنہ نے

ارشاد باری "کل فی فلک یسبحون" کی تفسیر میں فرمایا: اس گھیرے میں جو آسمان وزمین کے درمیان ہے جو ستاروں اور سورج اور چاند کی رہ گذر ہے۔

حضرت سلمان فارسی کا یہ قول فتح الباری شرح بخاری میں منقول ہے:

قال النجوم معلقة بالقناديل من السماء الدنيا كتعليق القناديل فى المساجد

ترجمہ: ستارے اس طرح قندیلوں میں پہلے آسمان سے لٹکے ہوئے ہیں جیسے مسجدوں میں قندیلیں ہوتی ہیں۔

تفسیر کبیر میں حضرت عطاء تابعی مشہور مفسر کا یہ قول مذکور ہے:

و ذالك انها فى قناديل معلقة بين السماء و الارض بسلاسل من النور و تلك السلاسل فى ايدى الملائكة. فاذا مات من فى السماء والارض تساقطت تلك السلاسل من ايدى الملائكة.

ترجمہ: ستارے زمین و آسمان کے درمیان نورانی زنجیروں میں لٹکی ہوئی قندیلوں کے اندر ہیں اور یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ جب زمین و آسمان والے سب مرجائیں گے تو یہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں سے گر پڑیں گی۔

علم فلکیات کی رو سے چاند، سورج اور ستاروں کی تفصیلات، ایک دوسرے سے ان کی دوری، وغیرہ کا بھی اس کتاب میں تحقیق کے ساتھ ذکر ہے۔ وارد ہونے والے بعض اعتراضات واشکالات کا ازالہ بھی کردیا گیا ہے۔ شارح بخاری کی یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک شاہکار فنی و تحقیقی خدمت ہے۔

اشرف السیر

اردو زبان میں سرکار دوعالم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مبسوط و مستند ذخیرہ جمع کرنے اور تحقیقی و مفصل کتاب لکھنے کی نیت سے شارح بخاری نے آج سے تقریباً ۳۵ سال پہلے "اشرف السیر" کے نام سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ اچھا خاصا ابتدائی مواد بھی جمع ہو گیا۔ مگر حالات نے اجازت نہ دی کہ آپ اس عظیم و جلیل خدمت کا سلسلہ جاری رکھ سکیں۔ جلد اول کا صرف نصف حصہ ایک سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل ہے۔ جو قسط اول کے طور پر ۱۹۶۸ء میں شائع ہو سکا۔ لیکن جتنا کچھ شائع ہو سکا ہے وہی اس حقیقت کا غماز ہے کہ اگر اشرف السیر کی تکمیل ہو جائے تو نزہۃ القاری کی طرح اسے بھی قبول عام کا درجہ مل جائے گا۔ عزیز گرامی قدر مولانا عبد الحق رضوی نے خوش خبری سنائی ہے کہ نو جلدوں میں نزہۃ القاری شرح بخاری کا کام چونکہ مکمل ہو چکا ہے اس لئے اب حضرت شارح بخاری "اشرف السیر" کی تکمیل میں کچھ ہی دنوں بعد ہمہ تن مصروف ہونے والے ہیں۔

اشرف السیر کا اسلوب تحریر اور انداز ترتیب نہایت فاضلانہ و مورخانہ ہے اور محققانہ بھی۔ علم راسخ اور عشق رسول کی، سطر سطر میں آمیزش ہے۔

کتاب کی تمہید میں سیرت نگاری کی ابتدا اور اس کی ترقی، قدیم سیرت نگار اور جدید مورخین مستشرقین کے مہمل اعتراضات سے مرعوب جدید مصنفین اور ان کا کردار اور ان سب کی روشنی میں سیرت النبی کے موضوع پر اردو زبان میں ایک جامع اشرف السیر کی ترتیب زیر نظر اشرف السیر کا سبب تالیف ہے۔

شارح بخاری نے تحریر کیا ہے کہ ''محمد بن اسحٰق، محمد بن عمر واقدی، محمد بن سعد، محبّ الدین ابن جریر طبری یہ سیرت کے قدیم مؤرخین ہیں۔ اور سیرت پر ترتیب دی ہوئی ان کی کتابیں سیر و مغازی کی بنیاد ہیں جو سارے عالم اسلام کے اندر معروف و مشہور ہیں۔

مذکورہ حضرات پر کچھ لوگوں نے نقد و جرح کی جو روایتیں نقل کی ہیں ان کا شارح بخاری نے مفصل جواب دے کر انہیں ثقہ، عادل، معتمد قرار دیا ہے۔ اور شکوک و شبہات کے مصنوعی گھروندے کو خود اپنی نقد و جرح کے ذریعہ بکھیر دیا ہے۔ ضعیف اور موضوع کا فرق بتلا کر نقلی و عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ سیر و مغازی میں موضوع کے علاوہ ہر قسم کی روایت مقبول ہے۔ پھر اصطلاح حدیث کی کچھ تفصیلات درج کی ہیں۔ بحث کے آخر میں تحریر فرماتے ہیں۔

۱۔ سیر و مغازی فضائل و مناقب کے وہ ابواب جو قطعی نہیں۔ ان میں علاوہ موضوع کے ہر حدیث و روایت مستند ہے، اسی پر تمام امت اور علمائے سیر و مغازی کا عمل ہے۔

۲۔ عقائد و احکام میں البتہ موضوعات کے ساتھ ضعاف بھی غیر معتمد ہیں۔ اگرچہ وہ سیر و فضائل کا جز ہوں۔

۳۔ جب تک علمائے معتمدین و محتاطین جن پر امت کو اطمینان ہے، یہ تصریح نہ کریں کہ یہ حدیث موضوع یا ضعیف ہے۔ کسی غیر محتاط متغالی کے موضوع کہہ دینے سے حدیث موضوع نہ ہوگی۔

۴۔ کسی حدیث یا روایت پر کسی محدث کا طعن اس کے ساقط الاعتبار ہونے کے لئے کافی نہیں۔ جب تک کہ اس کی مکمل چھان بین نہ ہو جائے۔

۵۔ لا یصح، لا یثبت۔ صحیح نہیں، ثابت نہیں مجہول ہے، شاذ ہے، منکر ہے، منقطع ہے، مرسل ہے، مدلس ہے، معضل ہے، مضطرب ہے، مدرج ہے،

معلل ہے، غریب ہے، اس قسم کی اور جرحیں سیر و مغازی، فضائل و مناقب میں مستند ہونے میں مخل نہیں، بلکہ ان میں سے بعض احکام میں بھی معتمد ہیں۔

۶۔ ہاں! تعارض کے وقت کتاب اللہ پھر احادیث، صحاح، حسان کو ہمیشہ ترجیح ہوگی۔

۷۔ روایت مقبولہ کے ہوتے ہوئے محض اپنی رائے اور قیاس سے مزاحم ہونے کی وجہ سے کسی مروی کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ ہماری عقل خواہ کتنا ہی ابا کرے۔

رسول اکرم ﷺ کا نسب نامہ بیان کر کے شارح بخاری لکھتے ہیں۔ عدنان تک سلسلہ نسب متفق علیہ ہے اس لئے علمائے محتاطین نے اسی پر اکتفا فرمایا۔ خود نبی کریم ﷺ اپنا نسب نامہ عدنان تک بیان فرما کر خاموش ہو جاتے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی ایسا نہیں ملتا جو عدنان کے آگے سلسلہ نسب جانتا ہو۔

علمائے انساب کا اس پر اتفاق ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے آبا واجداد میں عدنان کے آگے حضرت اسماعیل، حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت ادریس، حضرت شیث بالضرور ہیں۔

حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل کی مکہ مکرمہ میں تشریف آوری بنی جرھم کی آمد، خانہ کعبہ کی تعمیر، حضرت اسماعیل کی سکونت کے بیان کے بعد اس امر کی تفصیلی تحقیق کہ حضرت اسماعیل ہی ذبیح اللہ ہیں۔ قبائل عرب اور ان کی مختلف شاخوں کا بھی ذکر ہے۔ عہد عبد المطلب میں چاہ زمزم کی دوبارہ کھدائی اور حضرت عبد اللہ کی ولادت اور اس سے متعلق واقعات ہیں۔ سنت ابراہیم کی تجدید، حضرت آمنہ سے حضرت عبد اللہ کا نکاح، اصحاب فیل کی تباہی۔ حضور اکرم ﷺ کی ولادت طیبہ اور رضاعت پھر کتاب کے آخر میں آپ کے والدین کریمین کے بارے میں اس بات کا مستند ثبوت کہ وہ اور ان کے آبائے کرام کفر و شرک اور ہر طرح کی بدکاری اور بے حیائی سے پاک تھے۔

اپنے زمانہ کے افضل ترین لوگ تھے۔ صاحب اسلام تھے۔

(خورشید رسالت کا طلوع) کے عنوان سے شارح بخاری نے جس والہانہ انداز سے ولادت طیبہ کے احوال وواقعات کا آغاز کیا ہے۔ اسی پر ان سطور کا اختتام کیا جا رہا ہے۔ یہ اقتباس ایک ادبی شہ پارہ بھی ہے۔

آج بہار خلد وادی تہامہ میں اتر آئی ہے۔ آسمان اپنی انجمن کے ساتھ دولت سرائے آمنہ پر جھکا آرہا ہے۔ ماہتاب وسط آسمان پر کھڑا فضائے بسیط پر اپنی نقرئی چاندنی تانے ہوئے ہے۔ آفتاب بڑی تیزی سے افق مکہ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ جبریل امین ملاء اعلیٰ کے نورانی انفاس کی فوج در فوج جلو میں لے کر دست بستہ کاشانہ عبداللہ پر کھڑے ہیں، کارکنان قضاو قدر چشم براہ ہیں۔ ملکہ مصر آسیہ، کنواری بتول مریم، حوران بہشت کے ساتھ حاضر ہیں۔

کیوں -- اس لئے کہ

نور ازل کا آئینہ جمال وکمال قادر مطلق کا مظہر ذات وصفات، رب العالمین کا خلیفہ اعظم، خالق کونین کا نائب اکبر، خزائن السمٰوات والارض کا مالک، نعمائے الٰہیہ کا قاسم، ملکوت وملک کا تاجدار، بحر وبر کا مختار، سید المرسلین، خاتم النبیین رحمۃ اللعالمین، شفیع المذنبین، دعائے خلیل، تمنائے کلیم، بشارت مسیح، جگر گوشہ عبداللہ، نور دیدہ آمنہ، رونق افزائے عالم شہود ہونے والا ہے۔

سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ

مسلک اہل سنت پر قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔ بد دینی و بد عقیدگی سے دور رہنا اور ضلالت و گمرہی پھیلانے والوں سے بے زار رہنا بھی فرض ہے۔ بالخصوص وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی بارگاہ میں تنقیص و بے ادبی کا ارتکاب کیا ان کی صحبت اور ان کے ساتھ میل جول سے احتراز و اجتناب کرنا اپنے ایمان واسلام کے تحفظ کے لئے نہایت ضروری ہے۔

دور حاضر میں نجد کی وہابیت' دہلی کی غیر مقلدیت' اور سہارنپور کی دیوبندیت جماعت اہل سنت و مسلک اہل سنت کے لئے زبردست چیلنج ہے۔ برصغیر ہند و پاک اور ان کے اثر سے یورپ و امریکہ تک دیوبندیت کا جال پھیل چکا ہے اور اس نے جگہ جگہ شب خون مار کر عوام اہل سنت اور خواص کے درمیان تفرقہ و انتشار کا بازار گرم کر رکھا ہے۔

نجدی وہابیت کا مصدر اول متحدہ ہندوستان کے اندر شاہ اسماعیل دہلوی کی وہ کتاب ہے جو "تقویۃ الایمان" کے نام سے ہر جگہ اور ہر حلقہ میں مشہور و معروف ہے۔ عربی و انگریزی اور دنیا کی مختلف بڑی زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ اسی تقویۃ الایمان کے بطن سے تحذیر الناس، حفظ الایمان، براہین قاطعہ وغیرہ کا وجود ہوا۔ اور ان کتابوں نے متحدہ ہند و پاک کے مسلمانوں کے درمیان وہ شورش پھیلائی اور ایسی آگ لگائی کہ ہندوستان کی مسلم آبادیاں اب تک اس آگ میں جھلس رہی ہیں۔

بہت سے لوگ ان حقائق سے ناواقف ہونے کی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ سنی

دیوبندی اختلاف، میلاد، قیام اور نیاز فاتحہ جیسے چند مسائل کی وجہ سے ہے۔ حالانکہ یہ خیال حقائق کے بالکل برخلاف ہے۔ اور شارح بخاری۔ نے اپنی اس کتاب میں نہایت تحقیق اور جامعیت کے ساتھ اس موضوع پر ایسے دلائل وشواہد پیش کئے ہیں کہ قاری کے سامنے سنی دیوبندی اختلاف کا اصل پس منظر کھل کر آجاتا ہے۔ ۱۹۸۹ء میں دائرۃ البرکات کریم الدین پور گھوسی نے ”سنی دیوبندی اختلافات کا منصفانہ جائزہ“ کے نام سے اسے شائع کیا ہے۔ جو ایک سو باون صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا تیسرا ایڈیشن اس وقت میرے زیر مطالعہ ہے۔

اختصار کے ساتھ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ شرک وبدعت کی بیخ کنی کے نام پر اللہ کے رسول ﷺ اور انبیا واولیا کی شان میں بے ادبی کی گئی ہے۔ محبوبان بارگاہ الٰہی کی عظمت گھٹانے اور مسلمانوں کو ان سے دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اپنے رسالہ یک روزہ میں شاہ اسماعیل۔ نے لکھا کہ ”اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے“ اسی طرح اپنی کتاب صراط مستقیم میں اس نے لکھا کہ ”رسول اللہ کا خیال نماز میں لانا اپنے بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے بدرجہا بدتر ہے“۔ ایسے عقائد باطلہ کے سامنے آتے ہی خود شاہ اسماعیل دہلوی کے گھرانے کے علما مثلا مولانا محمد موسیٰ دہلوی ومولانا مخصوص اللہ دہلوی فرزندان حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی نے کتابیں لکھ کر ان کی تردید کی۔ علامہ فضل حق خیر آبادی نے ”تحقیق الفتویٰ“ کے نام سے کتاب لکھی اس پر مذکورہ دونوں حضرات کے علاوہ حضرت مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی اور حضرت مولانا شاہ احمد سعید مجددی وغیرہم کی تصدیقات ہیں۔ علامہ فضل رسول بدایونی نے تقویۃ الایمان کا رد بوارق محمدیہ اور سیف الجبار کی شکل میں لکھا شاہ جہانی جامع مسجد دہلی میں علما دہلی نے شاہ اسماعیل دہلوی سے مباحثہ کر کے انھیں خاموش اور لاجواب کیا۔ اس کے بعد کچھ دنوں کے لئے اسماعیلی فتنہ دب گیا۔

انگریزوں نے اپنی عادت کے مطابق ایک سازش کے تحت مسلمانوں کے اندر

پھوٹ ڈالنے کی بھر پور جد و جہد کی۔ اس کے لئے تقویۃ الایمان کا بھی استعمال ہوا۔ اور پنجاب و سرحد کے اپنے مضبوط دشمن سکھوں اور پٹھانوں کی طاقت کمزور کرنے کے لئے دلی سے بالاکوٹ تک جو کچھ تعاون ممکن ہوا اسے اپنے انداز میں حکمت عملی کے ساتھ پیش کیا۔

اس کتاب میں دار العلوم دیو بند و مظاہر العلوم سہارنپور کا بھی اجمالی ذکر ہے۔ دیو بندی حجۃ الاسلام محمد قاسم نانوتوی صاحب نے اپنی کتاب تحذیر الناس میں لکھا ہے کہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی کوئی نیا نبی پیدا ہو جائے تب بھی خاتمیت محمدی میں فرق نہیں آئے گا۔ ان کے اس عقیدہ اور تحذیر الناس کے بارے میں دیو بندی حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب نے یہ بیان کیا ہے کہ جس وقت مولانا نانوتوی صاحب نے تحذیر الناس لکھی ہے کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہیں کی۔ بجز مولانا عبد الحی کے (الافاضات الیومیہ جلد چہارم)

دیو بندی قطب الاقطاب رشید احمد گنگوہی کی تصدیق کے ساتھ "براہین قاطعہ" کے نام سے خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری صاحب نے ایک کتاب لکھی جس میں تحریر کیا کہ "ہر سال میلاد کرنا کنہیا کے جنم کے سوانگ کی طرح ہے" اور اسی براہین قاطعہ میں یہ بھی لکھا گیا ہے کہ "شیطان و ملک الموت کے علم کی وسعت نص سے ثابت ہے۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے"۔

دیو بندی حکیم الامت اشرف علی تھانوی صاحب نے "حفظ الایمان" کے نام سے کتابچہ لکھا۔ جس میں یہ تحریر کیا کہ "اگر بعض علوم غیب مراد ہوں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے ایسا علم تو ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کو حاصل ہے۔"

ان کفری عبارتوں سے متحدہ ہندوستان کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ خلیل احمد انبیٹھوی صاحب سے حضرت مولانا غلام دستگیر قصوری لاہوری نے ریاست بہاول پور، پنجاب میں نواب بہاول پور جناب محمد

صادق عباسی کی نگرانی میں مناظرہ کیا۔ جس کے بعد انبیٹھوی صاحب کو ریاست بدر کر دیا گیا۔ "تقدیس الوکیل عن توہین الرشید والخلیل" کے نام سے اس مناظرہ کی تفصیلی روداد چھپ چکی ہے۔ دیوبندی عقائد کے خلاف حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے بعض ممتاز خلفا مثلاً حضرت مولانا عبد السمیع بیدل رامپوری، حضرت مولانا احمد حسن کانپوری، حضرت مولانا انوار اللہ حیدر آبادی وغیرہم نے بھی تحریری طور پر جواب دیتے ہوئے ان سے اپنی نفرت و بے زاری کا اظہار کیا۔

امام احمد رضا قادری بریلوی نے ان کفری عبارتوں کے خلاف سب سے زیادہ اپنا تیشہ قلم چلایا ہے۔ علماے عرب سے ان کے خلاف فتاوی حاصل کر کے "حسام الحرمین" کے نام سے شائع کیا ہے۔

علماے دیوبند نے خاتم النبیین کے مسئلہ پر تحذیر الناس کی عبارت کا جواب دینے کی جو کوشش کی ہے اور ریت کا جو محل تیار کیا ہے اسے اسی کتاب کے صفحہ ۵۰ تا صفحہ ۸۱ کی اپنی محققانہ تحریر، قاہرانہ ایرادات اور ضربات شدیدہ سے شارح بخاری نے پاش پاش کر دیا ہے۔ صفحہ ۸۱ تا صفحہ ۱۰۴ کے اندر بھی یہی زلزلہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی وسعت علم پر حملہ کرنے اور ان کی وسعت علم کی نص قطعی کا ثبوت مانگنے والا شیطانی لشکر "حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ" کی طرح سر پر پاؤں رکھ کر میدان چھوڑ بھاگتا ہے۔ صفحہ ۱۰۵ تا صفحہ ۱۳۲ حفظ الایمان اور اس کی کفری عبارت کی خبر گیری کی گئی ہے۔ تاویل و تبدیل اور اطلاق و حکم کا فرق بتا کر سبھی احتمالات کی قلعی کھول دی گئی ہے۔

اپنے موضوع پر یہ کتاب نہایت جامع اور مانع ہے۔ اور اس کے اندر واقعی سنی دیوبندی اختلافات کا محققانہ و فاضلانہ و منصفانہ جائزہ ہے۔ جس کا مطالعہ ان سبھی لوگوں کے لئے ضروری ہے جو سنی دیوبندی اختلاف کو سنجیدگی کے ساتھ علمی طور پر سمجھنا چاہتے ہیں۔

مقالات امجدی

مضامین شارح بخاری مقالات امجدی کے نام سے دائرۃ البرکات کریم الدین پور قصبہ گھوسی نے شائع کیا ہے۔ طبع سوم ۱۹۹۲ء ایک سو بہتر صفحات پر مشتمل ہے۔ جس کے عنوانات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ پیغمبر خدا قانون ساز بھی ہیں۔
۲۔ خلافت معاویہ ویزید پر ایک تحقیقی نظر
۳۔ اول جیش من امتی یغزون مدینۃ قیصر پر فیصلہ کن بحث
۴۔ تقلید شخصی کی شرعی حیثیت
۵۔ اسلامی فکر کی تعمیر نو
۶۔ ارض مقدس اور یہودی تغلب
۷۔ یہود کے بارے میں ایک آیت کی تشریح
۸۔ خلائی سفر اور قرآن حکیم
۹۔ رویت ہلال اور توقیت
۱۰۔ ریڈیو وغیرہ کی خبر پر روزہ چھوڑنے، نماز عید پڑھنے والے پر چار چار گناہ لازم
۱۱۔ اعلیٰ حضرت کے حافظے پر اعتراض کا جواب

ان مضامین میں اپنے اپنے عنوان کے تحت جو کچھ شارح بخاری نے تحریر فرمایا ہے اس کی ہلکی سی جھلک ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ قرآنی آیات، احادیث رسول، شواہد اور عقیدہ امت کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے کہ

شارع اسلام علیہ کو من جانب اللہ تشریعی اختیارات حاصل ہیں آپ بیک وقت قانون داں اور قانون ساز دونوں ہیں۔

۲۔ حضرت علی مرتضی کی خلافت شرعیہ، حضرت امام حسین کی شہادت فی سبیل اللہ، اور یزید کا فسق و فجور احادیث اور تاریخی حوالوں کے ذریعہ مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس موضوع سے متعلق مقالہ بہت طویل ہے -- خلاصہ یہ ہے۔

الف: یقیناً بلاشبہ یہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ حضرت علی مرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد یہی خلیفہ بر حق تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا قصاص نہ لینے اور اس میں کسی قسم کی پہلو تہی کرنے کا الزام حضرت علی مرتضی شیر خدا رضی اللہ عنہ پر لگانا قطعاً درست نہیں۔

ب: یزید اپنے فسق و فجور اور دیگر وجوہ شرعیہ کی بنا پر امام عالی مقام رضی اللہ عنہ اور دیگر ائمہ کے نزدیک یقیناً خلافت کا اہل نہیں تھا۔ اس کی خلافت شرعاً درست نہیں تھی۔

ج: اس کے بالمقابل ریحانہ رسول حضرت امام عالی مقام حق پر تھے اور انہیں اور ان کے رفقا کو قتل کرنا ظلم عظیم تھا۔ یہ حضرات مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

۳۔ ایک حدیث شریف کے اندر بشارت ہے کہ مدینہ قیصر کی جنگ میں شریک ہونے والا لشکر جنتی ہے۔ قیصر کا شہر قیصر کے ملک و سلطنت میں کوئی بھی شہر ہو سکتا ہے۔ جمادی الاولی ۸ھ میں عہد رسالت ہی میں پہلی جنگ ہو چکی تھی۔ جس کا نام غزوۂ موتہ ہے۔ قیصر کا دار السلطنت حمص عہد فاروقی ۱۶ھ میں فتح ہوا۔ ان دو جگہوں میں سے کسی ایک میں بھی یزید پلید شریک نہیں تھا۔ اگر مدینہ قیصر سے مراد خاص قسطنطنیہ لیا جائے تو عہد عثمان غنی میں ۳۲ھ

میں حضرت امیر معاویہ کی قیادت میں قسطنطنیہ کی جنگ ہوئی۔ دوسری بار ۴۳ھ میں بسر بن ابی ارطاۃ کی سرکردگی میں اور تیسری بار ۴۴ھ میں اور چوتھی بار ۴۶ھ میں عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کی سرکردگی میں قسطنطنیہ کی جنگ ہوئی۔ ان چاروں جنگوں میں سے کسی ایک میں بھی یزید پلید شریک نہیں ہوا تھا۔ یزید پلید جس جنگ قسطنطنیہ میں شریک ہوا۔ وہ ۴۹ھ یا ۵۰ھ یا اس کے بعد ۵۲ھ کی جنگ تھی۔ اور حدیث میں بشارت صرف اسی لشکر کے لئے ہے جو جنگ قسطنطنیہ میں پہلی بار شریک ہوا۔ اس لئے اس بشارت کا یزید پلید مستحق نہیں۔

۴۔ نقلی و عقلی دلائل اور اقوال فقہا سے ثابت کیا گیا ہے کہ فقہی تقلید لازم ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی عقد الجید میں فرماتے ہیں کہ فقہی مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں عظیم مصلحت ہے اور ان سے انحراف کرنے میں ایک بھاری فساد ہے۔

مختلف حوالہ جات نقل کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے گئے ہیں۔

الف: فرقہ ناجیہ اہل سنت و جماعت ہے، ان کے علاوہ دوسرے تمام فرقے خواہ وہ اپنا نام کچھ رکھیں جہنمی اور بدعتی ہیں۔

ب: اس پر اجماع ہے کہ تقلید شخصی واجب ہے۔

ج: تقلید شخصی میں عظیم مصلحت ہے اور اس کے ترک میں فساد کبیر ہے۔

د: شریعت کی معرفت نقل اور استنباط پر موقوف ہے اور دونوں سلف کے اقوال جاننے پر موقوف ہیں۔

ہ: سلف میں ائمہ اربعہ کے اقوال اسناد صحیح کے ساتھ مروی ہیں اور صرف انھیں کے مذاہب منقح ہیں۔

و: سلف میں سے ائمہ اربعہ کے علاوہ دوسرے مجتہدین کے اقوال نہ تو اسناد صحیح

کے ساتھ مروی ہیں نہ کتب مشہورہ میں جامعیت کے ساتھ مدون ہیں کہ ان پر اعتماد صحیح ہو اور نہ منقح ہیں۔

آج واجب ہے کہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی سبھی مقلدین جملہ مسائل فقہیہ میں اپنے اپنے ائمہ کرام کی تقلید کریں۔ دور حاضر میں اصحاب فکر و تدبر تو ہیں مگر اصحاب اجتہاد نہیں۔ کسی بڑے سے بڑے عالم و مفتی میں مجتہد بننے کی نصف شرائط و صفات بھی نہیں پائی جاتی ہیں۔ اس لئے دین کی سلامتی اسی میں ہے کہ دائرۂ تقلید میں رہ کر اپنے آپ کو محفوظ رکھا جائے۔

مضامین و مقالات اپنے اپنے موضوع کے جس گوشہ پر لکھے ہیں نہایت جامع و مفید ہیں۔ اور مولانا عبدالحق رضوی نے یہ خوشخبری دی ہے کہ تلاش و جستجو کے بعد شارح بخاری کے بہت سے پرانے مضامین جو مختلف رسائل میں شائع ہوئے وہ دستیاب ہو گئے ہیں۔ ان کی اور کچھ نئے مضامین کی کتابت جاری ہے۔ اب مقالات امجدی کی طباعت، گرانقدر اضافے، نئی ترتیب، نئے طرز، اور نئی سج دھج کے ساتھ ہونے والی ہے۔ اندازہ ہے کہ مقالات شارح بخاری کے کل صفحات ایک ہزار سے بھی متجاوز ہوں گے۔ (انشاءاللہ تعالی)

تحقیقات

ایک سو پچہتر صفحات پر مشتمل "تحقیقات" کے نام سے "مکتبة الحبیب الہ آباد" کی طرف سے شائع شدہ ۱۹۷۶ء کا دوسرا ایڈیشن اس وقت میرے سامنے ہے۔ اس کا پہلا اڈیشن ۱۹۷۱ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ یہ کتاب ان اعتراضات کے جواب میں شارح بخاری کے قلم سے عالم وجود میں آئی ہے۔ جو علمائے اہل سنت اور ان کی کتابوں پر علمائے دیوبند کی جانب سے بار بار شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۱ء میں دفتر تبلیغ دار العلوم دیوبند کی طرف سے اس عنوان سے ایک لمبا پوسٹر شائع ہوا تھا۔ "رضاخانی عقائد باطلہ اپنے اقوال کے آئینہ میں" اسی لئے اس وقت کے مہتمم دیوبند قاری محمد طیب صاحب کو تحقیقات میں مخاطب کرتے ہوئے جواب دیا گیا ہے۔ اور جواب بھی ایسا زبردست اور دندان شکن ہے کہ اسے پڑھ کر یہ شعر لوح ذہن پر ابھر آتا ہے۔

وہ رضا کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار، وار سے پار ہے

امام احمد رضا قدس سرہ کے وصایا شریف میں ہے "میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے"۔

اس پر کیے جانے والے اعتراض کے جواب میں شارح بخاری، قاری طیب صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ یہ قاری صاحب کی اعلیٰ سمجھ کا

کرشمہ ہے کہ میرے دین و مذہب کا مطلب میرا ایجاد کردہ دین لیا۔ حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ میرے دین اور میرے مذہب کا مطلب "میرا اختیار کردہ پسندیدہ مذہب" ہے کسی عرف کسی لغت میں میرے دین کے معنی ایجاد کردہ نہیں۔

اللہ عز و جل فرماتا ہے: الیوم اکملت لکم دینکم۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے۔

قبلہ فرمایئے! یہاں تمہارے دین کے معنی کیا ہیں؟ یہاں جو مراد ہے وہی وصایا شریف کی عبارت میں بھی مراد ہے۔

حدیث میں ہے کہ منکر نکیر قبر میں سوال کریں گے ما دینک؟ تیرا دین کیا ہے؟ مومن جواب دے گا میرا دین اسلام ہے۔

قاری صاحب بولئے! یہاں "میرا دین" سے کیا مراد ہے۔ جو مراد یہاں ہے وہی وصایا شریف کی عبارت میں ہے۔

حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ثم اعتقادی مذہب النعمان۔ یعنی قیامت کے دن کے لئے جواندوختہ جمع کیا ہے۔ وہ مذہب نعمان پر میرا اعتقاد ہے۔

بولئے حضرت جی! مذہب نعمان کے کیا معنی ہیں؟

دیوبندی مؤرخ عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید حصہ دوم میں رشید احمد گنگوہی صاحب کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ نے کئی مرتبہ یہ الفاظ زبان فیض ترجمان سے فرمائے:

"سن لو! حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور میں بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں مگر اس زمانے میں ہدایت اور نجات۔ موقوف ہے میرے اتباع پر۔"

ہم مسلمانوں کے نزدیک ہدایت اور نجات حضور ﷺ کے اتباع پر موقوف ہے۔ مگر مسلمانوں کے برخلاف دیوبندی مذہب میں ہدایت و نجات گنگوہی کے اتباع پر موقوف ہے۔

بولئے؟اب دیوبندی مذہب آپ کے قبلہ گنگوہی جی کا ایجاد کردہ ہوا کہ نہیں؟

اس کے بعد فاتحہ کی وہ چیزیں جن کا وصایا شریف میں ذکر ہے ان پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے شارح بخاری نے فرمایا کہ امام احمد رضا بریلوی نے یہ تو نہیں فرمایا کہ میرے کھانے کے لئے یہ چیزیں لاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ یہ چیزیں میری قبر میں رکھ دینا۔ یہ بھی نہیں فرمایا کہ میرے بعد میری اہلیہ اور صاحبزادوں کو دینا۔ بلکہ خود اپنے صاحبزادوں کو وصیت کی کہ اگر برضاورغبت ہوسکے تو میرے بعد میری فاتحہ میں یہ چیزیں مہیا کر کے فقرا اور مساکین کو کھلادینا۔

جب کہ اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنے مریدوں کو وصیت کی کہ بیس آدمی مل کر ایک ایک روپیہ ہر ماہ میری بیوی کو دیا کریں۔ قاسم نانوتوی صاحب کو اپنے انتقال کے وقت ککڑی کھانے کی خواہش تھی تو لکھنو سے ککڑی منگا کر انہیں کھلائی گئی۔ حسین احمد ٹانڈوی صاحب کو اپنے آخر وقت میں سردہ کھانے کی شدید خواہش تھی۔ جو دہلی، سہارن پور، میرٹھ وغیرہ میں نہ مل سکا تو کراچی اور لاہور سے سردہ منگا کر انہیں کھلایا گیا۔

علم رسول ﷺ سے متعلق "براہین قاطعہ" کی عبارت سے متعلق ایک محققانہ بحث کتاب کے اندر شامل ہے۔ جو خالص الاعتقاد از امام احمد رضا بریلوی کی طرف منسوب ایک فرضی عبارت کے جواب میں ہے۔

اس دیوبندی پروپگنڈہ کا بھی بھرپور جواب دیا گیا کہ علمائے بریلی اپنے ہم مسلک مسلمانوں کے علاوہ دنیا کے تمام مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ دیوبندی علما تو شرک و بدعت کے نام پر خود ہی دوسرے مسلمانوں کو مسلمانوں کی فہرست سے خارج کرتے رہتے ہیں۔ سنی علما صرف ان لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں جو ضروریات دین کا انکار کرتے ہیں اور اللہ و رسول کی بارگاہ میں گستاخیاں کرتے ہیں۔ کفر کی مشین تو خود دیوبند میں چلتی

رہتی ہے۔ یہ دیکھئے! عبدالماجد دریابادی صاحب اپنے مرشد اشرف علی تھانوی صاحب کے بارے میں اپنی کتاب حکیم الامت میں لکھتے ہیں۔

"مولانا تھانوی کا فتویٰ شائع ہو گیا، مولانا شبلی اور مولانا حمید الدین کافر ہیں۔ اور چونکہ مدرسہ انہیں دونوں کا مشن ہے۔ اس لئے مدرسۃ الاصلاح، مدرسہ کفر و زندقہ ہے۔ اور اس کے تمام متعلقین کافر و زندیق ہیں۔ یہاں تک کہ جو علما اس مدرسہ کے جلسوں میں شرکت کریں وہ بھی ملحد و بے دین ہیں۔"

سارے دیوبندیوں کے پیشوا شاہ اسماعیل دہلوی اپنی کتاب تقویت الایمان میں لکھتے ہیں:

"پھر اللہ آپ ایسی ایک باؤ بھیجے گا کہ سب اچھے بندے کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہو گا مر جاویں گے۔ سو پیغمبر خدا کے فرمانے کے موافق ہوا۔"

یعنی چل گئی وہ باد (ہوا) اور مر گئے وہ سب بندے جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان تھا اور رہ گئے نرے کافر۔"

بولئے قاری صاحب! یہ تمام دنیا کے مسلمانوں کی تکفیر ہوئی کہ نہیں؟

علمائے دیوبند نے آپس میں ایک دوسرے کی جس طرح تضلیل و تکفیر کی ہے اس کے کئی نمونے کتاب میں درج ہیں۔

عبدالرحمٰن قاری کے نام سے چھیڑے گئے ایک مسئلہ میں الملفوظ کا حوالہ دے کر کئے جانے والے ایک اعتراض کا بھی تاریخی جواب تحقیقات میں دے کر دیوبندیوں کا منہ بند کر دیا گیا ہے۔ قرآن کے محفوظ ہونے پر بھی ایک لمبی بحث ہے۔ اسی طرح نبی و رسول کے درمیان اصطلاحی فرق کی بھی تفصیل کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے۔ حدائق بخشش حصہ سوم میں شامل تشبیب کے چند اشعار پر دیوبندی حلقوں سے برپا کئے جانے والے شور و غوغا کا بھی تفصیلی جواب کتاب کے اہم مباحث میں ہے۔

الغرض تحقیقات کے اندر ان بہت سے اعتراضات کے تحقیقی والزامی جوابات تفصیل سے دے دیے گئے ہیں جنہیں اہل سنت میں انتشار برپا کرنے اور انہیں بدنام کرنے کے لئے بار بار دہرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

اثبات ایصال ثواب

ایک استفتا کے جواب میں ستہتر صفحات کی ایک کتاب کا تیسر ا ایڈیشن ۱۹۹۲ء مطبوعہ دائرۃ البرکات کریم الدین پور قصبہ گھوسی اثبات ایصال ثواب کے نام سے اس وقت میرے پیش نظر ہے۔اس میں شارح بخاری نے آیات واحادیث سے ثابت کیا ہے کہ ایک مومن کی دعاو استغفار اور ایصال ثواب دوسرے مومن کے حق میں جائز بھی ہے اور مفید بھی۔اور کسی بھی نفلی نیک کام کا ثواب دوسرے کو بخش دینے کے جواز پر اہل سنت کا اجماع ہے۔

قرآن حکیم کی آیت کریمہ وان لیس للانسان الا ما سعی۔انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کمایا۔کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے لئے جزا صرف اپنی سعی ایمانی پر مرتب ہے۔اگر وہ مومن ہے تو جزائے خیر پائے گا۔ایک توجیہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے ہی اعمال کی جزا ملنا یہ عدل الٰہی ہے اور دوسرے کا بخشا ہوا ثواب اسے ملنا یہ فضل الٰہی۔ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ بطور ترغیب و تشویق یہ کہا گیا ہے تاکہ انسان اپنے کام میں زیادہ سے زیادہ سعی کر سکے۔

دوسرے کو جزا و ثواب ملنا خود قرآن سے ثابت ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ دوسروں کے لئے دعاو استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔اگر کسی دوسرے انسان کے لئے دعاو استغفار کا کوئی فائدہ نہیں تو پھر اللہ عزوجل کا حکم لغو قرار پائے گا۔اور محال ہے کہ اللہ کا

کوئی حکم لغو وعبث ہو۔

سورہ نور میں خود سرکار دو عالم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ۔ (واستغفر لهم الله)اور ان کے لئے اللہ سے استغفار کرو۔ سورہ ابراہیم میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے اللہ سے دعا کی کہ اے میرے رب! مجھے اور میرے والدین اور ایمان والوں کو قیامت کے دن بخش دے۔ سورہ نوح میں اس سے ملتی جلتی ایک دعا حضرت نوح سے بھی منقول ہے۔ سورہ یوسف میں برادران یوسف کے لئے حضرت یعقوب کے استغفار کا ذکر ہے۔ سورہ غافر اور سورہ شوری میں اہل ایمان کے لئے ملائکہ کے استغفار کا بیان ہے۔ جسے ثواب پہونچایا جائے اس کے زندہ و مردہ ہونے کی بھی کوئی قید نہیں۔ سورہ حشر میں خود عامہ مومنین کا یہ استغفار مذکور ہے۔ ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔ اے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

نماز جنازہ میں بھی مردہ کے لئے دعا ہے۔ اور مردہ کو اس کا ثواب پہونچتا ہے۔ عہد رسالت سے آج تک مسلمانوں کے درمیان مردوں کے لئے نماز جنازہ کا معمول و رواج ہے۔ قیامت کے دن انبیا و اولیا و صلحا جنہیں شفاعت کا اذن ملے گا ان کی شفاعت دوسروں کے لئے مفید و مقبول ہو گی۔

احادیث و آثار میں حج و قربانی و صدقہ دوسروں کی طرف سے کرنے کے متعدد واقعات مروی ہیں۔ ابوداؤد و نسائی میں یہ روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے حاضر بارگاہ رسالت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے ان کے لئے کون سا صدقہ افضل ہو گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: پانی۔ تو انہوں نے کنواں کھودا اور کہا کہ یہ ام سعد کے لئے ہے۔

اسی طرح بخاری و مؤطا و نسائی میں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی والدہ کے انتقال کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان

کو نفع پہونچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! تو سعد بن عبادہ نے اپنی ماں کا نام لے کر کہا کہ فلاں فلاں باغ ان کی طرف سے صدقہ ہے۔

سنن نسائی اور مؤطا میں ایک اور روایت ہے کہ سعد بن عبادہ نے حاضر بارگاہ رسالت ہو کر عرض کیا کہ میری ماں کی وفات ہو گئی ہے۔ اور انہوں نے منت مان رکھی تھی۔ اگر میں ان کی طرف سے آزاد کر دوں تو کیا ان کی طرف سے کافی ہو گا؟ فرمایا: اپنی ماں کی طرف سے آزاد کر دے۔

حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی ماں کے ایصال ثواب کے لئے کنواں اور باغ کا صدقہ کر کے اپنی ماں کو ایصال ثواب کیا۔ اور اپنی ماں کی مانی ہوئی نذر پوری کرنے کے لئے غلام آزاد کیا۔ تاکہ اس کا ثواب ان کی ماں کو پہونچے۔

مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ ایک صاحب نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا میرے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ انہوں نے مال چھوڑا اور وصیت نہیں کی ہے اگر میں صدقہ کروں تو کیا ان کے گناہوں کے لئے کفارہ ہو گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں!

ایصال ثواب حق ہے۔ یہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔ شیخ صدر الدین ابو عبد اللہ دمشقی ”رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمۃ“ میں لکھتے ہیں:

اجمعوا علی ان الاستغفار والدعا والصدقة والحج والعتق ینفع المیت و یصل الیه ثوابه.

ترجمہ: اس پر اجماع ہے کہ استغفار، دعا، صدقہ، حج اور غلام آزاد کرنا میت کو نفع دیتے ہیں اور ان کا ثواب میت کو ملتا ہے۔

شیخ جلیل علامہ اسماعیل حقی روح البیان میں اور علامہ صاوی حاشیہ جلالین میں فرماتے ہیں:

قال الشیخ تقی الدین ابو العباس من اعتقد ان الانسان لا یُنفع الا بعمله فقد خرق الاجماع.

ترجمہ: ابن تیمیہ نے کہا: جو یہ اعتقاد کرے کہ انسان کو صرف اپنے ہی عمل سے نفع ہوتا ہے اس نے اجماع کے خلاف کیا۔

منکرین ایصال ثواب بھی مندرجہ ذیل امور کو مانتے ہیں:

۱۔ کسی پر حج فرض تھا۔ اور حج کئے بغیر مر گیا تو اس کا وارث اگر اس کی طرف سے حج بدل کرے تو جائز ہے۔ اور مرنے والے کو نفع پہونچتا ہے۔ اگرچہ مرنے والے نے وصیت نہ کی ہو۔

۲۔ کسی نے حج کی منت مانی تھی اور ادا کئے بغیر مر گیا۔ اگر اس کا وارث اس کی طرف سے حج بدل کر دے تو یہ بھی جائز ہے۔ اور اس کے لئے نفع بخش ہے۔ اگرچہ مرنے والے نے وصیت نہ کی ہو۔

۳۔ کسی نے قربانی کی منت مانی تھی اور قربانی نہ کر سکا اور مر گیا۔ وارث نے اس کی طرف سے کر دی تو درست ہے۔ اگرچہ وصیت نہ کی ہو۔

۴۔ کسی نے قربانی کی وصیت کی تو جسے وصیت کی اسے اس کی طرف سے سال بسال قربانی کرنے کی اجازت ہے۔

۵۔ کسی نے صدقہ کرنے کی منت مانی تھی اور مر گیا۔ منت پوری نہیں کی۔ تو اس کا وارث اس کی طرف سے صدقہ کر سکتا ہے اگرچہ وصیت نہ کی ہو۔

۶۔ کوئی بوڑھا اتنا کمزور ہے کہ وہ حج نہیں کر سکتا۔ مگر مالی استطاعت اتنی ہے کہ حج کر سکے۔ تو اس کی طرف سے حج بدل کر سکتے ہیں اگرچہ اس نے حکم نہ دیا ہو۔

۷۔ زندوں کی طرف سے دوسرا قربانی کر سکتا ہے۔ اگرچہ اس سے انہوں نے قربانی کرنے کے لئے کہا نہ ہو۔

صدقہ کرنے میں فقرا و مساکین کو کھانا کھلانا، کپڑا پہنانا وغیرہ سب شامل ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایصال ثواب مطلقا جائز ہے۔ خواہ عبادات بدنیہ محضہ کا ہو، یا عبادات مالیہ کا۔ یا دونوں کا مرکب ہو۔ خواہ وہ نفل نماز ہو یا روزہ ہو یا صدقہ ہو یا حج ہو یا قربانی ہو یا کچھ اور ہو۔ مطلقا ایصال ثواب کا انکار معتزلہ اور خارجیوں کا عقیدہ ہے۔

ضمیمہ کتاب میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے فیصلہ ہفت مسئلہ سے ایصال ثواب کے بارے میں یہ اقتباس منقول ہے۔

"نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب و فرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے۔ اور اگر یہ اعتقاد نہیں۔ بلکہ کوئی مصلحت، باعث تقیید ہیئت کذائیہ ہے۔ تو کچھ حرج نہیں۔ جیسا بمصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہا محققین نے جائز رکھا ہے۔ اور تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے۔ اور تامل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثلا کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا۔ اور دل سے ایصال ثواب کی نیت کرلی۔ متاخرین میں سے کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے۔ مگر موافقت قلب و لسان کے لئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحب ہے۔ اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہونچ جائے تو بہتر ہے۔ پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ "اس" کا مشار الیہ اگر روبرو موجود ہو تو زیادہ استحضار قلب ہو۔ کھانا روبرو لانے لگے۔ کسی کو خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الہی بھی پڑھ لیا جائے۔ تو قبولیت دعا کی امید ہے۔ اور اس کا ثواب بھی پہونچ جاوے گا۔ کہ جمع بین العبادتین ہے۔

چہ خوش بود کہ بر آید بیک کرشمہ دو کار

قرآن شریف کی بعض سورتیں، بھی جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں، پڑھی جانے لگیں۔ کسی نے خیال کیا دعا کے لئے رفع یدین سنت ہے۔ ہاتھ بھی اٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا کھانا جو مسکین کو دیا جاوے گا اس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے۔ پانی پلانا بڑا ثواب ہے۔ اس پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہیئت کذائیہ حاصل ہوئی۔ یا تعیین تاریخ۔ ... تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو

اس وقت وہ یاد کیا جاتا ہے۔ اور ضرور ہو رہتا ہے۔ اور نہیں تو سالہا سال گزر جاتے ہیں۔ کبھی خیال بھی نہیں ہوتا۔ اسی قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے۔

جشن شارح بخاری

JASHN -E- SHARIH -E- BUKHARI

(MUFTI M. SHAREEFUL HAQUE AMJADI)

فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ (نائب مفتی اعظم ہند)

ناظم تعلیمات وصدر شعبۂ افتاء الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ یوپی، (ہند) کوڈ ۰۵۴۶۲، فون ۵۰۰۹۲

باسمہ وحمدہ تعالیٰ وتقدس

شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت برکاتہم العالیہ کے اعزاز، ان کی خدمات کے اعتراف اور اکابر کے کارناموں سے نئی نسل کی روشناسی کے لئے رضا اکیڈمی ممبئی کے زیر اہتمام ۶ر نومبر ۱۹۹۹ء کو ممبئی میں "جشن شارح بخاری" انعقاد ہو رہا ہے۔

اس موقع سے حضرت کے حالات وخدمات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب بھی منظر عام پر لانے کا ارادہ ہے اس سلسلے میں آپ سے تعاون کی قوی امید کی بنیاد پر گزارش ہے کہ :

۱- حضرت کے ذاتی حالات (تعلیم، تدریس، اکابر سے عقیدت، اصاغر پر شفقت، معاصر علماء کی عزت، اخلاق، عادات، زبانی افادات، نصائح وغیرہ) سے متعلق جو واقفیت آپ کو ذاتی طور پر یا معتبر ذریعہ سے حاصل ہو، براہ کرم قلم بند فرما کر ذیل کے پتے پر ارسال فرمادیں۔

۲- اسی طرح حضرت کا کوئی علمی مکتوب آپ کے پاس ہو تو براہ کرم اس کی کاپی بھیجیں۔

۳- حضرت کے بارے میں مشائخ واکابر کی زبان یا قلم سے کوئی تاثر آپ کی یادداشت میں ہو تو پورے حوالے کے ساتھ اسے بھی فراہم کریں۔

۴- مذکورہ امور کے علاوہ بھی حضرت کے حالات میں اشاعت کے قابل کوئی مفید چیز آپ کے پاس ہو تو عنایت فرمائیں۔

مصروفیت یا اور کسی وجہ سے اگر آپ خود نہ لکھ سکیں تو اپنی باتیں کسی معتمد شخص کو بتادیں جو قلم بند کر کے آپ کو سنادے پھر آپ اپنے دستخط کے ساتھ ارسال فرمادیں۔ کچھ خاص عنوانات بھی مقرر کئے گئے ہیں۔ جن کے لئے اپنی دانست کے مطابق مناسب حضرات کی خدمات میں نگارش کی درخواست کی گئی ہے۔

انشاء المولیٰ تعالیٰ اکیڈمی آپ کے اس اہم قلمی تعاون کا اعزاز ضرور ملحوظ رکھے گی، معیاری اور مفید نگارشات کے لئے کچھ بدل خدمات پیش کرنا جشن کے منصوبے میں شامل ہے۔

والسلام مع الاکرام

محمد سعید نوری، عبدالحق رضوی

منجانب: رضا اکیڈمی ممبئی-۳

نگارشات بھیجنے کے لئے پتہ :

مولانا محمد نسیم مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ

مبارکپور، اعظم گڑھ ۲۷۶۴۰۴ یوپی، (ہند) فون : ۵۰۰۹۲

منتخب عناوین

شارح بخاری-حالات و کمالات

- مولد و مسکن -گھوسی- کے تاریخی حالات، مضافات کے خاص مقامات
- خاندانی حالات
- زمانہ طالب علمی-(مدارس، اساتذہ، سند فراغ اجالا)
- شیوخ اور اساتذہ (مفصل حالات)
- ازدواجی اور عائلی زندگی، اولاد و احفاد

میدان عمل میں

- تدریس-مدارس ◦ افتاء
- مناظرہ ◦ فقہی بصیرت
- تحریر ◦ تقریر
- دعوت و اصلاح-اسفار
- سیاسی بصیرت ◦ انتظامی صلاحیت
- اداروں سے تعلق اور خاص کردار
- علماو مشائخ کا اعزاز
- اکابر سے عقیدت اور ان کا ذکر جمیل
- اصاغر پر شفقت اور ان کی رہنمائی
- انداز اصلاح و تربیت
- اخلاق و عادات اور معمولات
- مجلسی افادات، حکیمانہ نصائح
- طنز و مزاح
- تلامذہ و مریدین
- اجازات و اسانید اور خلفاو مجازین
- خانوادۂ برکات سے تعلق
- امام اہل سنت - (الف) خانوادۂ رضویہ سے تعلق
  (ب) مظہر اسلام سے تعلق
  (ج) رضوی دار الافتا سے تعلق
- جامعہ اشرفیہ مبارکپور
  (الف) بحیثیت صدر شعبہ افتا
  (ب) بحیثیت ناظم تعلیمات و رکن مجلس انتظامیہ و شوریٰ
  (ج) مخلص و مشیر و مرجع علماو عوام
- دائرۂ تعلقات (معاصر و متقدم علما، ادارے، انجمنیں، عوام و خواص)

شارح بخاری-تصنیفی خدمات

- اشرف السیر ◦ اشک رواں
- اسلام اور چاند کا سفر
- منصفانہ جائزہ ◦ تحقیقات
- اثبات ایصال ثواب
- مقالات امجدی
- فتنوں کی سرزمین کون؟ نجد یا عراق
- دیوبندیوں کا مذہب حنفی سے ارتداد (قلمی)

نزہۃ القاری بشرح البخاری

- نزہۃ القاری ایک علمی شاہکار
- مقدمہ
- انداز ترجمہ و تشریح
- اسلوب تحریر و تفہیم
- حل لغات و اعراب-حل اشکالات
- تاریخی احوال کی تحقیق
- فقہی مسائل، اسانید و متون پر نقد و نظر
- رواۃ حدیث کا ذکر جمیل
- اثبات عقائد اہل سنت
- رد شیعہ ◦ رد خوارج
- رد معتزلہ ◦ رد غیر مقلدین
- رد دیوبندیت ◦ اثبات مسلک حنفی
- نزہۃ القاری اور دیگر شروح کا تقابلی مطالعہ

فقیہ الہند شارح بخاری مدظلہ العالی کی اہم تصانیف

نزھۃ القاری

اصح کتب بعد کتاب اللہ بخاری شریف کی نہایت جامع مفید شرح جو تمام عربی فارسی شروح کا عطر مجموعہ ہے۔ عوام، خواص، علماء، طلبہ، واعظین، مستفیدین کے لئے لاجواب تحفہ۔ کتابت طباعت نہایت اعلیٰ جلد زریں، خوب صورت، مضبوط، خوشنما۔ سائز ۲۰×۳۰/۸

جلد اول	صفحات ۵۵۹	از ابتداء	تا	کتاب الوضوء
〃 ثانی	〃 ۴۸۸	از کتاب الوضوء	تا	ختم کتاب الصلوٰۃ
〃 ثالث	〃 ۵۵۶	از مواقیت الصلوٰۃ	تا	جنائز
〃 رابع	〃 ۵۲۰	از کتاب الجنائز	تا	کتاب المناسک
〃 خامس	〃 ۵۲۸	از کتاب الصوم	تا	کتاب الھبہ
〃 سادس	〃 ۶۱۸	از کتاب الشہادۃ	تا	کتاب الانبیاء
〃 سابع	〃 ۶۴۸	از کتاب المناقب	تا	کتاب التفسیر
〃 ثامن	〃 ۴۱۶	از کتاب فضائل القرآن	تا	کتاب الدعوات
〃 تاسع	〃 ۳۵۶	از کتاب الرقاق	تا	ختم بخاری

اشرف السیر

فن سیرت پر تحقیقی مقدمہ کے ساتھ غار حرا تک کے واقعات پر مشتمل ایک تاریخی دستاویز۔ صفحات قیمت

مقالات شارح بخاری

شارح بخاری کے اہم موضوع پر مضامین و مقالات کا حسین گلدستہ۔ تین حصوں میں۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶

اسلام اور چاند کا سفر

از روئے شرع چاند پر پہنچنا ممکن ہے یا نہیں؟ چاند سورج ستارے کہاں ہیں۔ شارح بخاری کی تحقیقات کا خزینہ۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۲۸ قیمت۔

اثبات ایصال ثواب

اس موضوع پر شارح بخاری نے اس کتاب میں ایک نئے انداز سے بحث کی ہے میلاد و قیام نیاز و فاتحہ کے سلسلہ میں جو لوگ کسی شک و شبہے میں ہوں ان کے اطمینان کلی کی دستاویز۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶ صفحات ۸۰ قیمت

فتنوں کی سرزمین

نجد و عراق کا ایک گراں قدر تاریخی و دینی اور سیاسی جائزہ۔

امام احمد رضا اور مسئلہ تکفیر

از شارح بخاری، اپنے موضوع پر علم و تحقیق کا قابل مطالعہ ذخیرہ

منصفانہ جائزہ

سنی و دیوبندی اختلافات پر شارح بخاری کی فیصلہ کن ابحاث کا مرقع۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶

تحقیقات

معاندین اہلسنت کے کچھ اعتراضات کے مدلل جوابات۔ دو حصوں میں۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶

اذان خطبہ کہاں ہو

اس موضوع پر شارح بخاری کے تلمیذ رشید مولانا حافظ عبدالحق صاحب کا محققانہ رسالہ۔ اذان خطبہ کہاں ہو؟ پر پھلواری کے بعض پیروں نے بہت ریز کی تھی۔ اس کا بھرپور رد اس کتاب میں ہے۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶

تنقید برمحل

جناب مولانا حافظ عبدالحق صاحب زیدہ مجدہ کے اشہب قلم کی جولانی دماغ کی نکتہ آفرینی مطالعہ کی فراوانی کا منظر دیکھنا ہو تو اس کا ضرور مطالعہ کریں۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶

شارح بخاری

از:۔ مولانا لیٰسین اختر مصباحی۔ مولانا موصوف کے باوقار اور جاندار قلم سے شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ کے حالات و خدمات پر مشتمل ایک مختصر اور جامع تعارف صفحات ۲۰۵۔ ۲۳×۳۶/۱۶

دائرۃ البرکات، کریم الدین پور، قصبہ گھوسی، ضلع مئو (یوپی، انڈیا)